

تذکرہ مفسرین ہند

جلد اول

مرتبہ

محمد عارف اعظمی عمری

دارالمنصفین، شبلی اکیدمی، شبلی روڈ، اعظم گڑھ (ہند)

تذکرہ مفسرین ہند

(جلد اول)

یہ جلد دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں ہندوستان کے قدیم مفسرین اور ان کی تفسیروں کا تعارف کرایا گیا ہے اور دوسرے حصہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خانوادہ علمی نیز ان کے تلامذہ، معاصرین کی تفسیری کاوشوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مرتبہ

محمد عارف اعظمی عمری

لکھنؤ میں شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (۲۷۶۰۰۱) یو پی (ہند)

جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ دارالمصنفین ۱۶۵

نام کتاب:	تذکرہ مفسرین ہند (جلد اول)
نام مصنف:	محمد عارف اعظمی عمری (رفیق دارالمصنفین)
صفحات:	۲۵۴
قیمت:	
ایڈیشن:	طبع دوم، مئی ۲۰۰۶ء
مطبع:	معارف پریس، اعظم گڑھ
ناشر:	دارالمصنفین (شبلی اکیدمی) اعظم گڑھ ۲۷۶۰۰۱



باہتمام

عبدالمنان ہلالی

فہرست تذکرہ مفسرین ہند
(جلد اول)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷	علمی مرتبہ	۱	دیباچہ
۷	عقیدہ و مسلک	۵	مقدمہ طبع اول
۹	وفات	۷	طبع دوم
۹	تصنیفات		(حصہ اول)
۱۰	تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان		(عہد قدیم کے مفسرین کرام) ۱۵۲-۱
۱۱	آیات کا ترجمہ		شیخ محمد بن احمد شریکی ماریکلی ۶-۱
۱۲	تفسیر غرائب القرآن کی ہندوستان میں تکمیل		
۱۳	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱	نام و نسب اور خاندانی حالات
۱۳	ماخذ تفسیر	۱	تعلیم
	شیخ ابوبکر اسحاق بن تاج ملتانی ۱۶-۱۵	۲	درس و تدریس
		۲	تقویٰ اور بے باکی
۱۵	ابتدائی حالات	۲	وفات
۱۵	تصنیفات	۲	تفسیر کاشف الحقائق و قاموس الدقائق
۱۶	تفسیر جواہر القرآن	۳	خصوصیات تفسیر
۱۶	خصوصیات تفسیر	۵	تفسیر کاشف الحقائق کے ماخذ
	شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسو دراز ۲۷-۱۷	۵	ایک غلط فہمی کا ازالہ
			شیخ نظام الدین الحسن بن محمد نیشاپوری ۱۴-۷
۱۷	نام و نسب اور خاندانی حالات		
۱۸	ولادت	۷	ابتدائی حالات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴	روحانی مرتبہ	۱۸	قیام دیوگیر
۳۵	وفات	۱۸	بچپن کے حالات
۳۵	تصنیفات	۱۸	تعلیم و تربیت
۳۷	تفسیر مہانگی کی خصوصیات	۱۹	مراجعت دہلی
۳۸	تفسیری موقف	۱۹	بیعت
۴۱	احادیث و آثار سے استشہاد	۱۹	تکمیل تعلیم
۴۲	حقوق کی ادائیگی کی تاکید	۲۰	قیام دکن
۴۲	اخلاق حسنہ کی تلقین	۲۱	ازواج و اولاد
۴۳	حکماء و متکلمین کے اقوال سے استناد	۲۲	وفات
۴۳	فقہی مسلک	۲۲	تصنیفات
۴۴	فن قرأت سے واقفیت	۲۵	تفسیر ملقط
۴۴	علمائے نحو کے اقوال سے استدلال	۲۶	تفسیر ملقط کی نمایاں خصوصیات
۴۵	قصص قرآنی کا ذکر		شیخ علی بن احمد مہانگی
۴۵	ایجاز بیان		۲۸ - ۵۳
۴۶	سورتوں کا تعارف	۲۸	ولادت
۴۸	ہر سورہ کے آغاز میں بسم اللہ کی نئی تشریح	۲۸	نام و نسب
۵۰	حروف مقطعات کی توجیہ	۲۹	تعلیم و تربیت
۵۱	ربط آیات	۲۹	عادات و خصائل
	قاضی شہاب الدین دولت آبادی	۳۰	عبادت و ریاضت
	۵۲ - ۶۲	۳۰	منصب قضاء
۵۳	نام و نسب اور خاندانی حالات	۳۳	درس و تدریس
۵۴	حوالات	۳۳	صوفیانہ مسلک

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۷	ازواج و اولاد	۵۵	تعلیم و تربیت
۶۷	تصنیفات	۵۵	سفر کاپلی
	شیخ حسن محمد احمد آبادی گجراتی	۵۵	قیام جون پور
	۷۵ - ۶۹	۵۷	ایک اشتباہ
۶۹	نام و نسب اور خاندانی حالات	۵۷	درس و تدریس
۷۰	ولادت	۵۸	اصحاب سلوک سے ربط و تعلق
۷۰	تعلیم و تربیت	۵۸	اتباع شریعت کا اہتمام
۷۰	تصوف و سلوک	۵۸	شعر و شاعری
۷۰	سلطان محمود شہید کی قدردانی	۵۹	سلطان ابراہیم شرقی کی قدردانی
۷۱	رفاہی کام	۵۹	ازواج و اولاد
۷۱	وفات	۶۰	وفات
۷۱	ازواج و اولاد	۶۱	تصنیفات
۷۱	تصنیفات	۶۳	تفسیر بحر مواج
۷۲	تفسیر محمدی	۶۳	تفسیر بحر مواج کی نمایاں خصوصیات
۷۲	تفسیر محمدی کی بعض نمایاں خصوصیات		حاجی عبدالوہاب بخاری
۷۳	مسائل کے استخراج میں باریک بینی		۶۵ - ۶۸
۷۴	اقوال ائمہ سے استدلال	۶۵	نام و نسب اور خاندانی حالات
۷۵	انبیائے کرام کے واقعات کی تفصیل	۶۵	ولادت
	شیخ مبارک ناگوری	۶۵	تعلیم و تربیت
	۷۶ - ۸۴	۶۵	سفر حجاز
۷۶	ولادت اور تعلیم	۶۶	سکونت دہلی
۷۷	آگرہ میں آمد	۶۶	حجاز کا دوسرا سفر
۷۷	اخلاق و عادات اور تلون مزاجی	۶۶	شاہان لودھی سے تعلقات
۷۹	علماء کی مخالفت اور شاہی عتاب	۶۷	وفات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۷	وفات	۸۰	علماء کے اختیارات کے بارے میں
۸۷	تصنیفات		محضر کی تیاری
	شیخ ابوالفیض فیضی	۸۱	آخری عمر کا کارنامہ
	۸۹ - ۱۰۲	۸۱	وفات
۸۹	ابتدائی حالات	۸۲	اولاد
۸۹	دربار شاہی میں رسائی	۸۲	تفسیر مبارک کی خصوصیات
۹۰	دربار میں قدر و منزلت	۸۲	نظم قرآن اور قرأتوں کا اہتمام
۹۰	سلطنت کے انتظامی امور میں رائے	۸۳	مقدمہ تاریخ قرآن
۹۱	ملک الشعرا کا خطاب	۸۳	اسمائے سور کی توجیہ و تشریح
۹۱	ملکی سفارت	۸۳	احکام و مسائل کی تشریح
۹۱	دین الہی کے فروغ میں فیضی کا کردار	۸۴	مراجع تفسیر
۹۳	وفات	۸۴	انبیاء کے واقعات کا ذکر
۹۳	تصنیفات		شیخ یعقوب صرہ کشمیری
۹۴	تفسیر سواطع الالہام		۸۵ - ۸۸
۹۵	تفسیر فیضی کے بارے میں علماء کے خیالات	۸۵	نام و نسب
۹۷	تفسیر سواطع الالہام کی خصوصیات	۸۵	ولادت
	شیخ منور بن عبد الحمید لاہوری	۸۵	تعلیم
	۱۰۳ - ۱۰۵	۸۵	شعر و شاعری
۱۰۳	ابتدائی حالات	۸۶	علمی اسفار
۱۰۳	تعلیم	۸۶	درس و تدریس
۱۰۳	درس و تدریس	۸۶	سیاسی سرگرمیاں
۱۰۳	دربار شاہی میں رسائی	۸۷	اکبر سے قرب و تعلق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۷	نام و نسب اور خاندانی حالات	۱۰۴	قید و بند
۱۱۸	ولادت	۱۰۴	وفات
۱۱۸	تعلیم و تربیت	۱۰۴	ازواج و اولاد
۱۱۸	تصنیفی زندگی کا آغاز	۱۰۵	تصنیفات
۱۱۹	درس و تدریس	شیخ غلام نقشبند گھوسوی شمس لکھنوی	
۱۱۹	تصوف و سلوک	۱۱۶ - ۱۰۶	
۱۱۹	دہلی و جمیر کا سفر	۱۰۶	نام و نسب اور خاندانی حالات
۱۱۹	حج بیت اللہ اور نور الانوار کی تالیف	۱۰۷	پیدائش
۱۲۰	شعر گوئی	۱۰۷	تعلیم و تربیت
۱۲۰	اورنگ زیب عالم گیر سے تعلق	۱۰۸	علمی تبحر
۱۲۱	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۱۰۸	سلوک و معرفت
۱۲۲	حجاز کا دوسرا سفر	۱۰۸	سجادہ نشینی
۱۲۳	خرقہ تصوف اور اجازت	۱۱۰	درس و تدریس
۱۲۳	بہادر شاہ اول کی مصاحبت	۱۱۰	شعر و شاعری
۱۲۳	فرخ سیر سے قربت	۱۱۱	دربار شاہی میں عزت افزائی
۱۲۴	وفات	۱۱۱	اخلاق و عادات
۱۲۵	اولاد	۱۱۲	وفات
۱۲۵	تصنیفات	۱۱۲	اولاد
۱۲۷	تفسیر احمدی کی خصوصیات	۱۱۲	تصنیفات
۱۲۷	تفسیر کے مراجع	۱۱۳	تفسیر انوار الفرقان و ازہار القرآن
۱۲۸	نبیین کی لغوی تحقیق	۱۱۵	شیخ نقشبند کی تفسیری خصوصیات
۱۲۹	مسئلہ قصاص میں حنفی مسلک کی تائید	ملا جیون امیٹھوی	
۱۳۱	وما اهل به لغیر اللہ کی تفسیر	۱۳۵ - ۱۱۷	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۲	تصوف و سلوک	۱۳۲	مشرک اور اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا حکم
۱۴۳	سفر حجاز	۱۳۲	تفسیر آیات میں ربط و نظم کا اہتمام
۱۴۳	مراجعت وطن	۱۳۶	شیخ علی اصغر قنوجی
۱۴۴	دعوت و ارشاد	۱۳۶ - ۱۴۰	
۱۴۵	شاہ صاحب کے تربیتی خطوط	۱۳۶	نام و نسب اور خاندانی حالات
۱۴۵	اشاعت اسلام	۱۳۶	ولادت
۱۴۶	طریقہ تربیت	۱۳۶	تعلیم
۱۴۷	اتباع شریعت کی تاکید	۱۳۶	راہ سلوک
۱۴۷	وفات	۱۳۶	درس و افادہ
۱۴۸	اولاد	۱۳۷	اخلاق و عادات
۱۴۸	اخلاق و عادات	۱۳۷	وفات
۱۴۹	استغنا و بے نیازی	۱۳۷	اولاد
۱۴۹	تصنیفات	۱۳۸	تصنیفات
۱۵۱	تفسیر قرآن القرآن بالبیان	۱۳۸	تفسیر ثواب التزویل فی اشارۃ التاویل
۱۵۲	ماخذ تفسیر	۱۳۹	تفسیر ثواب التزویل کی خصوصیات
	حصہ دوم		شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی
	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی قرآنی تحریک اور اس کے اثرات	۱۴۱ - ۱۵۲	
	۱۵۳ - ۲۳۷	۱۴۱	نام و نسب اور خاندانی حالات
	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۴۲	ولادت
	۱۵۷ - ۱۶۶	۱۴۳	تعلیم و تربیت
۱۵۷	ترجمہ قرآن مجید	۱۴۳	حلقہ درس

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۹	لطائف نظم قرآن	۱۵۸	فتح الرحمن کی خصوصیات
۱۸۹	حروف مقطعات پر بحث	۱۵۹	مقدمہ فتح الرحمن
	شاہ رفیع الدین دہلوی	۱۶۰	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
۱۹۱ - ۱۹۸		۱۶۶	فتح النجیر
۱۹۱	مختصر حالات زندگی		شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۱۹۲	تفسیری خدمات	۱۶۷ - ۱۹۰	
۱۹۳	نمونہ تفسیر	۱۶۷	نام و نسب
۱۹۵	نظم کلام کا اہتمام	۱۶۷	ولادت و تعلیم
۱۹۷	ناسخ و منسوخ کی بحث	۱۶۷	درس و تدریس
	شاہ عبدالقادر دہلوی	۱۶۹	وفات
۱۹۹ - ۲۰۳		۱۷۰	حلیہ
۱۹۹	مختصر حالات زندگی	۱۷۰	اولاد
۲۰۰	ترجمہ و تفسیر موضح القرآن	۱۷۰	اخلاق و عادات
۲۰۰	موضح القرآن کے چند نمونے	۱۷۰	تصنیفات
	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۷۱	تفسیر فتح العزیز کی عدم تکمیل کی بحث
۲۰۲ - ۲۱۷		۱۷۵	مکملہ تفسیر فتح العزیز
۲۰۴	مختصر حالات زندگی	۱۷۶	تفسیر فتح العزیز کی نمایاں خصوصیات
۲۰۴	تصنیفات	۱۷۶	سورتوں کے عنوان اور اجمالی مضمون
۲۰۵	تفسیر مظہری		کی وضاحت
۲۰۵	مسلمی رواداری	۱۸۰	ربط آیات و سور
۲۰۵	محصور کی قربانی کا حکم	۱۸۵	نظارہ قرآن
۲۰۷	تعلیم قرآن کو مہر بنانا	۱۸۷	فہم و احکام کے اسرار

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۱	تصنیفات	۲۰۷	احکام حج
۲۳۱	جامع التفاسیر	۲۰۸	خیاریع کا اثبات
۲۳۲	تفسیر کی اشاعت	۲۰۹	یتیم کا ایک مسئلہ
۲۳۲	ربط سور کا اہتمام	۲۱۰	تفسیری اقوال کی تحقیق و تنقید
۲۳۲	اسالیب قرآن کی وضاحت	۲۱۳	تفسیری انفرادیت
۲۳۵	پند و موعظت پر خاص توجہ	۲۱۶	نظم و ترتیب کا اہتمام
۲۳۶	کلامی مسائل	۲۱۶	معتدل متصوفانہ تحریر
			شاہ مراد اللہ انصاری ۲۱۸ - ۲۲۵
		۲۱۸	حالات مصنف
		۲۱۸	ترجمہ قرآن
		۲۲۰	تفسیر مرادیہ کی اہمیت
		۲۲۱	رو بدعت کا اہتمام
		۲۲۲	حکیمانہ نکات
			شاہ رؤف احمد مجددی ۲۲۶ - ۲۳۰
		۲۲۶	مختصر حالات زندگی
		۲۲۹	تفسیر رؤفی
		۲۲۹	نمونہ تفسیر
			مولانا قطب الدین دہلوی ۲۳۱ - ۲۳۷
		۲۳۱	مختصر حالات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیباچہ

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على رسوله الكريم
محمد ن الامين و على آله و اصحابه اجمعين ۔
دارالمصنفين کا مقصد اسلامی علوم و فنون کی خدمت و اشاعت اور اسلاف کے علمی
اندوختوں کی بقا و حفاظت ہے مسلمانوں کے پر عظمت علمی و تحقیقی کارناموں کو نمایاں کرنے کے
لیے اس نے جو مخصوص لائحہ عمل تیار کیا تھا، اس کے تحت تصنیف و تالیف کے مختلف سلسلے قائم
ہوئے جن میں سے بعض الحمد للہ مکمل ہو چکے ہیں اور جو نامکمل رہ گئے ہیں ان کی تکمیل کا کام
جاری ہے۔

جدید طرز پر اردو زبان میں علوم اسلامیہ کی تاریخ کا خاکہ اور ان کی تدریجی ترقیوں پر
تبصرہ کا خیال سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم کے ذہن میں آیا، اس ضمن میں اسلامی علوم کے نامور
فضلا اور ممتاز مصنفین کے حالات و خدمات کی تفصیل بھی ان کے پیش نظر تھی، چنانچہ اس سلسلہ کی
بعض مستقل کتابیں انہوں نے خود ہی لکھیں مگر پھر سیرت نبوی ﷺ کی تالیف نے انہیں ادھر
متوجہ ہونے نہیں دیا تاہم کبھی بھی یہ خیال ان کے ذہن سے محو نہیں ہوا، اسی لیے دارالمصنفین نے
ابتدا ہی سے سیرت نبوی ﷺ کے علاوہ ان تاریخی و سوانحی سلسلوں کی تکمیل کو بھی اپنے علمی پروگرام
میں شامل کیا۔

مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کا دار و مدار اور بنیادی سرچشمہ قرآن مجید ہے اسی لیے
ابتدا ہی سے مسلمانوں نے قرآن مجید کی خدمت اور اس میں فہم و تدبر کو اپنے لیے سرمایہ سعادت
سمجھا، خود آنحضرت ﷺ بھی قرآن مجید کی تبیین و تشریح کی خدمت پر مامور تھے، ارشاد ربانی ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ
يَتَفَكَّرُونَ (النحل: ۱۶/۴۴)
اور ہم نے تمہاری جانب ذکر (قرآن مجید)
کو اتارا ہے تاکہ تم اسے لوگوں سے بیان
کردو۔

عہد صحابہ و تابعین میں قرآن مجید کو سیکھنے سکھانے کا خاص اہتمام تھا، اس کے بعد ہر
زمانہ میں امت میں ایسے اہل علم پیدا ہوئے جو قرآن مجید میں غواصی کر کے اس کے حقائق و
دقائق اور عجائب کی تلاش کرتے رہے ہیں، قرآن مجید کی طلب و تحصیل اور اس کے معانی و
مطالب کی تشریح و توضیح کرنے والی یہی جماعت مفسرین کے نام سے موسوم ہوئی اور علوم دینیہ
میں فن تفسیر کو سب سے اعلا و اشرف علم خیال کیا جاتا ہے، اس لیے اسلام کی اس برگزیدہ جماعت
کے کارنامے کو بھی دارالمصنفین میں نمایاں کرنا ضروری معلوم ہوا، جس نے کتاب الہی کی
خدمت کی ہے۔

ہندوستان صدیوں تک اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز رہ چکا ہے جس کے آثار و نقوش
اس کے ذرہ ذرہ پر ثبت ہیں، یہاں کے علما اور اصحاب کمال کے علمی، دینی اور تہذیبی کارنامے
اسلامی ملکوں سے کم نہیں ہیں، علم و فن کی ہر شاخ خصوصاً دینی علوم میں ہندوستان میں جو علما پیدا
ہوئے ان کی علمی عظمت اسلامی اور عرب ملکوں میں بھی مسلم تھی، تفسیر کی جانب بھی ہندوستانی علما
نے بڑا اعتنا کیا ہے۔

وطن کا حق مقدم ہے اس لیے دوسرے بلاد اسلامیہ سے پہلے ہندوستانی مفسرین کے
حالات اور کارناموں کو پیش کرنا مناسب معلوم ہوا، چنانچہ اس پہلی جلد میں تیرہویں صدی
عیسوی کے آخر سے اٹھارہویں صدی کی ابتدا تک کے سولہ صاحب تصنیف ہندوستانی مفسرین
کے حالات و کمالات پر بحث کی گئی ہے، اس میں گو ہر صاحب ترجمہ کے عام حالات زندگی اور
علمی و مذہبی خدمات بھی بیان کیے گئے ہیں تاہم اصل توجہ ان کے تفسیری کارناموں کو پیش کرنے
پر مبذول کی گئی ہے، اس طرح اس میں کتب تفسیر پر تبصرہ کر کے ان کی اہم خصوصیات نمایاں کی گئی
ہیں اور ان کے تفسیری درجہ و مرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا آغاز بارہویں اور تیرہویں

صدی عیسوی سے ہوتا ہے لیکن عموماً اس دور کے اکثر اہل کمال کے حالات پردہ خفا میں ہیں، تاہم تلاش و تفحص سے جس قدر حالات معلوم ہو سکے ہیں، انہیں تنقید و تحقیق کے بعد کتاب میں درج کر دیا گیا ہے، البتہ کہیں کہیں مجبوراً ثانوی مآخذ ہی پر قناعت کرنا پڑا ہے گو اسے بھی پوری طرح کھنگال لیا گیا ہے، اس کی وجہ سے بعض اہل علم کے اغلاط و مسامحات کی نشان دہی بھی کرنی پڑی ہے۔

اس سلسلہ کا آغاز مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی مرحوم نے کیا تھا مگر ان کے انتقال کے بعد دارالمصنفین کے نوجوان رفیق مولوی محمد عارف عمری اعظمی نے اپنے ہاتھ میں لیا اور برسوں کے مطالعہ و محنت کے بعد یہ مفید کتاب لکھی، خدا کرے اس کے دوسرے حصے بھی جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں۔

ناچیز

ضیاء الدین اصلاحی
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

۱۲ جنوری ۱۹۹۴ء

مقدمہ

ہندوستان ایک تاریخی ملک ہے اور متنوع تہذیب و تمدن کا مرکز ہے، اس کی قدیم جغرافیائی تقسیم دو اجزا سند و ہند پر مشتمل ہے، سندھ کا علاقہ زمانہ قدیم میں محل وقوع کے اعتبار سے مغربی اور وسطی ایشیا کے درمیان گزرگاہ کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ خط تہذیب و تمدن اور ثقافت و تہذیب میں ہند سے بالکل علاحدہ تھا۔

پہلی صدی ہجری کے اختتام اور آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں محمد قاسم کی آمد کے بعد علاقہ سندھ اسلام کی روشنی سے منور ہوا، بعض تجارتی قافلوں کی آمد و رفت سے ہندوستان کے کچھ ساحلی علاقوں میں بھی مذہب اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی مگر اس کا غالب حصہ بعد کی کئی صدیوں تک اس نعمت سے محروم رہا۔

ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کا آغاز دراصل محمود غزنوی کی آمد کے بعد ہوا، پھر سلاطین غور کے عہد حکومت میں ترکستان اور ماوراء النہر سے علما اور بزرگان دین کے قافلے ہندوستان وارد ہوئے، جن کی بدولت اس وسیع خطہ میں اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی اور اسی عہد سے باقاعدہ ہندوستان میں اسلامی ثقافت و تمدن کی ابتدا ہوئی۔

زیر نظر کتاب میں ہندوستان میں مسلم عہد حکومت کے آغاز سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے پہلے تک کے منتخب اصحاب تصنیف مفسرین کا تذکرہ اور ان کی تفسیروں کا تعارف کرایا گیا ہے، اس دور میں ہندوستان میں فن تفسیر کی نمایاں خصوصیات یہ رہی ہیں:

۱۔ مختلف علوم و فنون کی طرح فن تفسیر کا آغاز بھی قدما کی تصانیف پر شروع و حواشی سے ہوا۔

۲۔ فن تفسیر کی ابتدا تصوف کے زیر اثر ہوئی، چنانچہ یہاں سب سے پہلے لکھی گئی تفسیری تصنیف خالص اسی مقصد کے تحت لکھی گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا اہم اور تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلی مرتبہ اسلامی علوم و فنون کے جمود و تعطل کے خلاف آواز بلند کیا اور فن اصول تفسیر کے موضوع پر

اپنے رسالہ الفوز الکبیر کے ذریعہ انہوں نے مفسرین کو لائحہ فکر و عمل دیا اور اسی کے بعد ہندوستان میں فن تفسیر میں تجدیدی اور مجتہدانہ کارنامے انجام دیے گئے اور برصغیر کو فن تفسیر میں ایک خاص امتیاز حاصل ہوا۔

پیش نظر کتاب اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے انشاء اللہ دوسری جلد میں ہندوستان میں فن تفسیر کے مکاتب فکر کی تفصیل پیش کی جائے گی، یہ اہم علمی کام دارالمصنفین کے سابق رفیق مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی مرحوم کے حصہ میں آیا تھا مگر ابھی وہ جمع مواد وغیرہ کا کام کر رہے تھے کہ ان کا وقت موعود آ پہنچا اور وہ اللہ رب العزت کے حضور میں پہنچ گئے، چنانچہ یہ خدمت اس حقیر کو سپرد ہوئی جو ایک طالب علمانہ کوشش کی حیثیت سے ناظرین کی خدمت میں پیش ہے، اس مجموعہ میں شیخ علی مہامی اور ملا مبارک ناگوری پر لکھے ہوئے مضامین مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی مرحوم کے قلم سے ہیں جن کے اسلوب بیان میں کتاب کے عام اسلوب سے ہم آہنگی اور یکسانی پیدا کرنے کی غرض سے میں نے ترتیب اور تعبیر میں تبدیلیاں کی ہیں، اسی طرح شیخ ابوالفیض فیضی کے بارے میں زیادہ تر مواد مجھ کو مولانا مرحوم ہی کے مسودہ سے دست یاب ہوا ہے، ان کے علاوہ بقیہ تذکرے اس حقیر کے مرتب کردہ ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں دارالمصنفین کے ناظم مخدومی مولانا ضیاء الدین اصلاحی اور دیگر بزرگوں نے میری جو رہنمائی کی ہے میں اس کا ممنون ہوں، خاص طور پر دارالمصنفین کے معزز رکن پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی صاحب کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے اس حقیر طالب علم کی کتاب کے مسودہ کو لفظ بہ لفظ پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائی اور ضروری اصلاحات کیں اور جدید طرز تحقیق سے روشناس کرایا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے، آمین۔

محمد عارف اعظمی عمری
رفیق دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

۱۳ دسمبر ۱۹۹۳ء

طبع دوم

اللہ رب العزت کا بے پایاں شکر ہے کہ تذکرہ مفسرین ہند (اول) کی دوبارہ طباعت ہو رہی ہے، یہ محض قرآن مجید اور اس کے معانی و مطالب پر غور و تدبر کرنے والے مفسرین کرام کے تذکرہ کی برکت ہے کہ اس کتاب کو مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے تمام نسخے نکل گئے، پہلے ایڈیشن کی کمپوزنگ کافی گنجلک اور دارالمصنفین کے روایتی انداز سے علاحدہ تھی، طبع دوم میں اس کو درست کر دیا گیا ہے، مخدومی مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی ناظم دارالمصنفین کے حکم سے اس کتاب کا دوسرا حصہ جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خانوادہ علمی کی تفسیری خدمات پر مشتمل ہے، اس کو بھی اسی میں ضم کر دیا گیا ہے، اس کی وجہ سے کتاب کی ضخامت بڑھ گئی ہے اور ابتدائی عہد کے مفسرین کا تذکرہ مکمل ہو گیا ہے، انشاء اللہ اگلی جلد میں ہندوستان کے تفسیری مکاتب فکر کی نمائندہ شخصیات اور ان کے علمی کارناموں کی تفصیل بیان کی جائے گی، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ اس جلد کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، برادر عزیز سلیم جاوید اعظمی نے اس کتاب کی کمپوزنگ بڑی محنت سے کی ہے جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

محمد عارف اعظمی عمری
۲۲ مئی ۲۰۰۶ء

شیخ محمد بن احمد شریکی ماریکلی

شیخ محمد بن احمد شریکی ماریکلی ثم دہلوی کی تفسیر ”کاشف الحقائق وقاموس الدقائق“ ہندوستان میں لکھی جانے والی سب سے پہلی تفسیری تصنیف ہے، اس کے مصنف عہد سلطنت میں سلطان غیاث الدین بلبن کے دور کے صاحب ورع عالم اور بلند پایہ مفسر و محدث تھے۔

نام و نسب اور خاندانی حالات | مصنف کا نام محمد اور والد کا نام احمد تھا، زہد و تقویٰ کی بنا پر کمال الدین زاہد ان کا لقب ہو گیا تھا (۱)، سلسلہ نسب یوں ہے، محمد بن احمد بن محمد ماریکلی۔

آبائی وطن صوبہ گجرات میں احمد آباد کے قریب ایک بستی ”مرکل“ تھا، اسی بنا پر وہ ماریکلی کہلاتے ہیں، تاہم ان کی نشو و نما دہلی میں ہوئی اور یہیں ان کا انتقال ہوا، اس سے زیادہ ان کے خاندانی حالات کتابوں میں نہیں ملتے، البتہ یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد میں ”مرکل“ نام کی بستی بڑی مردم خیز تھی، مولانا کمال الدین زاہد کے ایک ہم وطن معاصر طبیب حسام الدین مرکلی کا ذکر تذکروں میں ملتا (۲) اور ان لوگوں سے پہلے مولانا حمید الدین ماریکلی سلطان ناصر الدین ایلتمش کے عہد میں ایک بزرگ عالم گزرے ہیں (۳)۔

تعلیم | مولانا کمال الدین زاہد کو حدیث و فقہ میں زیادہ درک حاصل تھا، ان کے استاد شیخ برہان الدین محمود بلخی تھے جو اس دور کے متبحر عالم اور شریعت و طریقت کے جامع بزرگ تھے (۴) اور امام مرغینانی صاحب ہدایہ کے براہ راست شاگرد تھے اور امام حسن بن محمد صفانی لاہوری سے حدیث پڑھی تھی جو ہندوستان میں لکھے گئے سب سے پہلے مجموعہ حدیث ”مشارق الانوار“ کے مصنف ہیں۔

(۱) میر خور، سیر الاولیاء، مطبع معارف، لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۱۵۔ (۲) مولانا عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۱،

دائرة المعارف، حیدرآباد، ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء، ص ۱۳۴۔ (۳) ایضاً ص ۱۳۶۔ (۴) ایضاً ص ۲۰۴۔

درس و تدریس | تذکرہ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کمال الدین زاہد نے دہلی ہی میں تعلیم پائی، پھر وہیں ایک مسجد میں جو نجم الدین ابوبکر تلواسی کے نام سے منسوب تھی، درس و تدریس میں مشغول ہوئے (۱)، ان کے تلامذہ میں سرفہرست شیخ نظام الدین اولیا ہیں جنہوں نے ان سے ”مشارق الانوار“ پڑھی اور اس کو حفظ کر لیا (۲)، مولانا کمال الدین زاہد نے اپنے قلم سے شاگرد رشید کو سند لکھ کر دی جو سیر اولیا میں درج ہے (۳)۔

تقویٰ اور بے باکی | مولانا کمال الدین زاہد بڑے متقی اور خدا ترس عالم تھے، اسی کے ساتھ وہ بہت جری اور بے خوف بھی تھے، ایک مرتبہ غیاث الدین بلبن نے خواہش ظاہر کی کہ وہ بادشاہ کی نماز کی امامت فرمائیں تو انہوں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ میرے پاس نماز کے علاوہ اور کیا ہے، بادشاہ اس کو بھی برباد کرنا چاہتا ہے (۴)۔

وفات | مولانا عبدالحی کے بیان کے مطابق ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء میں دہلی میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔

تفسیر کاشف الحقائق وقاموس الدقائق | پہلے ذکر آچکا ہے کہ یہ تفسیر ہندوستان میں لکھی گئی سب سے پہلی تفسیر ہے اور یہ از اول تا آخر نہایت فصیح عربی زبان میں ہے، اس کا ایک عمدہ اور نادر مکمل نسخہ مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی کے اتی کتب خانہ میں موجود ہے، یہ نسخہ خط نسخ کی دیدہ زیب کتابت کا عمدہ نمونہ ہے اور ۱۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۲۲ سطریں ہیں جس کی دو سطریں سرخ اور ایک نیلی ہے، چند صفحات مسطر اور بقیہ غیر مسطر ہیں، غیر مسطر صفحات کا سائز طول میں ۲۵ سینٹی میٹر اور مسطر کا سائز لمبائی میں ۱۹ سینٹی میٹر اور چوڑائی میں ۹ سینٹی میٹر ہے، حاشیہ کی جگہ بالکل ساوہ ہے، کاغذ قدیم کشمیری چکنا، باریک حنائی رنگ کا ہے اور کتابت نہایت صاف ستھری اور واضح ہے اور اس میں سیاہ چمک دار روشنائی استعمال کی گئی ہے اور جگہ جگہ شکر فی تحریر کی لالہ کاری بھی موجود ہے، صفحات کی ترتیب بھی درست ہے لیکن کاتب کا نام اور سن کتابت وغیرہ کہیں درج نہیں ہے (۶)۔

(۱) میر خور، ص ۱۱۵۔ (۲) مولانا عبدالحی، حوالہ سابق، ص ۲۰۴، ج ۳، دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۳۸۸ھ۔

۱۹۶۸ء، ص ۱۲۳۔ (۳) میر خور، ص ۱۱۳-۱۱۵۔ (۴) ایضاً ص ۱۱۶۔ (۵) مولانا عبدالحی، ج ۱، ص ۲۰۴۔

(۶) نظام الدین کاظمی، مقالہ ”تفسیر کاشف الحقائق کا نادر مخطوطہ“ ماہنامہ ”ہال“، ج ۶، ص ۵۶، ۵۷، ۵۸ اور

مولانا نظری علی خاں رام پوری، مقالہ ”تفسیر کاشف الحقائق“ ماہنامہ ”عقیدت“، ج ۱، شمارہ ۱، ص ۱۰۱۔

اس تفسیر کا ایک دوسرا نام مکمل نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، جس پر نصرت جنگ کی مہر ثبت ہے اور اس میں ۱۳۷۱ اوراق ہیں، یہ نسخہ کئی جگہوں پر سادہ رہ گیا ہے اور کچھ جگہوں پر اس کے اوراق کی ترتیب غلط ہو گئی ہے تاہم اس کا اختتام آخری سورہ کی تشریح پر ہوا ہے، اس اعتبار سے اس نسخہ کو یک گونہ مکمل کہا جاسکتا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ نامکمل نسخہ خود مصنف کا لکھا ہوا ہے اور اس کے حواشی بھی انہیں کے تحریر کردہ ہیں مگر تفسیر کے اس مکمل نسخہ کو دیکھنے کے بعد جو شاہ ابوالحسن زید کی ملکیت میں ہے، یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کسی کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا غیر مرتب اور نامکمل نسخہ ہے، اس میں کاتب کا نام اور سن کتابت وغیرہ بھی موجود نہیں ہے۔

خصوصیات تفسیر | ۱۔ اس تفسیر کی بنیادی خصوصیت تو یہی ہے کہ برصغیر ہند و پاک میں ایک ہندی نژاد مصنف کی یہ سب سے پہلے مکمل تفسیر ہے، اس کے مصنف امام بیضاوی (م ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء) کے معاصر ہیں اور تفسیر بیضاوی کی طرح اس میں بھی ابتدا میں تفصیلی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اور آہستہ آہستہ مختصر ہوتا گیا ہے۔

۲۔ اس کی زبان بہت سلیس اور سہل ہے، عبارت میں عربی اصول و قواعد کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، ذیل میں اس تفسیر کا ابتدائی خطبہ درج کیا جاتا ہے جس سے مولف کی عربی زبان پر قدرت اور تفسیر کے اصول و منہج کا بھی اندازہ ہوگا۔

تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے
ہے جس نے اپنے حبیب پر قرآن نازل
فرمایا اور اس کو اہل عرفان کے لیے اسرار
ورموز کی واقفیت کا رہبر بنایا اور اس میں
ایسے لطیف اسرار سمو دیے جن کی یافت
اسی کو ہو سکتی ہے جو اس کے در کا اہل ہو،
اس کی ذات و صفات کون و فساد سے پاک

الحمد لله رب العالمين الذي انزل
على حبيبه القرآن وجعله هاديا الى
دقائق لاهل العرفان واودع فيه لطائف
اسراره لم يطلع عليها الا من كان
جديرا لعتبة داره وتقدرت ذاته و
صفاته عن الكون والفساد وتنزه
وجوده عما يصفه اهل الحلول والاتجار

و توحد لجلالہ عن المشابہة و
الحدثان والصلوة والسلام علی رسولہ
محمد خیر الانام وآلہ واصحابہ ہدایۃ
الاسلام جعلہ بین سائر المظاہر
ظہرا جامعاً وکالشمس بین الکواکب
لامعاً ما بعد، فیقول اضعف عباد
اللہ المجد محمد بن احمد بن محمد
الشریخی الکندی ثم التہانیسری
ثم الکجراتی اصلح اللہ شانہ و
صانہ علی شانہ وغفر لہ ولوالدیہ
وانعم علیہما وعلیہ بما لدیہ (۱)۔

خیالات سے منزہ، اس کی وحدانیت کون و
مکان سے بے نیاز اور اس کا جاہ و جلال
مشابہت اور فنا سے بے داغ ہے اور صلوة و
سلام ہو اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ پر جو
سارے انسانوں میں برتر اور افضل ہیں اور
ان کے آل و اصحاب پر جو اسلام کے ہادی و
رہبر ہیں اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو
سارے مظاہر کا ایک مظہر جامع اور کواکب
کے درمیان ایک چمکتا سورج بنایا، اس
کے بعد اللہ کا یہ ناتواں بندہ محمد بن احمد بن
محمد شریخی کندی ثم تہانیسری گجر ہتی عرض کرتا
ہے، اللہ تعالیٰ اس کا حال درست رکھے اور
اس میں استقامت بخشے اور اس کی اور اس
کے والدین کی مغفرت فرمائے اور اپنے
انعامات سے ہم تمام کو نوازے۔

۳۔ یہ تفسیر جس زمانہ میں لکھی گئی اس وقت ہندوستان میں تصوف کا دور دورہ تھا اور
خود مصنف بھی اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے اس میں تصوف کا اثر پورے طور پر نمایاں
ہے، بلکہ یہ تفسیر اسی مکتب فکر کی ترجمانی اور تشریح کے جذبہ سے لکھی گئی ہے، جس کا ذکر مصنف
نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

لما كانت اکثر التفاسیر مملوءة بفوائد
العربیة والشریعة ولم یکن تفسیر
حاویا لدقائق الطریقة والحقیقة
اکثر تفسیروں میں عربی قواعد اور امور شریعت
تو کثرت سے بیان کیے گئے ہیں مگر کوئی تفسیر
ایسی موجود نہ تھی جس میں موثر انداز میں طریقت

(۱) نظام الدین کاظمی، ص ۷۶۔

بحیث یكون احسن تحریر او اصلح
تقریر ارددت ان اکتب تفسیرا موجزا
شاملا لاسرار الالهیات کاشفا لما فی
القران من التدقیقات ہادی الی
طریق الرشاد موصلا الی سبیل

وحقیقت کے نکات کا ذکر کیا گیا ہو، اسی لیے
میں نے ایک مختصر تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا جو
الہیات کے اسرار و رموز پر مشتمل اور قرآنی
تطبیقات پر محیط ہو اور جو رشد و ہدایت کو
عام کرے اور راہ راست کی رہبر بن سکے۔

السداد۔ (۱)

تفسیر کاشف الحقائق کے مآخذ | اس تفسیر کی تصنیف میں قدیم تفسیروں سے مدد لی گئی ہے اور
متعدد مقامات پر مصنف نے خود بھی لطیف نکتے بیان کیے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

واخذت من بعض التفاسیر
بعین الکلام المنقول
وقلت فی اکثر مواضع لطائف
منی لم یطلع علیہا ذوی

میں نے بعض تفسیروں کی عبارتیں بعینہ نقل
کر دی ہیں اور اکثر مقامات پر اپنے ذاتی
نکات بھی بیان کیے ہیں جن کا اہل دانش کو
پتہ نہیں تھا۔

العقول۔ (۲)

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی کے بیان کے مطابق اس تفسیر میں متعدد اکابر صوفیہ، مثلاً ابن
عطاء، حسن بصری، علامہ دینوری، امام قشیری، مولانا جلال الدین رومی، شمس تبریزی اور شیخ سعدی
وغیرہ کے اقوال بھی درج کیے گئے ہیں۔ (۳)

ایک غلط فہمی کا ازالہ | بعض تذکرہ نگاروں نے کاشف الحقائق اور تفسیر محمدی مصنفہ محمد بن
احمد بن نصیر میاں جیو کو ایک ہی تصنیف قرار دیا ہے (۴) جو صحیح نہیں ہے، ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے اس
مغالطہ کو تو رفع کر دیا ہے لیکن خود انہوں نے تفسیر کاشف الحقائق کا مصنف شیخ احمد تھانیسری

(۱) نظام الدین کاظمی، حوالہ سابق، ص ۳۷۶۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین
اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۲۶۔ (۴) پروفیسر خلیق احمد نظامی، مقالہ ہندوستان میں
علوم قرآنی کی نشوونما، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ج ۱۲، شمارہ ۱، ص ۱۴۱ و مولانا عبد القدوس، ”مغلوں کا دور
عروج“ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، ج ۲، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۴۱۔

(م ۸۲۰ھ / ۱۴۱۷ء) کو قرار دے کر غلطی کی ہے (۱)، بلاشبہ شیخ تھانیسری اپنے عہد کے باکمال بزرگ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے مگر تذکروں میں ان کی تصانیف میں تفسیر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

پہلی مرتبہ مولانا نظر علی خاں رام پوری نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا اور ثابت کیا کہ ”کاشف الحقائق“ کے مصنف ”محمد بن احمد الشریحی الکندی ثم التھانیسری اللجری اتی الماریکلی ثم الدہلوی الملقب بہ کمال الدین زاہد ہیں“ (۲) جو راقم کے خیال میں ہندوستان کے سب سے پہلے صاحب تصنیف مفسر ہیں۔



۲

(۱) (۵) ڈاکٹر محمد سالم، مقالہ ”تفسیر محمدی“ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ج ۹۷، شمارہ ۲، ص ۱۳۹ و ۱۴۰۔
(۲) مولانا نظر علی خاں رام پوری، حوالہ سابق۔

شیخ نظام الدین الحسن بن محمد نیشاپوری

ابتدائی حالات | نظام نیشاپوری کا نام حسن اور والد کا نام محمد تھا، نظام اعرج کے لقب سے مشہور تھے (۱)، نیشاپور کے علاقہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی، ان کا آبائی وطن نیشاپور کا مشہور شہر قم تھا (۲)، ان کے مزید ابتدائی حالات نہیں ملتے تاہم ان کی تصنیفات اور دوسرے مآخذ سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے اور آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی میں وفات پائی، مرزا محمد باقر الموسوی کا یہ بیان درست نہیں ہے کہ نظام نیشاپوری نویں صدی کی پیداوار ہیں اور علامہ ابن حجر کے معاصر ہیں (۳)۔

علمی مرتبہ | نظام نیشاپوری اپنے عہد کے ممتاز عالم اور صاحب تصانیف تھے، علم تشریف، ریاضی، ہیئت اور فلسفہ کے علاوہ فن تفسیر میں ان کو مکمل دست گاہ حاصل تھی، صاحب روضات الجنات کا بیان ہے:

فامرہ فی الفضل والادب والتبحر
والتحقیق وجودة القریحة فی متاخری
علیاء العامة اشهر من ان یذکر
وابین من ان یسطرو کان من
کبراء الحفاظ والمفسرین (۴)۔

متاخرین علمائے اہل سنت میں فضل و کمال،
علمی تبحر، ادب و تحقیق اور ذہانت میں ان
کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے، وہ
بلند مرتبہ حافظ اور مفسر تھے۔

عقیدہ و مسلک | نظام نیشاپوری کے عقیدہ و مسلک کے بارے میں اختلاف ہے، صاحب

(۱) مرزا محمد باقر الموسوی، روضات الجنات، قلمی، کتب خانہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ورق ۲۲۴ اور جلال الدین سیوطی، بغیۃ الوعاة فی طبقات اللغویین والنحاة، مطبع - عہدہ مصر ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء، ص ۲۳۰ (۲) محمد باقر، حوالہ

سابق (۳) ایضاً (۴) ایضاً

روضات الجنات نے ان کو علمائے اہل سنت میں شمار کیا ہے مگر اسی کے ساتھ بعض لوگوں کی یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ وہ مسلکاً شیعہ تھے جس کے مندرجہ ذیل شواہد بیان کیے گئے ہیں۔

۱- ان کا آبائی وطن قم ہے جو امامیہ فرقہ کا مرکز ہے۔

۲- ان کا نام حسن اور ان کے دادا کا نام حسین ہے۔

۳- انہوں نے نصیر الدین طوسی کا تذکرہ بڑے والہانہ طور پر کیا ہے اور ان کی مدح

میں جو القاب تحریر کیے ہیں وہ کسی دوسرے مسلک سے وابستہ شخص تحریر نہیں کر سکتا (۱)۔

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی کے بیان کے مطابق نظام نیشاپوری پر شیعیت کا الزام محض بہتان

ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں مسلک اہل سنت والجماعت کا ایک فرد اپنے آپ کو بتایا ہے اور شیعہ مسلک کے بعض اہم امور کی تردید بھی ہے (۲)۔

ہمارے ناقص خیال میں نظام نیشاپوری شیعہ نہ بھی رہے ہوں تو کم از کم شیعہ عقاید و

ماحول سے متاثر ضرور تھے جس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱- تفسیر غرائب القرآن کی مدت تصنیف پانچ سال ہے اور یہی حضرت علیؑ کی مدت

خلافت بھی ہے اس لیے اس کے زمانہ تصنیف کو مدعے خلافت حضرت علیؑ سے تعبیر کیا گیا ہے (۳)۔

۲- باوجودیکہ انہوں نے ولایت علیؑ کے عقیدہ کی تردید کی ہے مگر تفسیر کے اختتام میں

ان کو ولی معظم کہا ہے (۴)۔

۳- تفسیر غرائب القرآن میں جا بجا اہل بیت اور ائمہ شیعہ کی تحسین و مدح کی گئی ہے (۵)۔

۴- حضرت ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کا ذکر ادب و احترام سے نہیں کیا

گیا ہے (۶)۔

۵- بنو امیہ کی متعدد مقامات پر مذمت کی گئی ہے (۷)۔

(۱) محمد باقر، حوالہ سابق (۲) ڈاکٹر محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون، ج ۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت،

ص ۳۲۸ (۳) نظام نیشاپوری، تفسیر غرائب القرآن، مطبوعہ بر حاشیہ تفسیر طبری، ج ۳۰، مطبعہ مبینہ مصر،

۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء، ص ۲۰۳ (۴) ایضاً ص ۳۰۴ (۵) ایضاً ص ۱۱۹، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۹۳ (۶) ایضاً ص ۱۸۵،

۱۸۷، ۱۸۹ (۷) ایضاً ج ۱، ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱

۶۔ بعض مقامات پر شیعہ مسلک کی توصیف بھی خوبصورت انداز میں کی گئی ہے (۱)۔

وفات | عام مورخین نے نظام نیشاپوری کی تاریخ وفات نہیں لکھی ہے، مستشرق بروکلمان نے ان کا سن وفات ۱۰۷۱ھ / ۱۳۱۰ء کے آس پاس بتلایا ہے مگر یہ محل نظر ہے کیوں کہ علم ہیئت میں نصیر الدین طوسی کی کتاب ”التذکرۃ النصیریہ“ کی انہوں نے جو شرح لکھی ہے وہ خود ان کے بیان کے مطابق ربیع الاول ۱۱۷۱ھ / جولائی ۱۳۱۱ء میں مکمل ہوئی (۲)، پھر تفسیر غرائب القرآن کے آخری اجزا کی تکمیل بھی ان ہی کے بیان کے مطابق ۱۱۷۲ھ / ۱۳۲۶ء کے آخر میں ہوئی (۳)، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ نظام نیشاپوری کا انتقال ۱۱۷۸ھ / ۱۳۲۷ء میں ہوا (۴)، ہمارے خیال میں یہی بیان زیادہ قرین قیاس ہے۔

تصنیفات | نظام نیشاپوری نے تفسیر کے علاوہ علم ہیئت اور علم ریاضی میں بھی بعض کتابیں اور زیادہ تر شرحیں لکھیں، تذکرہ مخزن الغرائب میں مولانا احمد علی خاں سندیلوی نے ان کی شعرو شاعری کا بھی ذکر کیا ہے اور ان کے مندرجہ ذیل اشعار بھی نقل کیے ہیں:

رخ چو لالہ خط عنبریں دارد
بنفسہ زلف ترا روی بر زمیں دارد
خطا ست زلف ترا شبیہ مشک چیں گفتن
کہ زہر ہر صدا ہزار حین دارد
دل فدائی غمت کرد جان و گرچہ کند
چو رہ جہاں دل مسکین من ہمیں دارد (۵)

ذیل میں نظام الدین نیشاپوری کی تصنیفات کے نام درج کیے جاتے ہیں اور آخر میں ان کی تفسیر کا کسی قدر مفصل تعارف کرایا جائے گا۔

- (۱) نظام نیشاپوری، حوالہ سابق، ج ۶، ۱۳۴ (۲) ۱۵۱ اسٹوری، فہرست کتب انڈیا آفس، ج ۲، کیمبرج یونیورسٹی پریس، ص ۴۸ (۳) نظام نیشاپوری، تفسیر غرائب القرآن، قلمی نسخہ، کتب خانہ دارالمصنفین، تفسیر سورۃ القدر (۴) حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتاب والنفون، ج ۲، مطبوعہ استنبول ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء، ص ۱۱۹۵ (۵) احمد علی خاں سندیلوی، تذکرہ مخزن الغرائب (قلمی)، کتب خانہ دارالمصنفین، ورق ۴۴۳

۱- شرح الشافیہ لابن حاجب: سرف میں ابن حاجب کی الشافیہ مشہور کتاب ہے، یہ اس کی شرح ہے (۱) جو طلبہ میں شرح نظام کے نام سے مشہور و متداول تھی (۲)۔

۲- شرح تحریر الجسطی: نصیر الدین طوسی کی کتاب تحریر الجسطی کی شرح ہے جو شعبان ۷۰۴ھ / فروری ۱۳۰۴ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی (۳)۔

۳- شرح التذکرۃ النصیریہ: علم ہیئت میں ہے اور نصیر الدین طوسی کے التذکرہ کی شرح ہے (۴)، ربیع الاول ۷۱۱ھ / جولائی ۱۳۱۱ء میں مکمل ہوئی (۵)، حاجی خلیفہ نے اس کو مختصر مگر جامع شرح لکھا ہے (۶)۔

۴- الشمسیہ فی الحساب: یہ رسالہ علم حساب میں ہے، رشید الدین فضل اللہ نام کے ایک وزیر کے فرزند عبد اللطیف کی جانب اس کا انتساب کیا گیا ہے (۷)، ایک روایت کے مطابق شیخ بھائی نے اس رسالہ کی تلخیص کی تھی (۸)۔

۵- لب التاویل: مصنف کی یہ دوسری تفسیری تصنیف ہے اور ایک جلد میں ہے، اس میں آیات سے تعرض کیے بغیر صرف ان کی تاویلیں یک جا کر دی گئی ہیں (۹)۔

تفسیر غرائب القرآن
ورغائب الفرقان

یہ نظام نیشاپوری کی سب سے اہم تصنیف ہے، مصنف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے مختلف قراتوں کو ذکر کرتے ہیں پھر اوقاف و رموز

بیان کر کے آیات کی تشریح کرتے ہیں، اس تفسیر کا اصل ماخذ تفسیر کبیر امام رازی اور تفسیر کشاف ہے (۱۰) اور غالباً اسی بنا پر بعض لوگوں نے اسے تفسیر کبیر کی تلخیص قرار دیا ہے (۱۱) مگر بروکلمان کا بیان ہے کہ یہ تفسیر کبیر کی تلخیص نہیں بلکہ نظام نیشاپوری کی مستقل تصنیف ہے، بروکلمان نے اس خیال کی بھی تردید کی ہے کہ اس تفسیر کے مولف نظام نیشاپوری کے بجائے حسن بن محمد بن حبیب نیشاپوری ہیں (۱۲)۔

(۱) سیوطی، حوالہ سابق، ص ۲۳۰ (۲) محمد باقر حوالہ سابق، ورق ۲۲۴ (۳) استوری حوالہ سابق، ص ۴۸

(۴) محمد باقر، محولہ بالا (۵) استوری محولہ بالا (۶) حاجی خلیفہ حوالہ سابق، ج ۱ ص ۳۹۲ (۷) استوری محولہ بالا

(۸) محمد باقر، محولہ بالا (۹) ایضاً (۱۰) نظام نیشاپوری، تفسیر ج ۱، ص ۶ (۱۱) احمد المصنوعی و محمد البیلاوی، فہرست

کتب خانہ خدیو، مصر، ج ۱، مطبعہ عثمانیہ مصر، ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء، ص ۱۸۳ (۱۲) استوری محولہ بالا

اس تفسیر کے متعدد قلمی نسخے انڈیا آفس لندن (۱)، برٹش میوزیم (۲)، کتب خانہ پیر محمد شاہ، حیدرآباد (۳) اور کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں موجود ہیں (۴)، ایک نامکمل نسخہ از سورہ یوسف تا سورہ الناس کتب خانہ دارالمصنفین میں بھی ہے، ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں مطبعہ میمنہ، مصر سے تفسیر طبری کے حاشیہ پر یہ طبع ہو چکی ہے اور یہی ہمارے پیش نظر ہے، اس کے علاوہ ایران سے بھی اس کے کئی نسخے چھپ چکے ہیں، ذیل میں اس تفسیر کی بعض نمایاں خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

یہ تفسیر ترتیب و مواد کے لحاظ سے عمدہ اور جامع تفسیر ہے، اس میں عقلی مباحث تفسیر کبیر سے اور نحو و بلاغت کے مسائل کشاف سے جمع کیے گئے ہیں، مصنف نے صرف جمع و اخذ ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ متعدد مقامات پر انہوں ائمہ تفسیر سے اختلاف کر کے خود اپنی رائے بھی دی ہے (۵)، صاحب روضات الجنات کے خیال میں یہ تفسیر طبری کے ہم پایہ ہے (۶)، اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگاروں نے بھی اس کو تفسیر کبیر اور کشاف کے برابر کی کتاب قرار دیا ہے (۷)۔

آیات کا ترجمہ | اس تفسیر کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں آیتوں کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا ہے، چنانچہ اس کے ایران سے شائع ہونے والے نسخوں میں اور بعض مخطوطات میں بھی ترجمہ موجود ہے (۸)، تفسیر طبری کے حاشیہ پر اس کا نسخہ جو چھپا ہے اس میں ترجمہ نہیں ہے، تاہم خود مصنف کا بیان ہے کہ انہوں نے آیتوں کا ترجمہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”ہم نے پہلے قرآن مجید کا متن درج کیا ہے اور اس کا خوب واضح، سلیس

اور جامع ترجمہ بھی کر دیا ہے جس میں محذوفات و مقدرات کی وضاحت کے ساتھ

متشابه آیات کی تاویل و تشریح، کنایوں کی تصریح اور مجاز و استعارہ پر مبنی لفظوں

(۱) اسٹوری حوالہ سابق (۲) چارلس ریو، فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم، ۱۸۹۴ء، ص ۷۰ (۳) قاضی محمد زاہد

الحسینی، تذکرۃ المفسرین، کاسو پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۴ (۴) محمد ظفر الدین، تعارف مخطوطات

کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، ویم فائن پریس، دیوبند، ۱۹۷۰ء، ص ۳۵ (۵) نظام نیشاپوری، تفسیر ج ۳۰، ص ۷۳۹ (۶)

محمد باقر محمولہ بالا (۷) سید مرتضیٰ حسین و عبدالمنان عمر مقالہ ”تفسیر“، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ج ۶، ۱۹۶۲ء، ص ۵۳۱

(۸) مولانا مناظر حسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج ۱، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۴۴ء، ص ۱۴۲

اور جملوں کی تحقیق بھی کر دی ہے کیوں کہ صرف ترجمہ ہی سے قلوب متاثر ہوتے ہیں، البتہ مترجم سے اس میں لغزش کا امکان رہتا ہے کیوں کہ بعض اسرار و رموز عربی کے ماہرین کی دست رس سے باہر ہوتے ہیں، چہ جائے کہ ایک عجمی جو عربی علوم سے بے بہرہ ہے“ (۱)۔

نظام نیشاپوری کے مندرجہ بالا بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ترجمہ محض لفظی نہ تھا بلکہ پورے مفہوم پر جامع اور محیط تھا، البتہ بعض مخطوطات میں ترجمہ درج نہ ہونے کی وجہ غالباً یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان مخطوطات کے ناقلین فارسی سے ناواقف رہے ہوں گے، اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جن مخطوطات میں ترجمہ درج نہیں ہے ان میں آیتوں کے درمیان یک گونہ خلا موجود ہے (۲)۔

تفسیر غرائب القرآن کی تفسیر غرائب القرآن کے بارے میں بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ اس کی جلد اول و سوم ۱۷۳۰ھ / ۱۳۳۰ء میں اور جلد دوم ۱۱/ محرم الحرام ۱۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء میں مکمل ہوئی، کیوں کہ تہران سے شایع شدہ ہر جلد کے آخر میں تصریح موجود ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تفسیر کا آخری حصہ پہلے ۱۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء میں اور ابتدائی حصہ اس کے بعد ۱۷۳۰ھ / ۱۳۳۰ء میں تحریر ہوا ہے، اسی طرح ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ تفسیر ہندوستان کے شہر دولت آباد کن میں مکمل ہوئی ہے (۳)، اس کے ثبوت میں تفسیر میں سورہ نساء کے اختتام پر درج ذیل عبارت کو پیش کیا جاتا ہے:

کتب المصنف فی بنسخته غلقه مصنف نے اپنے نسخہ میں لکھا ہے کہ مولف مولفہ الحسن بن محمد حسن المشتھر حسن بن محمد بن حسن مشہور بہ نظام نیشاپوری بن نظام نیشافوری ببلاذ الہند فی دار مملکتھا المدعو بدولت آباد نے اس کو دیار ہند میں وہاں کے پایہ تخت دار مملکتھا المدعو بدولت آباد دولت آباد میں صفر ۱۷۳۰ھ / ۱۳۳۰ء کے فی اوائل صفر ۱۷۳۰ھ (۴)۔

(۱) نظام نیشاپوری، تفسیر، ج ۱، ص ۶ (۲) دیکھیے مخطوطہ، کتب خانہ دارالمصنفین (۳) سید مرتضیٰ حسین، مجملہ بالا

(۴) نظام نیشاپوری، تفسیر، ج ۱، ص ۶

یہاں دونوں باتیں غور طلب ہیں، ایک تو اس تفسیر کی تالیف کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ ترتیب معکوس کے موافق مکمل ہوئی جب کہ اس کی تائید خود تفسیر کے مطالعہ سے نہیں ہوتی ہے، اس میں جا بجا ماقبل سورتوں کے حوالے اس طور پر دیے گئے ہیں جس سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ترتیب اصلی کے مطابق لکھی گئی ہے (۱)، دوسرے اس تفسیر کی ہندوستان میں تکمیل کی بابت مذکورہ بالا عبارت جو پیش کی جاتی ہے، وہ خود مصنف کی نہیں ہے بلکہ تفسیر کے جامع کی ہے اور غالباً اسی بنا پر قوسین میں درج ہے، پھر مولف کے ہندوستان وارد ہونے اور دولت آباد میں قیام کرنے کی صراحت کہیں موجود نہیں ہے اور خود مصنف نے اپنے آپ کو کہیں بھی دولت آبادی نہیں لکھا ہے اور ان کے تمام تذکرہ نگاران کو صرف نظام نیشاپوری ہی لکھتے ہیں، اس لیے ہمارے خیال میں اس تفسیر کی ہندوستان میں تکمیل کے بارے میں محض مندرجہ بالا عبارت کافی نہیں ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | تفسیر غرائب القرآن کے ایک کاتب سید نصر اللہ بن سید صالح الازفولی نے اپنے مخطوطہ میں تفسیر کا نام انوار التنزیل لکھ دیا ہے (۲) اور یہ تفسیر کے مطبوعہ مصری ایڈیشن پر طبع بھی ہو گیا ہے، حالاں کہ مولف کے بیان کے مطابق تفسیر کا نام غرائب القرآن و رعاہ الفرقان ہی ہے (۳)۔

ماخذ تفسیر | اس تفسیر کے اولین ماخذ میں تفسیر کبیر اور کشاف کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ان کے علاوہ یہ کتابیں بھی ان کے پیش نظر رہیں، جن کا ذکر انہوں نے مقدمہ میں کیا ہے: ۱۔ علم اوقاف میں امام سجاوندی کی کتاب (۴)، ۲۔ سبب نزول کے بیان میں جامع الاصول اور تفسیر واحدی، ۳۔ علم لغت میں صحاح الجوهری، ۴۔ علم معان و بیان اور ادبی مسائل میں المفتاح اور بعض دوسرے

(۱) نظام نیشاپوری، تفسیر، ج ۱۲، ص ۸۸، ج ۱۳، ص ۱۶۹، ج ۳۰، ص ۲۲، ۳۲، ۳۵، ۳۶، ۱۴۵

(۲) خاتمہ مخطوطہ، دارالمصنفین (۳) نظام نیشاپوری، حوالہ سابق، ج ۱، ص ۱۷، خاتمہ، ج ۳۰ (۴) مولف

کا مکمل نام محمد بن طیفور سجاوندی غزنوی ہے، اس کتاب کا ایک ناقص قلمی نسخہ کتب خانہ دارالمصنفین میں

محفوظ ہے۔

مراجع، ۵۔ شرعی احکام کے اخذ و نقل میں فقہ کی کتابیں بالخصوص امام رافعی کی شرح الوجیز (۱) ۶۔ اور فن تاویل میں نجم الدین ابوبکر عبداللہ بن محمد الاسدی مشہور بہ دایہ کی بحر الحقائق والمعانی (۲) سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

مجموعی اعتبار سے تفسیر غرائب القرآن نظام نیشاپوری کا بڑا علمی کارنامہ ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ وہ ہندوستان وارد ہوئے اور اس کے بعض اجزا کی تکمیل انہوں نے یہیں کی تو سرزمین ہند کے سب سے پہلے مترجم قرآن ہونے کا سہرا ان ہی کے سر بندھتا ہے۔

☆☆☆

۲

(۱) امام غزالی کی کتاب الوجیز کی شرح ہے اور اس کا پورا نام فتح العزیز علی کتاب العزیز ہے (۲) اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لاہوری میں ہے، ملاحظہ ہو معین الدین ندوی، فہرست مخطوطات کتب خانہ خدا بخش،

ج ۱۸، حصہ دوم، ۱۹۳۰ء، ص ۱۳۶

شیخ ابوبکر اسحاق بن تاج ملتانی

ابتدائی حالات | شیخ ابوبکر اسحاق بن تاج ملتانی ہندوستان کے ابتدائی مفسروں میں شمار کیے جاتے ہیں، یہ ایک حنفی المذہب صوفی بزرگ اور عالم تھے اور اپنی کنیت ”ابن التاج“ سے مشہور تھے، ۷۳۶ھ / ۱۳۳۵ء کے آس پاس ان کی وفات ہوئی، اس کے علاوہ ان کے تفصیلی حالات کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا ہے۔

مسالک الابصار کے ایک راوی شریف سمرقندی کا بیان ہے کہ شیخ ابن التاج کو سلطان محمد تغلق سے قرب و اختصاص حاصل تھا، جب سلطان ملتان میں مقیم تھا اس دوران وہ اس کے انعام و اکرام سے بہرہ مند ہوتے رہے، پھر اسی کے ساتھ دہلی چلے آئے (۱)، مسالک الابصار کے حوالے سے قلعشندی نے محمد تغلق کے جو دو سخا کے ذکر میں ابن التاج کی ایک روایت بھی نقل کی ہے، وہ یہ ہے:

حکمی الشیخ ابوبکر بن ابی الحسن	شیخ ابوبکر بن ابوالحسن ملتانی کی حکایت ہے کہ
الملتانى انه استغاض منه انه	(محمد تغلق) کا یہ عام طریقہ تھا کہ اس کا کوئی
الترم انه لا ينطق فى اطلاقاته باقل	بھی انعام تین ہزار مثقال سے کم نہ ہوتا تھا،
من ثلاثة آلاف مثقال الى غير ذلك	اس کے عطیے عقل کو حیرت زدہ کر دیتے تھے۔
من العطاء الذى يخرق العقول۔ (۲)	

تصنیفات | شیخ ابن التاج نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے بعض کے قلمی نسخوں کی تفصیل مستشرق آلورٹ نے بیان کی ہے، ان کی تصنیفات میں قرآن مجید کی ایک مکمل تفسیر ”جواہر القرآن“

(۱) آغا مہدی حسین، سلطان الہند محمد تغلق (اردو ترجمہ) سٹی پریس، الہ آباد، ۱۹۳۷ء، ص ۱۷۰ (۲) ابوالعباس

احمد القلعشندی، صبح الاعشی، مطبعہ امیریہ، قاہرہ، ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۷ء، ج ۵، ص ۹۱

کو خاص اہمیت حاصل ہے، ذیل میں ان کی تصنیفات کے نام درج ہیں:

۱- خلاصۃ الاحکام بشرائط الایمان والاسلام، اس کتاب کے دو نسخے برلن لائبریری میں ہیں۔

۲- کتاب الحج والمناسک۔

۳- نسبه خرقۃ التصوف۔

۴- الذکر الاکبر۔

ان کتابوں کے نسخے بھی برلن لائبریری میں موجود ہیں (۱)۔

تفسیر جواہر القرآن | یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر تھی، اس کا ایک خلاصہ شیخ ابن التاج نے

”خلاصۃ جواہر القرآن فی بیان معانی الفرقان“ کے نام سے خود تیار کیا تھا، اصل تفسیر کا تو کہیں پتہ نہیں چلتا، البتہ خلاصہ کا ایک نسخہ برلن لائبریری میں محفوظ ہے (۲)۔

خصوصیات تفسیر | شیخ ابن التاج کی تفسیر کا بیشتر مواد امام غزالی کی تفسیر ”جواہر القرآن“ سے ماخوذ ہے، اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں مشکل الفاظ کے معانی ذکر کر دیے گئے ہیں اور بعض لفظوں کا فہرستہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے، قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے (۳)۔

☆☆☆☆

(۱) ڈاکٹر احسان الہی رانا، مقالہ ”سلاطین دہلی“، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۲، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۱۵۸-۱۵۹ (۲) ایضاً (۳) ایضاً۔

شیخ محمد بن یوسف حسینی گیسودراز

نام و نسب اور خاندانی حالات | نام سید محمد، کنیت ابوالفتح اور القاب صدر الدین، الولی الاکبر اور الصادق ہیں، علاقہ دکن میں خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسودراز کے لقب سے مشہور ہیں (۱)۔

سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابوالحسن الجندی (۲)۔

گیسودراز کے لقب کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار وہ اپنے مرشد شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی پاکی مریدوں کے ساتھ اٹھائے چل رہے تھے، ان کے بال بڑے بڑے تھے، وہ پاکی میں الجھ گئے مگر اس حالت میں بھی وہ پاکی کو کندھے پر لیے دور تک نکل گئے، جب شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی محبت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور برکت سے یہ شعر پڑھ کر انہیں گیسودراز کا لقب دیا۔

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد (۳)

اسی کے بعد سے وہ گیسودراز کے لقب سے اس طرح مشہور ہوئے کہ یہ ان کے نام کا جز بن گیا۔

شیخ گیسودراز کا خاندان خراسان کا تھا، ان کے مورث اعلا ابوالحسن جندی مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ ہرات سے دہلی آئے اور یہیں ایک معرکہ جہاد میں شہادت پائی (۴) اور

(۱) شاہ محمد علی سامانی، سیر محمدی، یونانی دواخانہ پریس، الہ آباد، ص ۱-۲ (۲) ایضاً ص ۶ (۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار فی اسرار ابرار، مطبع ہاشمی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء، ص ۲۳، اور مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، ثمر ہند پریس، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء، ص ۳۸۱ (۴) سخاوت مرزا، مقالہ ”گیسودراز“ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۷، لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۵۸۵

مسجد ایازدہلی میں مدفون ہوئے (۱)۔

شیخ گیسودراز کے والد سید یوسف حسینی عرف سید راجہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ارادت مندوں میں تھے (۲) اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی رانی تھا، جو دولت آباد کے صوبے دار ملک الامرا سید ابراہیم مستونی خاں کی ہمشیرہ تھیں (۳) اور نانا شیخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے (۴)۔

ولادت | ۲/۲ رجب ۱۲۱۷ھ / جولائی ۱۳۲۱ء کو دہلی میں ولادت ہوئی (۵)، بعض کتابوں میں سن ولادت ۱۲۲۰ھ / ۱۳۲۰ء اور ۱۲۲۳ھ / ۱۳۲۲ء درج ہے (۶) مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

قیام دیوگیر | شیخ گیسودراز کی عمر ابھی چار برس تھی کہ سلطان محمد تغلق نے دیوگیر (دولت آباد) کو پایہ تخت بنا کر دہلی کے اصحاب علم و فضل اور عام باشندوں کو وہاں منتقل ہونے کا حکم دیا، چنانچہ شیخ گیسودراز کو بھی اپنے خاندان کے ہم راہ دولت آباد جانا پڑا (۷)۔

بچپن کے حالات | محمد علی سامانی کا بیان ہے کہ دولت آباد میں شیخ گیسودراز کے والد ایک بزرگ شیخ بابو کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور اپنے ساتھ اپنے فرزند کو بھی ان کی مجلس میں لے جاتے تھے، شیخ بابو نے اس ہونہار بچے کے لیے دعائے خیر کی اور اس کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی بھی کی، چنانچہ بچپن ہی سے ان میں بزرگی کے آثار نمایاں ہونے لگے، وہ جب آٹھ برس کے ہوئے تو وضو، نماز اور دوسرے دینی کاموں کا اہتمام کرنے لگے، اپنے ہم عمر بچوں کو بھی ان کاموں میں شریک کرتے اور ان کو اس کی تلقین کرتے تھے جس کی بنا پر تمام بچے ان کے گرویدہ ہو گئے تھے (۸)۔

تعلیم و تربیت | شیخ گیسودراز کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد اور نانا کی آغوش میں ہوئی (۹) اور وہیں سے ان کے دل میں بزرگوں کی محبت اور شیفتگی کا جذبہ پیدا ہوا، پھر باقاعدہ ایک استاذ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کر کے پندرہ سال کی نوعمری میں مصباح اور قدوری تک تعلیم حاصل کی (۱۰)۔

(۱) سید محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم، انتظامی پریس دکن، مقدمہ از حافظ عطا حسین، ص ۷ (۲) محمد علی سامانی، ص ۸ (۳) ایضاً ص ۱۰ (۴) ایضاً ص ۸ (۵) ایضاً ص ۳ (۶) سخاوت مرزا، حوالہ سابق، بحوالہ لطائف اشرفی و تاریخ حبیبی، (قلمی) (۷) محمد علی سامانی، ص ۸ (۸) ایضاً (۹) ایضاً (۱۰) ایضاً ص ۱۰

مراجعت دہلی | شیخ گیسودراز کو بزرگوں سے محبت و عقیدت ورشہ میں ملی تھی، وہ شیخ نظام الدین اولیا کی زیارت سے تو محروم رہے مگر ان کے خلیفہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے شرف ملاقات کے لیے بے چین رہتے تھے مگر دولت آباد سے دہلی کی دوری اس میں مانع تھی، شیخ گیسودراز جب پندرہ سال کے ہوئے تو آتش شوق اور بھڑک اٹھی اور اتفاق سے اس کا سامان بھی ہو گیا، وہ یوں کہ ان کے والد کے انتقال کے چار سال بعد اور غالباً نانا کی وفات کے فوراً بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامرا سید ابراہیم مستونی سے ناراضگی پیدا ہوئی اور وہ اس درجہ ناراض ہوئیں کہ اپنے دونوں بچوں شیخ گیسودراز اور ان کے برادر کلاں سید حسین عرف چندن کو ساتھ لے کر دولت آباد سے دہلی کے لیے روانہ ہو گئیں اور کئی مہینوں کے سفر کے بعد وہاں پہنچیں (۱)۔

بیعت | دہلی پہنچ کر شیخ گیسودراز نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد سلطان قطب الدین گئے، یہ مسجد اندرون سرائے تھی، وہ ابھی مسجد کے صحن میں بیٹھے ہی تھے کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی مسجد میں داخل ہوئے، شیخ گیسودراز ان کے چہرہ مبارک کے جمال و انوار کو دیکھ کر مسحور ہو گئے اور دل میں سوچا کہ کاش یہی شیخ نصیر الدین ہوتے، تحقیق حال سے جب پتہ چلا کہ یہی شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، غرض ۱۶ رجب ۷۳۶ھ / ۲۹ فروری ۱۳۳۶ء کو اپنے بڑے بھائی کو ساتھ لے کر ان سے بیعت ہوئے (۲)۔

تکمیل تعلیم | شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بیعت ہونے کے بعد وہ سلوک کی وادی میں گامزن ہونا چاہتے تھے مگر ان کے شیخ نے ان کو حکم دیا کہ وہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں (۳)، چنانچہ انہوں نے درسیات کی بعض کتابیں مولانا شرف الدین کتھیلی اور بعض مولانا تاج الدین مقدم سے پڑھیں اور اس دوران اپنے پیرومرشد سے بھی تعلق رکھتے رہے، چنانچہ تعلیم کے ساتھ ذکر و مجاہدہ کا معمول بھی جاری تھا (۴)، اس مدت میں غلبہ حال سے مجبور ہو کر انہوں نے اپنے گھر کو بھی خیر باد کہا اور حظیرہ شیر خاں جہاں پناہ میں ایک حجرہ میں اقامت گزریں ہو گئے، اس حجرہ میں انہوں نے دس برس کا عرصہ گزارا اور وہیں سے اپنے مرشد کی خدمت میں حاضری دیتے تھے

(۱) محمد علی سامانی، ص ۶-۱۰ (۲) ایضاً ص ۱۰-۱۱ (۳) مولانا عبدالحی، ج ۳، ص ۱۶۱ (۴) محمد علی سامانی،

اور ان کے حکم کی تعمیل میں قاضی عبدالقادر شریعی کندی کی خدمت میں حاضر ہو کر درس بھی لیتے تھے (۱)، مولانا عبدالحی کے بیان کے مطابق انہوں نے قاضی صاحب سے شمسہ صحیف، مفتاح العلوم، ہدایہ، اصول بزدوی، کشاف اور بعض دوسری درسی کتابیں پڑھیں (۲)، اردو دایرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے حدائق الانس کے حوالہ سے ان کے اساتذہ کی فہرست میں عماد الدین تبریزی کا بھی نام گنایا ہے (۳)۔

غرض انیس سال کی نو عمری میں وہ تحصیل علم سے فارغ ہو گئے اور اس کے بعد مجاہدہ و ریاضت کی جانب مکمل توجہ مبذول کی اور انتہائی سخت ریاضتیں کر کے اپنے مرشد کے اس درجہ مقرب بن گئے کہ ان کے انتقال بعد متفقہ طور پر ان کے جانشین مقرر ہوئے (۴)۔

قیام دکن | شیخ گیسو دراز دہلی میں تقریباً ۶۵ برس مقیم رہے، ۸۰ برس کی عمر میں تیموری حملہ کے دوران وہ دہلی سے نکلنے پر مجبور ہوئے، اپنے اہل و عیال اور متوسلین کے ہم راہ وہ بڑی بے سروسامانی کے عالم میں دہلی سے روانہ ہو کر گجرات پہنچے، پھر وہاں سے دکن کے لیے روانہ ہوئے، اس سفر کی مکمل تفصیل ان کے مرید محمد علی سامانی نے بیان کی ہے جو اس سفر میں ان کے ساتھ تھے، وہ لکھتے ہیں:

”۷ ربیع الثانی ۸۰۱ھ / ۱۷ دسمبر ۱۳۹۸ء کو تیموری حملہ کے دوران شیخ گیسو دراز

اپنے اہل خانہ اور متعلقین کو ساتھ لے کر دروازہ بھیلہ کی راہ سے دہلی سے باہر نکلے اور

بہادر نام کی ایک جگہ پہنچے جہاں ان کے دو مرید رہتے تھے، انہوں نے اس قافلہ کو بڑے

اعزاز و اکرام کے ساتھ ٹھہرایا، وہیں سے شیخ گیسو دراز نے ۱۸ ربیع الثانی ۸۰۱ھ / ۲۸

دسمبر ۱۳۹۸ء کو اپنے مرید مولانا علاء الدین کو گوالیار پہ ذریعہ خط اس سانحہ کی اطلاع کی اور

اپنے گوالیار پہنچنے کا تذکرہ کیا، ۲۰ ربیع الثانی ۸۰۱ھ / ۳۰ دسمبر ۱۳۹۸ء کو گوالیار کے لیے

روانہ ہوئے اور ۲۳ ربیع الثانی ۸۰۱ھ / یکم جنوری ۱۳۹۹ء کو وہاں پہنچ گئے، اس درمیان میں

ان کے قافلہ کو بعض صعوبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، پھر وہاں سے بھاندیر، ایرچہ، چھترہ اور

(۱) محمد علی سامانی، ص ۱۳ (۲) مولانا عبدالحی، ج ۳، ص ۱۶۱ (۳) سخاوت مرزا، ص ۵۸۶ (۴) سید

صبا الدین عبدالرحمن، بزم صوفیہ، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۷۱ء، ص ۵۵۸ و بعد

چندیری ہوتے ہوئے عید الفطر ۸۰۱ھ / ۶ جون ۱۳۹۹ء کی شب میں بڑودہ پہنچے، ان مقامات پر ہر جگہ لوگوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور بڑی تعداد میں مرید ہوئے، ذی القعدہ ۸۰۱ھ / جولائی ۱۳۹۹ء میں بڑودہ سے کھنایت گئے پھر بڑودہ واپس آکر سلطان پور کے راستہ سے دولت آباد کے لیے رخت سفر باندھا، دولت آباد میں اپنے والد کی قبر پر حاضری دی، پھر وہاں سے فتح آباد عرف دیوگر پہنچے، یہ خطہ سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زیر اقتدار تھا، سلطان کو شیخ گیسو دراز کی آمد کا علم ہو چکا تھا، چنانچہ اس نے فتح آباد کے گورنر کو یہ تاکید فرماں بھیجا کہ وہ شیخ گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہو کر سلطان کی جانب سے نذرانے پیش کرے، وہیں سے شیخ گیسو دراز نے احسن آباد عرف گلبرگہ کا رخ کیا، ان کی پیشوائی کے لیے خود سلطان فیروز شاہ شہر سے باہر فوج کے ہم راہ آیا اور شیخ سے گلبرگہ میں اقامت پذیر ہونے کی درخواست کی جس کو انہوں نے قبول کر لیا اور پھر مدۃ العمر گلبرگہ ہی میں رہ گئے“ (۱)۔

گلبرگہ میں قیام کے دوران بے شمار خلق خدا کو ان کی ذات سے فائدہ پہنچا (۲) سلطان فیروز شاہ بہمنی اور اس کے جانشین احمد شاہ بہمنی سے بھی ان کے نہایت خوش گوار تعلقات رہے، ان ہی سے عقیدت و تعلق کی بنا پر احمد شاہ بہمنی نے اپنے عہد حکومت میں پورے خطہ دکن میں احکام شریعت کی ترویج پر خاص توجہ کی۔

ازواج و اولاد چالیس سال کی عمر میں اپنی والدہ کے اصرار پر سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحب زادی بی بی رضا خاتون سے نکاح کیا (۳)، ان کے بطن سے دو صاحب زادے سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحب زادیاں بی بی فاطمہ، بی بی بتول اور بی بی امۃ الدین پیدا ہوئیں (۴)۔

دونوں صاحب زادے جید عالم تھے، معقولات اور منقولات کی تعلیم دہلی کے کبار اساتذہ سے پائی، سید محمد اکبر جامع کمالات تھے، انہوں نے عربی اور فارسی میں کئی کتابیں لکھیں، اپنے

(۱) محمد علی سامانی، ص ۲۹ تا ۲۱ (۲) عبدالحق محدث، ص ۱۲۳، غلام سرور، ج ۱، ص ۳۸۱

(۳) محمد علی سامانی، ص ۲۱ (۴) ایضاً ص ۱۱۹ تا ۱۳۰۔

والد کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے جن میں جواسع الکلم کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی، یہ اپنے والد کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے، دوسرے صاحب زادے سید محمد اصغر اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ مشیخت پر متمکن ہوئے اور آج بھی اس خاندان کے لوگ گلبرگہ میں آباد ہیں (۱)۔

وفات | شیخ گیسو دراز کو کافی لمبی عمر نصیب ہوئی، دہلی ہی میں وہ ۸۰ برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے، پھر گلبرگہ آ کر تقریباً ۲۲-۲۳ برس تک اصلاح و رشد کا فریضہ انجام دیتے رہے، ۱۶/ ذی القعدہ ۸۲۵ھ/ یکم نومبر ۱۴۲۲ء کو دوشنبہ کے دن اشراق و چاشت کے درمیان وفات پائی، انتقال کے وقت ان کی عمر ایک سو چار سال سے زائد تھی (۲) وصیت کے مطابق مولانا بہاء الدین امام نے غسل دیا اور مولانا سراج الدین نے ان کی معاونت کی، ”مخدوم دین و دنیا“ (۳) اور ”مہ پھر ولایت بودند“ سے تاریخ وفات نکلتی ہے (۴)۔

تصنیفات | مشائخ صوفیہ میں شیخ گیسو دراز کو اس بنا پر یک گونہ برتری حاصل ہے کہ انہوں نے مختلف علوم و فنون میں بہ کثرت کتابیں لکھیں، وہ اپنی کتابوں اور رسالوں کو املا کراتے تھے (۵)، عام تذکرہ کی کتابوں میں ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۰۵ بتائی گئی ہے (۶)، صاحب زہمۃ الخواطر نے اپنے والد کی تصنیف ”مہر جہاں تاب“ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کی ۱۲۵ کتابیں مختلف فنون میں شمار کی گئی ہیں (۷)، سیر محمدی میں ان کی درج ذیل کتابوں کے نام بیان کیے گئے ہیں۔

۱- تفسیر ملتقط : یہ صوفیانہ انداز کی تفسیر ہے، اس کا قلمی نسخہ انڈیا آفس کی لائبریری (۸) اور ناصر یہ کتب خانہ لکھنؤ میں موجود ہے (۹)، یہ تفسیر عربی میں ہے اور بعض مقامات پر فارسی میں بھی وضاحت کی گئی ہے (۱۰)۔

۲- تفسیر بطرز کشاف : اس کتاب کے بارے میں تفصیل معلوم نہ ہو سکی تاہم یہ ضرور

(۱) شیخ گیسو دراز کے خاندانی احوال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، سیر محمدی، باب ششم (۲) ایضاً ص ۲۹
(۳) ایضاً (۴) سخاوت مرزا، ص ۵۸۶ (۵) محمد علی سامانی، ص ۱۰۳ (۶) سخاوت مرزا، ص ۵۸۷ (۷) عبدالحی، ج ۳، ص ۱۳۳ (۸) اوٹو لوتھ، فہرست مخطوطات عربی انڈیا آفس، لندن، ص ۲۴ (۹) محمد سالم، ہندوستانی مفسرین، ص ۳۰ (۱۰) اوٹو لوتھ، محولہ۔

اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر کشاف سے ان کو خاص انس تھا، چنانچہ ان کی زیرنگرانی ان کے ایک بھتیجے کشاف پڑھتے تھے (۱)، ممکن ہے کہ طلبہ کے لیے انہوں نے کشاف کے طرز پر کوئی تفسیری کتاب تصنیف کی ہو۔

۳- حواشی کشاف: تفسیر کشاف کے پانچ ابتدائی اجزاء پر حواشی ہیں، یہ کتاب نامکمل ہے۔
۴- شرح مشارق الانوار: امام صفائی کے مجموعہ حدیث مشارق الانوار کی شرح ہے، غالب گمان ہے کہ یہ شرح عربی میں رہی ہوگی۔

۵- ترجمہ مشارق الانوار: مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے۔

۶- معارف: شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور صوفیانہ کتاب ”عوارف المعارف“ کی عربی شرح ہے۔

۷- ترجمہ عوارف: عوارف المعارف کی فارسی شرح ہے جو ترجمہ کے نام سے مشہور ہے اور معارف کی بہ نسبت مختصر ہے (۲)۔

۸- شرح تعرف: شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم کلابازی کی کتاب التعرف کی شرح ہے۔

۹- شرح آداب المریدین (عربی و فارسی): شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی کی کتاب ”آداب المریدین“ کی شرح ہے، شیخ گیسودراز نے اپنے ارادت مندوں کی خواہش پر دو تین مرتبہ اس کتاب کا ترجمہ بعض مختصر اور بعض مفصل کیا تھا اور ان کو ارادت مندوں نے اپنے پاس رکھ لیا، غرض ان کی موجودگی میں یہ تمام ترجمے نایاب ہو گئے، چنانچہ انہوں نے چوتھی مرتبہ اس کتاب کی مفصل فارسی شرح لکھی اور عربی میں بھی اس کی شرح کی (۳)، عربی شرح اور تراجم تو ناپید ہیں البتہ فارسی شرح کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں محفوظ ہے (۴)۔

۱۰- شرح فصوص الحکم: شیخ محی الدین بن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے۔

۱۱- شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی: ابوالمعانی عبداللہ المعروف بہ عین القضاۃ

(۳۹) محمد علی سامانی، ص ۷۵ (۲) خواجہ گیسودراز، خاتمہ، زندہ طلسمات برقی پریس، دکن، (مقدمہ)، ص ۷۱

(۳) شیخ گیسودراز شرح آداب المریدین، انتظامی پریس دکن، ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء، ص ۳ (۴) مرزا اشرف

علی، کیٹلاگ آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، بشپ مشن پریس، کلکتہ، ۱۸۹۲ء، ص ۴۹۔

کی مشہور تصنیف کی شرح ہے، اس کا ایک بوسیدہ قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے (۱)۔

۱۲- شرح رسالہ قشیریہ: امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری کے رسالہ کی فارسی شرح ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد میں موجود ہے (۲)۔

۱۳- حظایر القدس (فارسی): اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں، یہ کتاب شیخ گیسودراز کی درگاہ کی جانب سے طبع ہو چکی ہے (۳)۔

۱۴- استقامۃ الشریعة بطریقۃ الحقیقۃ: اس کتاب میں شریعت و طریقت سے بحث کی گئی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن میں موجود ہے (۴)۔

۱۵- رسالہ سیر النبی ﷺ: فن سیرت پر ایک رسالہ ہے۔

۱۶- شرح فقہ اکبر (عربی و فارسی)۔

۱۷- حواشی قوت القلوب: شیخ ابوطالب محمد بن ابی الحسن بن علی کی مشہور تصنیف پر حواشی ہیں، اس کتاب کا باقاعدہ درس ان کی مجلس میں ہوتا تھا (۵)۔

۱۸- اسمار الاسرار: یہ شیخ ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کے نہج پر لکھی گئی ہے اور تصوف کے دقیق مباحث پر مشتمل ہے، اس کتاب کو بھی مولوی سید عطا حسین صاحب نے ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔

۱۹- حدایق الانس: اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

۲۰- خاتمہ: یہ دراصل آداب المریدین کی شرح کا مکملہ ہے جس میں ایک سالک کے لیے عبادت و معاملات کا لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے، اس کو بھی مولوی سید عطا حسین صاحب نے ایک مفید مقدمہ کے ساتھ ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء میں حیدرآباد سے طبع کرا دیا ہے۔

(۱) مرزا اشرف علی، ص ۵۴ (۲) سید تصدق حسین کاظمی، فہرست کتب خانہ آصفیہ، ج ۱، اختر و کن پریس، حیدرآباد، ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء، ص ۳۷۲ (۳) شیخ محمد اکرام، آب کوثر، سراج محمدی پریس، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۳۷۱ (۴) سی اے اسٹوری، ص ۱۰۲ (۵) محمد علی سامانی، ص ۷۵۔

مذکورہ بالا تصنیفات کے علاوہ شیخ گیسودراز کے متعدد رسالے ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہیں، ان کو قدیم دکنی اردو کے ابتدائی مصنفین میں بھی شمار کیا جاتا ہے اور اس زبان میں لکھی گئی بعض اہم ابتدائی کتابیں ان کی جانب منسوب کی جاتی ہیں جن میں معراج العاشقین کو نمایاں اہمیت حاصل ہے، اس کتاب کو مولوی عبدالحق صاحب نے ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء میں ایڈٹ کر کے ایک مقدمہ کے ساتھ شائع کیا، پھر دوبارہ ۱۹۵۷ء میں گوپی چند نارنگ نے اسے شائع کیا۔

تفسیر ملقط | شیخ گیسودراز کی تفسیر کا ذکر محمد علی سامانی نے متعدد مقامات پر کیا ہے، ان کے بیان کے مطابق اس تفسیر کا باقاعدہ درس شیخ گیسودراز کی مجلس میں ہوتا تھا (۱) اور ان کے فرزند اکبر سید محمد اکبر نے اس کی شرح بھی لکھی تھی (۲)، مگر یہ شرح نایاب ہے، البتہ تفسیر ملقط دو جلدوں میں انڈیا آفس لندن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے، اس کتب خانہ میں پہلی جلد کے دو نسخے اور دوسری جلد کا ایک نسخہ ہے، پہلی جلد سورہ فاتحہ سے لے کر سورہ کہف تک ہے اور دوسری جلد سورہ مریم سے شروع ہو کر اختتام قرآن مجید تک ہے اور دونوں ہی جلدوں کے مخطوطے نہایت بوسیدہ حالت میں ہیں اور اسی بنا پر انڈیا آفس کے فہرست نگار اوٹو لوتھ کو ان جلدوں کے مصنف کے بارے میں اشتباہ بھی ہوا ہے مگر اس کے باوجود ان میں ایسے واضح دلائل موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ تفسیر شیخ گیسودراز کی تصنیف ہے۔

اس تفسیر کی دوسری جلد کے اختتام پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ”تفسیر ملقط نصف آخر تصنیف سید محمد حسینی کیوداز“ (۳)، ظاہر ہے کہ گیسودراز کو سہو کتابت کی بنا پر کیوداز لکھ دیا گیا ہے مگر اوٹو لوتھ نے دوراز کا رقیاس کی بنا پر اس لفظ کو ”کبودان“ یا ”کبودانی“ سمجھ کر اس مقام کو نیشاپور کے قریب کا ایک گاؤں بتایا ہے (۴)، اوٹو لوتھ کے بیان کے مطابق اس تفسیر کا مکمل نام ”ملقط المعالم فی التفسیر“ تھا اور اس کے مصنف ”بندہ نواز“ کے لقب سے مشہور تھے (۵)۔

تفسیر ملقط کی جلد اول کا ایک نسخہ ناصر یہ کتب خانہ لکھنؤ میں بھی ہے، اس کے بھی ابتدائی

(۱) محمد علی سامانی، ص ۷۵ (۲) ایضاً ص ۱۲۳ (۳) اوٹو لوتھ، ص ۲۳ (۴) ایضاً، حاشیہ، ص ۲۴ (۵) ایضاً

اور اوراق غائب ہیں، تاہم اس نسخہ پر دو مہریں ہیں اور اس کا اختتام کاتب کی اس تحریر پر ہوتا ہے ”تمت المجلد الاول من تفسیر الملتقط تصنیف سید محمد گیسو دراز قدس اللہ سرہ العزیز“۔ (۱)

تفسیر ملتقط کی نمایاں خصوصیات | شیخ گیسو دراز کی تفسیر ملتقط ہندوستان کی ابتدائی تفسیروں میں شمار کی جاتی ہے، اس کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں میں بھی قرآن مجید کی مختلف آیتوں کی تفسیریں ملتی ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو قرآن مجید اور تفسیر سے خاص شغف تھا، ذیل میں ان کے بعض نمایاں تفسیری خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ صوفیانہ نقطہ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر: شیخ گیسو دراز کے طریقہ تفسیر کا یہ نمایاں وصف ہے اور ان کی تفسیر کی ایک اہم خصوصیت بھی یہی ہے کہ اس میں اہم صوفیا کے اقوال نقل کیے گئے ہیں (۲) مگر اسی کے ساتھ وہ تصوف کی حمایت میں شریعت کو نظر انداز کر دینے کے قابل بھی نہیں ہیں، وہ سورۃ الحجر کی آیت

والارض مددناھا والقیینا۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیے اس فیہا رواسی (حجر: ۱۹) پر بوجھ۔
کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”نفوس عابدین ارض عبادت، قلوب عارفین ارض معرفت اور ارواح مشتاقین ارض

محبت ہیں، امید و بیم پہاڑ ہیں، کہا جاتا ہے کہ اولیا اوتاد ارض ہیں جن کے ذریعہ اللہ مخلوق سے

بلاؤں کو دور کرتا ہے، وہ غیاث عالم ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علما پہاڑ ہیں جن سے شریعت کا

قیام و بقا ہے، علما اصول دین کے اور فقرا نظام شریعت کے قیام کا باعث ہیں“ (۳)۔

تاہم تفسیر ملتقط میں تصوف کا رنگ غالب ہے اور واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ

مصنف نظریہ وحدۃ الوجود کے قائل اور موید تھے اور اسی نقطہ نظر سے یہ تفسیر لکھی گئی ہے۔

۲۔ لغت اور عربی قواعد سے واقفیت: شیخ گیسو دراز کو عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا

(۱) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین، ص ۳۲ (۲) اوٹو لوتھ، ص ۲۲ (۳) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی،

ہندوستانی مفسرین، ص ۳۲، بحوالہ مخطوطہ کتب خانہ ناصر، ورق ۶۱

جس کا اندازہ ان کی تمام تصانیف اور اجازت ناموں سے ہوتا ہے، قرآن مجید کی تفسیر میں بھی انہوں نے اس کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے، وہ سورہ الصافات کی آیت

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو۔

(صافات: ۹۶)

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور جو عمل تم کرتے ہو اس کا بھی خالق وہی ہے، وما تعملون میں ما کو مصدر یہ ماننے کی صورت میں یہ مفہوم ہوگا کہ تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا اور اس کو موصولہ بنانے کی شکل میں یہ ترجمہ ہوگا کہ تم کو تمہارے اعمال کے ساتھ پیدا فرمایا، اہل تحقیق اور موحدین کا یہی قول ہے“ (۱)۔

اس کے بعد انہوں نے اس تفسیر کی روشنی میں معترزلہ کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ بندوں کے اعمال کا خالق خدا نہیں ہے (۲)، غرض شیخ گیسودراز کی تفسیر علم و تحقیق پر مبنی ایک صوفیانہ تفسیر ہے، اس میں صوفیا کے اقوال کے ساتھ قدیم مفسرین خازن، واسطی اور حیرری کے اقوال بھی درج کیے گئے ہیں۔



(۱) شیخ گیسودراز، شرح آداب المریدین، ص ۲۶ (۲) ایضاً۔

شیخ علی بن احمد مہانمی

ہندوستانی مفسرین میں شیخ مخدوم علی بن احمد کا مقام بہت بلند ہے، وہ غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز علمی تبحر، خداداد بصیرت اور بے مثال روحانیت کے حامل تھے، ان کی تصنیفات مابعد الطبیعات، اسرار شریعت، فلسفہ و حکمت اور تصوف و معرفت کا گنجائے گراں مایہ ہیں اور ان کی تفسیر چھ سو برس گزر جانے کے بعد بھی آج تک عرب و عجم میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

ولادت | قدیم گجرات اور موجودہ مہاراشٹر کے علاقہ کوکن میں سرزمین ”مہام“ میں ۱۰ محرم

۶۷۷ھ/۱۳۷۲ء کو خاندان نواہت کے ایک معزز گھرانے میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی (۱)

اور اب یہ مقام عروس البلاد بمبئی کا ایک پر رونق اور آباد محلہ ہے اور ماہم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

نام و نسب | نام علاء الدین اور علی دونوں ہے، کنیت ابوالحسن اور لقب زین الدین ہے،

خاندان نواہت کے قبیلہ پرو سے تعلق رکھنے کی بنا پر ان کے نام کا جز پرو ہو گیا، علم فقہ میں مجتہدانہ بصیرت کی وجہ سے فقیہ اور مرجع خلائق ہونے کی بنا پر مخدوم کے لقب سے پکارے گئے۔

والد ماجد کا نام شیخ احمد ہے، یہ جلیل القدر عالم اور ولی کامل تھے اور کوکن کے دولت مند

تاجروں میں شمار کیے جاتے تھے اور والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ تھا اور وہ بڑی عابدہ خاتون تھیں۔

شیخ مہانمی کے نسب کے بارے میں دو قول منقول ہیں:

۱۔ مخدوم علی بن احمد بن علی بن احمد المشہور بہ بنت حسین ناخدا انکولیا ”ضمیر الانسان“

(۱) غلام علی آزاد بلگرامی، سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، بمبئی ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء، ص ۳۹ و نواب صدیق

حسن خاں، ابجد العلوم، مطبعہ صدیقیہ، بھوپال، ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء، ص ۸۹۳، مولانا رحمان علی، تذکرہ

علمائے ہند، نول کشور پریس، ۱۸۹۳ء، ص ۱۳۔

میں خطیب کلیانی کی کتاب سے یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ علی بن حسن بن ابراہیم بن اسماعیل مصنف الہام الرحمن و متمم تبصیر الرحمن بن محمد بن احمد الملقب بہ کودر، ضمیر الانسان کے مصنف کے بہ قول شامل الاتقیا کے آخر میں یہ قول درج ہے اور شامل الاتقیا خود شیخ مہائمی کے دست مبارک کی لکھی ہوئی ہے، غالباً یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں دوسرا قول رائج سمجھا جاتا تھا مگر مولوی محمد یوسف کھٹکھٹے نے تفسیر تبصیر الرحمن کے کسی قلمی نسخہ پر درج ایک تقریظ کے حوالہ سے پہلے قول کو مرجح قرار دیا ہے (۱)۔

شیخ مہائمی ایک شریف و نجیب خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، نایتی قوم عربی النسل ہے جو بعد میں ہندوستان آکر آباد ہو گئی، آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

”مولانا شیخ احمد المہائمی گروہ نواہت سے تعلق رکھتے ہیں، یہ لفظ ثوابت کے وزن پر ہے، ایک قوم ہے جو دکن کے شہروں میں رہتی ہے، میں نے ان کا حال فارسی کتابوں میں دیکھا ہے، طبری نے لکھا ہے کہ نایہ ایک گروہ ہے قریش کا جو حجاج بن یوسف کے خوف سے مدینہ منورہ سے نکل کر بحیرہ عرب کے کنارے آ پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کر لی“ (۲)۔

تعلیم و تربیت | شیخ مہائمی کے والد بزرگوار شیخ احمد بڑے عالم و فاضل اور متقی بزرگ تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت میں غیر معمولی توجہ سے کام لیا، تاریخ النوائط کے مصنف لکھتے ہیں:

”شیخ مہائمی کے والد ماجد مولانا شاہ احمد قدس سرہ نے اپنے ہونہار صاحبزادے کی طباعی، ذہانت اور شوق اکتساب علوم کو دیکھ کر ان کی اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ کی، چوں کہ وہ خود بھی عربی کے بڑے عالم تھے، اس لیے باپ کی توجہ نے بیٹے کو عالم بنادیا، چنانچہ وہ بہت تھوڑے عرصہ میں فقہ، منطق، فلسفہ اور حدیث وغیرہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے“ (۳)۔

عادات و خصایل | زندگی کا حقیقی جوہر حسن سیرت ہے، پاکیزہ سیرت ہی نے بزرگوں کی یاد کو

(۱) محمد یوسف کھٹکھٹے، کشف المکتوم من حالات الفقیہ المجدوم، مطبعہ شہابی، بمبئی (۲) آزاد بلگرامی، ص ۳۹

(۳) نواب عزیز یار جنگ، تاریخ النوائط، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء، ص ۳۵۴

دوام اور ان کے ذکر کو رفعت بخشی ہے، سید ابراہیم مدنی لکھتے ہیں:

”شیخ مہانگی بچپن ہی سے نہایت باادب، فرماں بردار اور والدین کے خدمت گزار تھے، اتفاق سے ایک رات ان کی والدہ عشاء کی نماز کے بعد بستر پر لیٹی تھیں، انہیں پیاس لگی تو انہوں نے شیخ مہانگی سے پانی مانگا، وہ پانی لے کر گئے تو دیکھا کہ والدہ کی آنکھ لگ گئی ہے، نیند سے اٹھانا سوء ادب سمجھ کر تمام رات پانی کا کٹورا لیے کھڑے رہے، صبح صادق کے وقت جب ان کی والدہ کی آنکھ کھلی تو پوچھا کہ کب سے پانی لیے کھڑے ہو، انہوں عرض کیا کہ آپ نے رات کو جس وقت پانی طلب کیا تھا اسی وقت سے آپ کے بیدار ہونے کے انتظار میں کھڑا ہوں، والدہ کو اپنے بیٹے کی یہ سعادت مندانہ ادا بہت پسند آئی، فوراً بستر سے اٹھیں، وضو کیا اور بارگاہ رب العزت میں اپنے بیٹے کے لیے دعا کی، چنانچہ ماں کی دعاؤں کا یہ اثر تھا کہ وہ علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال کو پہنچے اور بہت جلد مرتبہ ولایت پر فائز ہو گئے“ (۱)۔

شیخ مہانگی کے حسن اخلاق کا ذکر متعدد تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ وہ بے حد فیاض اور کشادہ دست تھے، حاجت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتے، ایک دولت مند تاجر کے فرزند ہونے کے باوجود کبھی دولت کو اہمیت نہیں دی، ان کے دولت کدے پر ہمیشہ مہمانوں کا ہجوم رہتا اور دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے جاتے اور شیخ مہانگی ان کی ضیافت کر کے بہت خوش ہوتے تھے، غرض ان کے اخلاق حمیدہ کے معترف ہندو اور مسلمان دونوں طبقوں کے لوگ تھے۔

عبادت و ریاضت | توجہ الی اللہ اور عبادت و ریاضت سے بندہ کو قرب الہی حاصل ہوتا ہے اور اسی کی بدولت انسان کو روحانیت کا اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے، صاحب برکات الاولیا لکھتے ہیں:

”شیخ مہانگی بڑے زاہد و عابد، جامع علوم شریعت و طریقت اور صاحب تصرفات

ظاہری و باطنی تھے“ (۲)۔

(۱) سید ابراہیم مدنی، ضمیر الانسان، شہابی پریس، بمبئی، ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء، (۲) امام الدین گلشن آبادی،

برکات الاولیا، بمبئی، بدون تاریخ، ص ۳۶۔

مولانا محمد باقر آگاہ اپنی تصنیف ”نفحة العنبرية“ میں لکھتے ہیں:

”وہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں انتہا کو پہنچے ہوئے اور توحید و جود و علوم طریقت کے اعلا یادگار تھے، استغراق و مشاہدہ ذات میں کامل اور ظاہری تصنع سے کنارہ کش تھے، ان سے بین کرامات پسندیدہ خصلتیں اور نیک صفتیں ظاہر ہوئیں“ (۱)۔

مشہور صوفی شیخ عبدالوہاب متقی شاذلی نے ان کا ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”صاحب تفسیر رحمانی شیخ علی مہانگی پر مراقبہ و استغراق کی کیفیت غالب تھی، بادشاہ وقت کی بہن ان کے نکاح میں تھیں، ایک روز بادشاہ کی بیگمات شاہ کی بہن سے ملنے کی غرض سے ان کے مکان پر آئیں، شیخ مہانگی اس وقت دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھے ہوئے تھے، بیگمات کو اندر آنے میں تردد ہوا، شیخ کی والدہ موجود تھیں، انہوں نے کہا کیوں توقف کر رہی ہو، اندر چلی آؤ، انہوں نے کہا کہ ہم کیسے آئیں، شیخ چوکھٹ پر تشریف فرما ہیں، ہمیں دیکھ لیں گے، شیخ کی والدہ نے کہا کہ وہ تو بے خبری کے عالم میں ہیں، اسے نہ تو تمہارا ہوش ہے اور نہ دنیا و مافیہا کی خبر، چنانچہ بیگمات مکان کے اندر داخل ہو گئیں اور شیخ کی والدہ سے اس کا ثبوت مانگا، چنانچہ شیخ کی والدہ ان کے پاس آئیں اور کہا، بیٹا علی، اس تہبند سے پردہ پوشی کر لو اور اپنے کپڑے دھونے کے لیے دے دو، شیخ اس وقت صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے، انہوں نے فوراً اپنے کپڑے اتار کر تہبند پہن لیا اور بیٹھ گئے، ایک گھنٹہ بعد ان کی والدہ دوسرے میلے کچیلے کپڑے لے کر آئیں اور ان سے کہا کہ اپنے کپڑے پہن لو، چنانچہ انہوں نے وہ میلے کپڑے پہن لیے، استغراق کی اس کیفیت میں انہیں بالکل خبر نہ تھی کہ کون سا کپڑا پہننا ہے اور کس کو اتارنا ہے“ (۲)۔

(۱) بحوالہ نواب عزیز یار جنگ، ص ۳۶۰ (۲) شیخ عبدالوہاب متقی، جبل التین فی تقویت الیقین (قلمی کتب خانہ درگاہ پیر محمد شاہ، احمد آباد)، یہ نسخہ ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۶۵ء کا مکتوبہ ہے اور اس پر بدر عالم کے دستخط ہیں اور مذکورہ بالا عبارت تفسیر کے مخطوط میں بھی ”ترجمہ المصنف“ کے عنوان سے آخر کتاب میں درج ہے اور اس مخطوطہ پر شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کا حاشیہ بھی ہے

شیخ عبدالوہاب متقی کے اس بیان سے جہاں شیخ مہانگی کے استغراق و محویت اور یاد الہی میں انہماک کا بین ثبوت فراہم ہوتا ہے، وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے تجربہ کار راستہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے اور بادشاہ وقت کے ساتھ ان کی قرابت داری کا تعلق تھا، اس عہد میں گجرات کا والی سلطان احمد تھا جس نے اپنے نام پر گجرات کے مشہور شہر ”احمد آباد“ کا سنگ بنیاد رکھا اور ۸۱۴ھ / ۱۴۱۱ء تا ۸۴۳ھ / ۱۴۳۹ء بڑی شاندار حکومت کی، اس وقت مہاراشٹر کے علاقے تھانہ اور ماہم حکومت گجرات ہی کے ماتحت تھے، مولانا ابو ظفر ندوی لکھتے ہیں:

”احمد شاہ اول نے اپنے عہد میں احمد نگر، بالاسور، سلطان پور، دوحہ، سنکھیرا، مہانم وغیرہ میں قلعوں کے علاوہ محلات بھی تعمیر کرائے، جن میں سے بعض آج بھی موجود ہیں“ (۱)۔

منصب قضا شاہان گجرات بڑے علم دوست اور دین دار تھے، انہوں نے ہمہ پنی قلم رو میں اسلامی نظام و قانون کو رواج دیا جس کے سبب مقدمات کے فیصلے شریعت اسلامی کے مطابق ہوا کرتے تھے اور قاضی کا منصب بڑا معزز خیال کیا جاتا تھا اور اس منصب پر جلیل القدر علما کا تقرر عمل میں آتا تھا، بمبئی گزیٹر میں درج ہے:

”صوفی مخدوم علی فقیہ نے جوانی کے کئی سال سفر اور مطالعہ میں گزارے،

پھر وہ ماہم کے مسلمانوں کے قاضی مقرر ہوئے“ (۲)۔

تفسیر رحمانی کا ایک قلمی نسخہ درگاہ پیر محمد شاہ احمد آباد میں موجود ہے، اس کے مقدمہ میں مطبوعہ نسخہ سے تقریباً ڈھائی صفحات زیادہ ہیں، نواب جمال الدین مدار الہمام بھوپال نے جب اس تفسیر کو مصر سے طبع کرایا تو ان صفحات کو غیر ضروری سمجھ کر خارج کر دیا، ان میں شیخ مہانگی نے شان دار اور پر شکوہ انداز میں والی گجرات سلطان احمد شاہ کا تذکرہ کیا ہے، اس کی حکومت اور اس کے گراں قدر کارناموں کو سراہا ہے، امن و امان، عدل و انصاف، رعایا پروری اور قانون شریعت کے نفاذ و ترویج پر اس کی بے حد مدح سرائی کی ہے اور اپنی تفسیر کا انتساب بھی اسی کے

(۱) ابو ظفر ندوی، گجرات کی تمدنی تاریخ، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء، ص ۱۳۵ (۲) بمبئی گزیٹر، ج ۳، ص ۳۰۱

نام پر کیا ہے۔

درس و تدریس | گجرات کے مختلف علاقوں میں اسلامی علوم و فنون کے مدارس و مراکز قائم تھے جن میں اساتذہ خالصتاً لوجہ اللہ درس دیتے اور طلبہ ان سے مستفید ہوتے تھے، شیخ مہائمی کی جلالت شان اور علمی تبحر کی بنا پر طالبان علوم کی معتد بہ تعداد ان کے گرد اکٹھا ہو گئی تھی، صاحب برکات الاولیا کا بیان ہے کہ:

”مہائم میں مدرسہ تھا جس میں شیخ مہائمی طلبا کو درس علوم ظاہری و باطنی دیا کرتے تھے اور اکثر اوقات تصنیف و تالیف میں گزارتے (۱)، چنانچہ ان کے ایک شاگرد محمد سعید رتناگیری کا ذکر تذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے“ (۲)۔

صوفیانہ مسلک | ہندوستان میں تصوف کے متعدد سلسلے قائم ہیں اور ان میں بے شمار مشائخ پیدا ہوئے، جنہوں نے محبت، انسانیت، رواداری اور حسن اخلاق سے لوگوں کے قلوب کی کایا پلٹ دی مگر ہندوستان میں رائج کسی سلسلے میں شیخ مہائمی کا نام نہیں ملتا ہے، حالاں کہ ان کی پوری زندگی سر تا پا تصوف کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، اس لیے بعض تذکرہ نگاروں نے ان کو ”اویسی“ لکھا ہے۔

شیخ مہائمی کی تصنیفات کے مطالعہ سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شیخ محی الدین ابن عربی کے پیرو اور ان کے نظریہ وحدۃ الوجود کے علم بردار تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار“ میں لکھا ہے:

”وے از علمائے صوفیہ موحدہ است، عالم بود بہ علوم ظاہر و باطن،

صاحب التصنیفات الرائیۃ والتالیفات اللائقۃ“ (۳)۔

محمد حسن غوثی منڈوی ”گلزار ابرار“ میں لکھتے ہیں:

”دونوں جہاں کے حقائق اور اسرار کے عارف تھے، شیخ محی الدین ابن

عربی اور شیخ صدر الدین قونوی کے پیرو تھے اور ان دونوں بزرگوں کی تصنیفات

(۱) امام الدین گلشن آبادی، حوالہ سابق، ص ۳۶ (۲) ایضاً، تاریخ الاولیا، فتح الکریم پریس، بمبئی، ۱۲۹۱ھ

۱۸۷۳ء، ص ۷۳۳ (۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۷۳۔

پر عمدہ شرحیں لکھیں اور مفید حاشیے لگائے“ (۱)۔

غلام علی آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

”شیخ علی مہائمی باریک بین ہیں، ان کا شمار علما اور اصحاب ذوق و

عرفان میں ہوتا ہے، وہ توحید و جود کی اثبات کرنے والے اور شیخ ابن عربی کے

نقش قدم پر چلنے والے تھے“ (۲)۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستانی علما میں شیخ مہائمی کو شیخ اکبر کی ذات سے جو بے پناہ عقیدت تھی اور ان کے فلسفہ سے جو گہری مناسبت اور وابستگی تھی اس کی مثال نہیں ملتی، انہوں نے شیخ اکبر کے فلسفہ کی تعبیر و تشریح اور ترجمانی کو اپنا مقصد زندگی قرار دے لیا تھا، چنانچہ ان کی کوئی تصنیف ایسی نہیں ہے جس میں فلسفہ وحدۃ الوجود کی جھلک نہ پائی جاتی ہو، یہی نہیں اس نظریہ کے حامل دوسرے اکابر کی تصنیفات کی بھی انہوں نے شرحیں لکھیں اور شیخ اکبر کی حمایت میں مخالفین کے تمام اعتراضات کے جوابات لکھے، اسی بنا پر مولانا سید عبدالحی حسینی نے شیخ مہائمی کو ”ابن عربی ثانی“ کے لقب سے یاد کیا ہے (۳)۔

روحانی مرتبہ | شیخ مہائمی کا روحانی مرتبہ و مقام بہت بلند تھا، اس کا اندازہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مندرجہ ذیل تحریر سے بہ خوبی ہوتا ہے جس میں انہوں نے شیخ مہائمی کو اکابر اولیا کے زمرہ میں شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”ہمارے نزدیک نور نبوت کے چار طریقے ہیں، پہلا وہ جو طبقہ جو

حکمائے امت کہلاتا ہے، اس طبقہ کے لوگ ایمان ثابتہ کے آئینہ دار بن چکے ہیں،

چنانچہ ان کا علم اور ان کی عبادت سب خیر محض ہیں، دوسرے وہ طبقہ جس کے نفس

ناطقہ پر رسول اللہ کا رنگ غالب آچکا ہو..... چنانچہ جو بھی تمام المعرفت ہوگا اس پر

رسول اللہ کے انوار نمایاں ہوں گے، شیخ اکبر (محمی الدین ابن عربی) اپنی وسعت

معلومات کی بنا پر اسی طبقہ میں داخل ہیں، تیسرا طبقہ وہ ہے جس کو سنن و طاعات

(۱) محمد حسن غوثی، گلزار ابرار، ص ۳۹ (۲) آزاد، ص ۳۹ (۳) عبدالحی حسینی، یادایام، مطبع انسٹیٹیوٹ، علی گڑھ

شرعیہ کی پابندی نے اس رنگ میں رنگ دیا ہو..... چنانچہ اصحاب طریقت میں حضرت غوث الاعظم، شیخ سہروردی، نجم الدین کبری، شیخ بہاء الحق والدین شیخ ہروی، مخدوم علی مہائمی اور مولانا جامی اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں.....“ (۱)۔

وفات | شیخ مہائمی نے ۵۹ برس کی عمر پائی، ۹ جمادی الاخریٰ ۸۳۵ھ فروری ۱۴۳۱ء کو جمعہ کی شب میں وفات پائی اور جمعہ کے روز مہائم میں اپنی والدہ کے پہلو میں سپرد خاک کیے گئے، جنات الفردوس سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

تصنیفات | شیخ مہائمی کی زندگی کا بڑا حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا، انہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں تصوف کے حقائق سے بحث کی، چنانچہ مولانا سید عبدالحی حسینی لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں“ (۲)۔

چنانچہ ان کی کتابوں میں فلسفہ و تصوف کا بہترین امتزاج پایا جاتا ہے اور انہوں نے تصوف کے دقیق مباحث مثلاً وحدۃ الوجود، جبر و اختیار، ہستی مطلق، فنا و بقا، تنزلات ستہ، حقیقت محمدیہ وغیرہ پر محققانہ بحث و گفتگو کی ہے، چوں کہ ان کے دور میں اہل علم اور صوفیہ کے حلقہ میں ان مسائل کو خاص اہمیت حاصل تھی اس لیے یہ بحثیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی گئیں مگر بعد کے ادوار میں ان کا ذوق بہ تدریج کم ہوتا گیا، جس کے نتیجہ میں ان کی بیشتر کتابیں تلف ہو گئیں، اس المیہ کا ذکر شیخ ابوالفضل نے بھی ”آئین اکبری“ میں کیا ہے (۳)۔

شیخ مہائمی کی جو کتابیں دستبرد زمانہ سے محفوظ رہیں ان میں بعض تو طبع ہو گئی ہیں اور بعض مخطوطات کی صورت میں ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں اور بعض کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، ذیل میں ان کی بعض کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

۱- تبصیر الرحمن و تیسیر المنان بعض مایشیر الی اعجاز القرآن: شیخ مہائمی کی یہ مشہور تفسیری تصنیف ہے جو ”تفسیر رحمانی“ یا ”تفسیر مہائمی“ کے نام سے مشہور ہے، نواب جمال الدین

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الخیر الکثیر، مطبعہ سعیدی، کراچی، ص ۱۸۳ تا ۱۸۶ (۲) عبدالحی، یادایام، ص ۵۹

(۳) ابوالفضل، آئین اکبری، ج ۳، نول کشور پریس، ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء، ص ۱۷۴

وزیر ریاست بھوپال کے زیر اہتمام ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں مطبعہ بولاق، مصر سے دو ضخیم جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

۲- اجلة التائید فی شرح ادلتہ التوحید: (مطبوعہ)۔

۳- الضوء الاظہر فی شرح النور الازہر: (مطبوعہ)۔

۴- ارادة الدقائق شرح مرآة الحقائق: (مطبوعہ)۔

۵- فقہ مخدومی مع ترجمہ اردو: (مطبوعہ)۔

۶- خصوص النعم فی شرح فصوص الحکم: شیخ ابن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں موجود ہے (۱)۔

۷- زوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف: شہاب الدین سہروردی کی کتاب کی شرح ہے، اس کے قلمی نسخے بمبئی، حیدرآباد، رام پور اور پٹنہ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

۸- امحاض النصیحة: اس کا صرف ایک قلمی نسخہ خدا بخش لاہوری میں ہے (۲)۔

۹- المرتبة الرفیعة فی الجمع والتوفیق بین اسرار الحقیقة وانوار الشریعة: اس کا مخطوطہ کتب خانہ درگاہ پیر محمد شاہ، احمد آباد میں موجود ہے اور اس مخطوطہ کی کتابت شیخ مہارنجی کی حیات میں ہی ہو چکی تھی۔

۱۰- انعام الملک العلام با حکم الاحکام: اسرار شریعت کے موضوع پر ہے، اس کتاب کا ذکر مولانا عبدالحی نے کیا ہے۔

۱۱- شرح الخصوص: اس کے حوالے محض کتابوں میں ملتے ہیں، صدر الدین قنوی کی فصوص کی شرح ہے اور نایاب ہے۔

۱۲- استجلاء البصر فی الرد علی استقصاء النظر: (نایاب)۔

۱۳- رسالہ ادلة التوحید: اصل رسالہ نایاب ہے، صرف اس کی شرح مطبوعہ موجود ہے۔

۱۴- رسالہ عجیبیہ: اس کتاب کا ابتدائی حصہ آزاد بلگرامی نے سچۃ المر جان میں درج کیا ہے۔

(۱) محمد ظہیر الدین، ص ۲۴ (۲) سید احسن شیر، نوادر خدا بخش لاہوری، آزاد پبلشرز پٹنہ، ص ۴۱۵۔

۱۵- الوجہ فی شرح اسماء المعبود: اس کتاب کا کوئی نسخہ دست یاب نہیں ہے، امام الدین گلشن آبادی کی کتاب ”تاریخ الاولیا“ میں صرف اس کا ذکر ہے۔

۱۶- فتاویٰ مخدومیہ: یہ بھی ضائع ہو چکا ہے، صرف ”تاریخ الاولیا“ میں اس کا تذکرہ ہے۔

۱۷- ترجمہ مرآۃ الحقائق: محمد عزالدین المغربی کی فارسی کتاب ”جام جہاں نما“ کا عربی ترجمہ ہے، نایاب ہے۔

۱۸- ترجمہ و شرح لمعات عراقی: شیخ فخرالدین عراقی کی فارسی تصنیف کا عربی ترجمہ ہے، یہ بھی نایاب ہے۔

۱۹- النور الازہر فی سر القضا والقدر: اصل کتاب تو نایاب ہے، البتہ اس کی شرح ”الضوء الاظہر“ طبع ہو چکی ہے۔

تفسیر مہائمی اور اس کی خصوصیات | شیخ مہائمی کا مہتمم بالشان علمی کارنامہ ان کی تفسیر ”تبصیر

الرحمن وتیسیر المنان“ ہے جو تفسیر رحمانی یا تفسیر مہائمی کے نام سے مشہور ہے، اس تفسیر کا اصل موضوع نظم قرآن ہے جس میں ایک آیت کے دوسری آیت کے ساتھ تعلق اور ایک سورہ کا دوسری سورہ سے ربط و مناسبت واضح کیا جاتا ہے، شیخ مہائمی نے اس عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا ہے کہ کسی مقام پر سلسلہ کلام منقطع نہیں ہوتا ہے اور بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ سلسلہ مضمون میں آیت بریکٹ کے اندر آ جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ ہی وہ حقائق و معارف بھی اختصار کے ساتھ بیان کرتے جاتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ قرآنی حکمتوں کا بڑا حصہ اس کے نظم و ترتیب میں پوشیدہ ہے، آیات قرآنی کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں، ایک عظیم الشان علم ہے۔

شیخ مہائمی نے اس تفسیر میں نظم و ترتیب کے جو نکات بیان کیے ہیں ان کو انہوں نے محض فضل الہی کی بخشش قرار دیا ہے اور اسی احساس کے تحت انہوں نے تفسیر کا نام ”تبصیر الرحمن وتیسیر المنان“ رکھا ہے، وہ تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”یہ نکات نظم قرآنی کا بہترین مجموعہ ہے جن میں سے اکثر مجھ سے

پہلے کسی جن و انس کی دسترس میں نہیں آئے تھے، میں غریق بحر پلید اس لایق

کہاں تھا کہ ان تک رسائی حاصل کر سکتا جنہیں صرف پاک و مطہر بندے ہی چھو سکتے ہیں مگر اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل و کرم سے میرے لیے اس مشکل کو آسان بنا دیا“ (۱)۔

چنانچہ شیخ مہائگی کے اس علمی اور قابل قدر شاہ کار کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے انہوں نے ان کے فہم قرآنی اور تحقیق نظم کی ستائش کی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

”تفسیر رحمانی کی بہ صفت ایجاز و تدقیق موصوف است و تفسیر را بہ

قرآن امتزاج داوہ است“ (۲)۔

شیخ محمد حسن غوثی شطاری لکھتے ہیں:

”تفسیر رحمانی میں ترجمہ و تشریح کو قرآنی ترتیب کے ساتھ ملا دیا گیا ہے

اور تکرار سے اجتناب کیا گیا ہے، یہ عمدہ طریقہ شیخ مہائگی کی اختراع ہے“ (۳)۔

مولانا باقر آگاہ ”نقۃ العنبر یہ“ میں رقم طراز ہیں:

”یہ تفسیر عمدہ اور لائق ستائش ہے، اس کی نظیر اعلا یا ادنیٰ نظر سے نہیں

گزری“ (۴)۔

مولانا سید عبدالحی لکھتے ہیں:

”تفسیریں تو سینکڑوں لکھی جا چکی ہیں مگر جس بات سے ان کی تفسیر کو امتیاز

و خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں التزام کے ساتھ تمام قرآن پاک کی

آیت کریمہ کے باہم دگر مربوط ہونے کو ایسے دل نشیں طریقے سے بیان کیا ہے

جس کو پڑھ کر انسان وجد میں آجاتا ہے اور بے ساختہ منہ سے داد نکلتی ہے“ (۵)۔

تفسیری موقف | شیخ مہائگی نے اپنے تفسیری موقف کی وضاحت مقدمہ میں کر دی ہے،

وہ تفسیر قرآن کے ضمن میں مفسرین کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو شرعی حدود و قیود میں رہ کر

(۱) شیخ علی مہائگی، تفسیر تبصیر الرحمن و تیسیر المنان، مقدمہ (۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۷۳ (۳) محمد

حسن غوثی، تذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار، ص ۱۴۱ (۴) بحوالہ عزیز جنگ، ص ۳۵۵ (۵) عبدالحی، یاد

ایام، ص ۵۹۔

تفسیر و تاویل میں عقل و خرد کے استعمال پر زور دیتا ہے، وہ نبی کریم کے قول:
 من قال فی القرآن برأیہ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی تو
 فلیتبرأ مقعدہ من النار اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے۔
 کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اقوال صحابہ اور آثار تابعین سے ہٹ کر فہم و عقل سے
 قرآن کی تفسیر کرنے والا جہنمی ہے بلکہ یہ حدیث تو مفسرین کے لیے احتیاط برتنے میں مہمیز کا
 کام کرتی ہے، جہاں تک عقل و خرد اور رائے کے استعمال کا تعلق ہے، قرآن کریم میں جا بجا تدبر
 و تفکر کی دعوت دی گئی ہے، قرآن اور مذہب اسلام کی عالم گیریت اور ابدیت اسی صورت میں
 ہے کہ مفسرین اپنے دور میں پیش آمدہ مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر سے حل
 کریں، احادیث و آثار کا جو حصہ تفسیر کے سلسلہ میں نقل کیا گیا ہے وہ پورے قرآن کا احاطہ نہیں
 کرتا ہے بلکہ وہ صرف بعض حصوں سے متعلق ہے، اس لیے ہمارے لیے گنجائش ہے کہ بقیہ
 حصہ کے بارے میں غور و تعمق سے کام لے کر استخراج معانی کریں اور سیاق و سباق سے آیات
 کے مفہوم کو متعین کریں، قرآن مجید میں جملہ دینی علوم موجود ہیں، بعض صراحت کے ساتھ اور
 بعض اجمالی طور پر اور بہت سے ایسے امور ہیں جو تفسیر بالماثور سے بالکل ماورا ہیں، اس لیے
 حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

من اراد علم الاولین جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اولین و آخرین کا
 والآخرین فلیتدبر القرآن علم حاصل کرے، اسے قرآن میں تدبر
 کرنا چاہیے۔

اور ظاہر ہے کہ تدبر قرآن صرف ظاہری الفاظ پر انحصار کرنے سے حاصل نہیں
 ہو سکتا، اس کے لیے اشارات و مقاصد کا سمجھنا بھی ضروری ہے (۱)۔

شیخ مہائمی کے نزدیک ایک مفسر کے لیے حقائق کی بصیرت لازمی ہے کیوں کہ غور و فکر
 اور تدبر کے بعد اس پر قرآنی مطالب واضح ہوتے ہیں، حضرت ابوالدرداءؓ کا قول ہے:

(۱) شیخ علی مہائمی، مقدمہ تفسیر۔

لا یفقه الفرجل حتی
یجعل القرآن وجوها
کوئی شخص فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس
کو قرآن مجید کے اعراب کی مختلف شکلوں
کا علم نہ حاصل ہو۔

اور آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے یہ دعا فرمائی:

اللهم فقهه فی الدین و
علمہ التاویل
اے خدا ابن عباس کو دین کی سمجھ اور
تاویل کا علم عطا کر۔

ظاہر ہے تاویل سے مراد قرآن مجید کی تفسیر اور اس کی غایت کو سمجھنا ہے، تفسیر بالرائے کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جو ہوا و ہوس پر مبنی ہو اور جس میں کھینچ تان کر معانی پہنائے گئے ہوں، اور شیخ مہائمی کے نزدیک ایسی تفسیر مذموم ہے، ان کے نزدیک تفسیر کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اپنی رائے کو ہدایت ربانی کے تابع کر دیا جائے، قرآن کے سلسلہ میں آنحضرتؐ سے جو کچھ مروی ہے اس پر اعتماد از بس ضروری ہے لیکن منقولات و مدلولات لغویہ کے پہلو بہ پہلو عقل و فہم کو بھی کام میں لانا چاہیے، تاکہ قرآن کے دور رس، گہرے اور وسیع معانی کا استخراج کیا جاسکے، شاید یہی حقیقت ہے جس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان مبارک سے روایت میں بیان کیا گیا ہے:

ان للقرآن ظاہرا و باطنا
وحدًا و مطالعا
قرآن کے ظاہری معنی بھی ہیں اور باطنی
نکتے بھی، حلال و حرام کے مسائل بھی ہیں
اور وعدہ و وعید بھی۔

اور قرآن کے باطنی معانی تک نکتہ شناس نہی اپنی بصیرت کی روشنی میں پہنچ سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ بصیرت نور الہی سے مستنیر ہو (۱)۔

چنانچہ اسی اصول کی روشنی میں شیخ مہائمی نے اپنی تفسیر کا آغاز مندرجہ ذیل جملوں سے کیا ہے:

”اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے اہل خرد کے

(۱) شیخ علی مہائمی، مقدمہ تفسیر۔

دلوں کو اپنے کلام سے منور کیا تا کہ وہ اس کی روشنی میں اپنی عقل سے کام لے کر صحیح راستہ یابکیں۔

شیخ مہائگی عقل کو بصر اور شریعت کو نور سے تعبیر کرتے ہیں (۱) اور ایک مقام پر عقل کی اصلیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”عقل اگر بعض معاملات کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو بعض مواقع

پر حقائق تک پہنچنے میں حجاب اور رکاوٹ بھی بن جاتی ہے“ (۲)۔

احادیث و آثار سے استشہاد | عقل و رائے کے ساتھ شیخ مہائگی احادیث رسول ﷺ اور آثار صحابہ

و تابعین سے بھی استشہاد کرتے ہیں، چنانچہ وہ سورہ بقرہ کی آیت

حافظوا علی الصلوات
والصلوة الوسطی (بقرہ: ۲۳۸) نماز سے

کی تفسیر میں احادیث کے حوالے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عصر یا فجر ہے (۳)

اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت

افن مات او قتل لانقلبتم
علی اعقابکم (آل عمران: ۱۴۴) اٹھنے پاؤں۔

کی تشریح بھی احادیث سے کرتے ہیں (۴)۔

بعض مقامات پر وہ آیتوں کا شان نزول بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً سورہ احزاب کی آیت:

وماکان لمومن ولا مومنة اذا
قضى الله ورسوله امران
يكون لهم الخيرة (احزاب: ۳۶) کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا۔

کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ زینب بنت جحش کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۵)۔

اور سورہ اللیل کی آخری آیت

(۱) شیخ علی مہائگی، تفسیر، ج ۱ ص ۲۵ (۲) ایضاً، ج ۲ ص ۴۰۲ (۳) ایضاً، ج ۱ ص ۸۶ (۴) ایضاً، ج ۱ ص ۱۲

(۵) ایضاً ج ۲ ص ۱۵۹۔

ولسوف یرضی (اللیل: ۲۱) اور آگے وہ راضی ہوگا۔

کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں نازل ہوئی (۱)۔

حقوق کی ادائیگی کی تاکید | شیخ مہائمی اپنی تفسیر میں جگہ جگہ حقوق اللہ و حقوق العباد کی اہمیت کو مختلف انداز میں واضح کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو ان گنت احسانات فرمائے ہیں وہ اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم اس کی عبادت کریں، کیوں کہ انسان کی تخلیق عبادت الہی اور معرفت ہی کے لیے کی گئی ہے، اسی طرح باہمی معاملات میں انصاف کرنا اللہ کا حکم ہے جس کے بجالانے پر اجر و ثواب مترتب ہوگا“ (۲)۔

وہ اس کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے، چنانچہ وہ بڑے موثر اور دل نشیں انداز میں قاری کو یہ بتاتے ہیں کہ شرک جلی و خفی اور ان دونوں تک لے جانے والی تمام چیزوں سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے، کیوں کہ اللہ کا حق اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے، اسی کے ساتھ بندوں کے حقوق بھی ادا کیے جائیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے، مخلوق میں والدین اور اقارب کے حقوق سرفہرست ہیں، شیخ مہائمی ان حقوق کی ادائیگی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور اکرمؐ کا یہ ارشاد گرامی بھی نقل کرتے ہیں:

من لم یشکر الناس، لم یحکمہ اللہ
جو اپنے اقارب کا حق بہ طور اعتراف خدمت ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

شیخ مہائمی اقارب سے حسن سلوک کا فائدہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حسن سلوک صلہ رحمی ہے جو اللہ سے وصال کا ذریعہ ہے اور قطع رحمی اللہ سے انقطاع کا سبب بن سکتا ہے (۳)۔
اخلاق حسنہ کی تلقین | شیخ مہائمی ایک متدین اور متقی صوفی تھے، وہ اپنی تفسیر میں تقویٰ اور اخلاق حسنہ کے حصول پر خاص زور دیتے ہیں اور شہوات نفسانی سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ آئینہ دل ملکوتی صفات حاصل کر کے ہی صاف و شفاف رہ سکتا ہے اور یہ ملکوتی

(۱) شیخ مہائمی تفسیر، ج ۲، ص ۴۰۵ (۲) ایضاً، ج ۱، ص ۲۲-۲۵ (۳) ایضاً، ص ۱۲۹

صفات مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں، عبادت و ریاضت سے دل کی تمام بیماریاں دور ہوتی ہیں اور اسی کی بدولت قلب مشاہدہ حق سے منور، زبان ذکر الہی سے مشرف اور اعضا خدمت انسانی سے مزین ہوتے ہیں (۱)۔

وہ تکبر اور غرور کو سارے رذائل کی اساس قرار دیتے ہیں کیوں کہ اسی بنا پر ابلیس مردود ہوا اور تمام فضائل کی اصل اسلام و انقیاد ہے (۲)۔

شیخ مہائمی حرص و طمع اور مال و زراندوزی کے عواقب بد سے بھی آگاہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قناعت عظیم دولت ہے، وہ سورہ نحل کی آیت:

من عمل صالحا من ذکروا انثی
وہو مومن فلنحییہ حیوۃ
طیبۃ (نحل: ۹۷)
جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ
ایمان پر ہے تو اس کو ہم زندگی دیں گے، ایک
اچھی زندگی۔

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”عمل نیک کا حامل شخص دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں مال دار

دنیا دار کے مقابلہ میں زیادہ اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرتا ہے“ (۳)۔

حکما و متکلمین کے اقوال سے استناد

شیخ مہائمی کو فلسفہ سے خاص تعلق تھا، چنانچہ وہ تفسیر میں بعض مقامات پر اپنے نقطہ نظر کی توثیق کے لیے حکما و متکلمین کے اقوال بھی پیش کرتے

ہیں، جس کی بنا پر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اس تفسیر پر کبیدگی کا اظہار کیا ہے (۴)، مگر ایسا محض بعض مواقع پر ہوا ہے اور انہوں نے حکما کے وہی اقوال نقل کیے ہیں جن کی تائید نصوص سے بھی ہوتی ہے۔

فقہی مسلک

شیخ مہائمی کو فقہ میں دست رس حاصل تھی، چنانچہ فقیہ ان کے نام کا جز تھا،

البتہ وہ قاری کو فقہی تفصیلات میں الجھاتے نہیں ہیں، ان کے طریقہ تفسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس مسلک کی جوہات ان کو قرآن و سنت سے زیادہ قریب نظر آتی تھی، اس کو وہ اختیار کر لیتے تھے،

(۱) شیخ مہائمی، تفسیر، ج ۱، ص ۳۵ (۲) ایضاً، ج ۲، ص ۱۰۳ (۳) ایضاً، ص ۱۸ (۴) شیخ احمد سرہندی، مکتوبات۔

تاہم تفسیر کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فقہ شافعی کی طرف ان کا میلان زیادہ تھا، مگر رجحان تقلید کی حد تک نہ تھا، سورہ مائدہ میں وارد کفارہ قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”امام شافعیؒ نے کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے غلام کے ساتھ ایمان کی قید بھی لگائی ہے“ (۱)۔

اسی طرح امام شافعیؒ وضو میں نیت کو ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ بھی اس خیال کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بغیر نیت کے وضو نماز کی کنجی نہیں بن سکتا“ (۲)۔

مسئلہ قراء (۳) میں وہ بھی امام شافعیؒ کے تتبع میں قراء کے معنی طہر کے لیتے ہیں (۴)۔

فن قرأت سے واقفیت | شیخ مہانگی مختلف امصار و علاقوں کی قرأت سے بھی بہ خوبی واقف تھے مگر وہ ان کی تفصیلات نہیں بیان کرتے، سورہ فاتحہ میں ”مالک يوم الدين“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”عامم نے اسے الف سے اور باقی قراء نے بغیر الف کے پڑھا ہے“ (۵)۔

علمائے نحو کے اقوال سے استدلال | شیخ مہانگی مختلف مقامات پر ائمہ نحو مثلاً سیبویہ، اخفش اور زجاج وغیرہ کے اقوال نقل کرتے ہیں، چنانچہ آیت وضو (۶) میں ارجلکم کو وہ نافع، حفص اور کسائی کے مسلک پر نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں (۷)۔

سورہ احزاب کی آیت

من یات منکن بفاحشة مبینة

جو کوئی کر لائے تم میں کام بے حیائی کا

(احزاب: ۳۰)

ضریح۔

کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اگر اسے (مبینہ کی ہاکو) نصب کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا

مطلب ہوگا کہ یہ ایسی برائی ہے جس کی شاعت عقل نے واضح کر دی ہے اور

(۱) شیخ علی مہانگی، تفسیر، ج ۱، ص ۱۹۹۔ (۲) ایضاً ج ۱، ص ۱۸۰ (۳) سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۸ (۴) شیخ علی

مہانگی، ج ۱، ص ۸۲ (۵) ایضاً، ص ۲۲ (۶) سورۃ المائدہ، آیت ۶ (۷) شیخ علی مہانگی، ج ۱، ص ۱۸۰

اگر بالکسر پڑھا جائے تو اس سے مراد ایسی برائی ہوگی جس کے برا ہونے میں کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا قبیح ہونا ظاہر و باہر ہے“ (۱)۔

قصص قرآنی کا ذکر | قرآن مجید میں مذکور قصص و واقعات کا ذکر بھی شیخ مہائمی نے کیا ہے مگر وہ ان کی غیر ضروری تفصیل میں نہیں جاتے اور اسرائیلیات سے مکمل اجتناب کرتے ہیں، آیت ہل اتاک نبوء الخصم (ص: ۲۱) اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی۔ کی تفسیر میں مفسرین نے روایتوں کا انبار لگا دیا ہے لیکن انہوں نے صرف آیت کے متبادر مفہوم ہی پر اکتفا کیا ہے (۲)، اسی طرح جمہور مفسرین نے اصحاب کہف کی تعداد اور ان کے کتے کی شکل و شباهت وغیرہ کی غیر ضروری تفصیلات بیان کی ہیں مگر شیخ مہائمی نے اس قسم کی تفصیلات کو رجما بالغیب قرار دیا ہے (۳) تاہم بعض مقامات پر انہوں نے بھی طوالت سے کام لیا ہے، چنانچہ ملکہ سبا کے قصہ میں

اذ هب بکتابی هذا (نمل: ۲۸) لے جا میرا یہ خط۔

کی تشریح میں وہ باتیں لکھ دی ہیں جن کا نفس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے (۴) مگر ایسا بہت کم ہوا ہے، اسی طرح انہوں نے آیت

امسک علیک زوجک (احزاب: ۳۷) رہنے دے اپنے پاس اپنی جو روکو۔

کی تشریح جمہور مفسرین کے برعکس کی ہے (۵)۔

ایجاز بیان | تفسیر مہائمی کی ایک نمایاں خصوصیت ایجاز و اجمال ہے، وہ مختصر جملوں میں اور اشارات کے ذریعہ آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں، صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر انہوں نے بہت تفصیل سے لکھی ہے، اس سورہ کی اہمیت اور فضیلت کے بیان کے بعد اس کے مختلف اسما سورۃ الحمد، فاتحۃ الكتاب، سورۃ الشکر، سورۃ الممتہ، المثانی، سورۃ الکنز، سورۃ المناجات، سورۃ التفویض، ام الكتاب، سورۃ الوافیۃ، سورۃ الشفا وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی وجوہ تسمیہ بیان کی ہے، اس سورہ میں الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت، عبادت، استعانت اور صراط مستقیم کی

(۱) شیخ علی مہائمی، ج ۲، ص ۱۵۸ (۲) ایضاً، ج ۲، ص ۲۰۳ (۳) ایضاً، ج ۱، ص ۴۴۴ (۴) ایضاً، ج ۲،

ص ۱۰۳ (۵) ایضاً، ج ۲، ص ۵۹۔

توضیح بڑی دقت نظر سے کی ہے، ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ کی تفسیر میں انہوں نے علامہ قاضی بیضاوی سے اختلاف کیا ہے، لکھتے ہیں:

”امام بیضاوی نے مغضوب سے عاصی اور ضالین سے جاہلین باللہ مراد لیا ہے لیکن میرے خیال میں مغضوب سے معاند اور ضالین سے کفر میں مبتلا لوگ مراد ہیں“ (۱)۔

تفسیر مہائمی کے مطالعہ کے دوران دوسری تفاسیر کے مقابلہ میں اس میں چند باتیں خاص طور پر نمایاں اور منفرد نظر آتی ہیں۔

سورتوں کا تعارف | اس تفسیر میں ہر سورہ سے پہلے اس کے مضمون کا مختصر تعارف درج کیا گیا ہے، اگر کوئی متعین واقعہ یا کسی خاص پیغمبر کا ذکر اس میں موجود ہے تو اس کی مختصر تاریخ بھی دہرا دی گئی ہے، چنانچہ وہ سورہ آل عمران کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس سورہ کی زیادہ آیتیں آل عمران (عیسیٰ علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام)

اور ان کی والدہ) کے اصطفاء و برگزیدگی پر مشتمل ہیں اور اس کو حضور ﷺ کے اللہ کے

ہر محبت و محبوب کے مقتدا بنائے جانے کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے“ (۲)

شیخ مہائمی لکھتے ہیں کہ اس سورہ کا ایک نام ”الزہرا“ بھی ہے کیوں کہ اس میں حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے پورے معاملہ کی وضاحت کر دی گئی ہے اور اس کا ایک نام ”امان“ بھی ہے اور

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس سورہ کو مضبوطی سے تھامے رہے گا، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

معاملہ میں غلطی سے مامون رہے گا اور ایک نام ”کنز“ بھی ہے کیوں کہ یہ سورہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے اسرار و رموز پر مشتمل ہے، شیخ مہائمی لکھتے ہیں کہ اس سورہ کا نام ”مجادلہ“ بھی ہے کیوں

کہ اس سورہ کی ۸۰ سے زیادہ آیتیں نصاریٰ نجران سے حضور اکرم ﷺ کے مجادلہ سے متعلق ہیں اور

اس کو سورۃ الاستغفار بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں آیت ”والمستغفرین بالاسحار“ ہے

اور ”طیبہ“ بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں آیت ”والصابرین والصادقین“ میں طیبین

کا ذکر ہے (۳)۔

سورہ برآۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس سورہ کو برأت اس لیے کہتے ہیں کہ اس لفظ سے

(۱) شیخ مہائمی، ج ۱، ص ۳۰ (۲) ایضاً، ج ۱، ص ۱۰۹ (۳) ایضاً۔

یہ سورہ شروع ہوتی ہے اور اس کے اکثر مندرجات برأت ہی سے متعلق ہیں اور اس سورہ کا نام ”توبہ“ بھی ہے، اس لیے کہ اس میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے، مثلاً:

فان تبتم فهو خير لكم (توبہ: ۳) سوا اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔

فان تابوا واقاموا الصلوة (توبہ: ۵) پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز۔

ثم يتوب الله من بعد ذلك پھر توبہ نصیب کرے گا اس کے بعد جس کو

على من يشاء (توبہ: ۲۷) چاہے۔

فان يتوبوا يك خير لهم (توبہ: ۷۴) سوا اگر توبہ کر لیں تو بھلا ہے ان کے حق میں۔

عسى الله ان يتوب عليهم (توبہ: ۱۰۲) قریب ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو۔

الم يعلموا ان الله هو يقبل کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے

التوبه (توبہ: ۱۰۴) توبہ۔

التائبون العابدون (توبہ: ۱۱۲) وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے ہیں۔

سورہ توبہ کے مذکورہ بالا دو مشہور اسما کے علاوہ اور بھی چند نام ہیں، مثلاً الممشقشہ یعنی نفاق سے بری کرنے والی، المبعثرہ یعنی احوال و اخبار کی چھان بین کرنے والی، المميرة حالات کی وضاحت کرنے والی، المدممۃ ہلاک کرنے والی، المشرده تیرازہ منتشر کرنے والی وغیرہ، کیوں کہ اس طرح کے مضامین اس میں بار بار آئے ہیں۔

شیخ مہائی لکھتے ہیں کہ اس سورہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم درج نہیں ہے، کیوں کہ اس میں رحمت کا لفظ ہے جو امان کو مستلزم ہے اور امان جنگ و عہد شکنی کے منافی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک تشریف لے گئے اور منافقین نے یہ افواہ پھیلایا کہ مشرکین نے عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی قوم کو ان سے تعلقات منقطع کر لینے کا حکم دیں اور فرمایا ”برأۃ یعنی یہ اس تعلق کا خاتمہ ہے جو تمہارا مشرکین کے ساتھ تھا اور اس تحفظ کا اختتام ہے جو تمہاری جانب سے ان کو حاصل تھا“ (۱)۔

سورہ کہف کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا نام یہ اس لیے پڑا کہ اس میں اصحاب کہف کا

(۱) شیخ مہائی تفسیر، ج ۱، ص ۱۰۱۔

تذکرہ ہے اور یہ قصہ ایمان باللہ کے فوائد یعنی دشمنوں سے حفاظت، اشیاء سے بے نیازی اور عجیب کرامتوں کا جامع ہے اور یہ قرآن کریم کے اہم مقاصد میں شامل ہے (۱)۔

سورہ لقمان کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں حضرت لقمان کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حکمت کی فضیلت، اللہ تعالیٰ کی معرفت، شرک کی مذمت، اخلاق حسنہ کی تلقین اور رذائل سے ممانعت پر مشتمل ہے اور یہ بھی قرآن کے مقاصد کا جز ہے (۲)۔

سورہ الصافات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں ایسی آیتیں ہیں جن میں ملائکہ کی بعض صفتیں بیان ہوئی ہیں اور خود جن سے ان کے الہ ہونے کی نفی ہوتی ہے تو ملائکہ سے کم تر درجہ کی چیزیں کیسے الہ بن سکتی ہیں، چنانچہ اس سورہ میں توحید کا اثبات ہے اور یہ قرآن کے عظیم ترین مقاصد میں ہے (۳)۔

سورۃ النصر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس سورہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نصرت الہی کے ذریعہ مذہب اسلام کو سارے مذاہب پر غلبہ حاصل ہوا ہے اور یہ بھی عظیم مقصد ہے، اس کو سورۃ التودیع بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ اس میں استغفار کے حکم سے قرب وفات کا پتہ چلتا ہے (۴)۔

ہر سورہ کے آغاز میں
بسم اللہ کی نئی تشریح

شیخ مہامی کی تفسیر میں دوسری تفسیروں کے مقابلہ میں حیرت انگیز بات یہ پائی جاتی ہے کہ اس میں ہر سورہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تشریح سورہ کے مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے نئے اور انوکھے طریقہ سے کی گئی ہے، چنانچہ وہ سورہ فاتحہ میں بسم اللہ کی جو تشریح کرتے ہیں وہ سورہ بقرہ کی تشریح سے علاحدہ ہوتی ہے جس سے زبان و بیان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، ذیل میں چند سورتوں کے حوالے بہ طور مثال پیش کیے جاتے ہیں، سورۃ البقرہ میں لکھتے:

”اس (اللہ کے نام سے) جو اپنی ذات و صفات کے ساتھ اپنی کتاب میں جلوہ گر ہے اور یہ کتاب اس کے کمالات کے ذکر پر مشتمل ہے، (رحمن ہے) اس کتاب کو اعجاز بخشنے اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک رکھنے کی وجہ سے (رحیم ہے)

(۱) شیخ علی مہامی تفسیر، ج ۱، ص ۳۳۹ (۲) ایضاً، ج ۲، ص ۱۴۳ (۳) ایضاً، ص ۱۹۱ (۴) ایضاً، ص ۴۱۶

اس کتاب کو متقین کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنا کر“ (۱)۔
سورۃ المائدہ میں لکھتے ہیں:

” (اللہ کے نام سے) جس نے برہنئے اقتضاء اسماء و صفات اپنے احکام میں نرمی اور سختی دونوں رکھی ہے، (رحمن) ہے ان احکام کو دنیا و آخرت میں بندوں کے مصالح کا دار و مدار بنا کر، (رحیم) ہے ان احکام کو اپنی محبت کا رشتہ استوار کرنے والا بنا کر جو خدا اور بندے کے ایمانی تعلق سے عبارت ہے“ (۲)۔
سورہ طہ میں لکھتے ہیں:

” (اللہ کے نام سے) جو اپنے کمالات کے ساتھ اپنے نبی اور اپنی کتاب میں جلوہ گر ہے، (جو رحمن ہے) اس کتاب کو نبی پر نازل فرما کر، (جو رحیم ہے) ان لوگوں کو خوش نصیب قرار دے کر جو اس کی اتباع کریں“ (۳)۔
سورۃ العنکبوت میں لکھتے ہیں:

” (اللہ کے نام سے) جو لطف و قہر کے ساتھ جلوہ گر ہے، (جو رحمن ہے) ایمان کی توفیق عطا فرما کر، (جو رحیم ہے) مخلص اہل ایمان اور منافق کے درمیان امتیاز کر کے“ (۴)۔
سورہ یسین میں لکھتے ہیں:

” (اللہ کے نام سے) جو اپنے کمالات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ میں جلوہ گر ہے، (جو رحمان ہے) آپ ﷺ کو عالم کے لیے رحمت بنا کر، (رحیم) ہے آپ ﷺ کو صراط مستقیم عطا فرما کر جس پر گامزن ہو کر آپ ﷺ سے پہلے کوئی درجہ کمال کو نہیں پہنچا“ (۵)۔
سورۃ الشمس میں رقم طراز ہیں:

” (اللہ کے نام سے) جو اپنے کمالات کے ساتھ آفتاب میں جلوہ گر ہے،

(۱) شیخ علی مہائمی تفسیر، ج ۱، ص ۳۲ (۲) ایضاً، ص ۷۷ (۳) ایضاً، ج ۲، ص ۱۴ (۴) ایضاً، ص ۱۲۵ (۵) ایضاً، ج ۲، ص ۱۸۲۔

(رحمان ہے) آفاق میں روشن ہو کر، (رحیم ہے) روح انسانی میں منور ہو کر (۱)۔

حروف مقطعات کی توجیہ | علما کے نزدیک حروف مقطعات متشابہات کے قبیل سے ہیں اور

یہ ایسے اسرار ہیں جن کا حقیقی علم محض اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ یا صحابہ یا تابعین نے ان کی وضاحت نہیں فرمائی ہے، اس لیے عام طور پر مفسرین ان کے معانی بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن محققین کا کہنا ہے کہ یہ عربی زبان کا مخصوص اسلوب ہے جس سے قرآن کریم کے اولین مخاطب بہ خوبی واقف تھے، چنانچہ قدیم عرب شعرا کے یہاں بھی اس طرز کا وجود ملتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس دور کے مخالفین جو ہمہ وقت قرآن پر معترض ہوا کرتے تھے، انہوں نے بھی ان حروف کی غرابت کی کوئی بات نہیں کہی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس اسلوب کے عادی تھے، چنانچہ عہد سلف کے بعض علمائے راخنین نے ان حروف کے معانی بیان کیے ہیں اور اس بارے میں ان کے مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں:

۱- یہ حروف بہ طور قسم کے وارد ہوئے ہیں، ۲- اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء ہیں، ۳- تنبیہ کے لیے ان کا استعمال ہوا ہے، ۴- ان حروف سے حروف تہجی کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ۵- ان کا استعمال تعجب کے لیے ہوا ہے، ۶- نبوت کی علامت ہیں، ۷- ابجد کے قاعدے کے مطابق حسابی اعداد ہیں اور ان کے ذریعہ واقعات عالم کے ازمہ کا تعین کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں۔

شیخ مہانگی اور بعض دیگر اصحاب علم ان حروف مقطعات کو مختلف متعین الفاظ کے مخففات قرار دیتے ہیں، ان کے خیال میں متعین لفظ کے بجائے ان کا ایک ایک حرف استعمال کیا گیا ہے اور یہ طریقہ ہر زبان میں مروج ہے، چنانچہ انہوں نے قرآن مجید کے تمام حروف مقطعات کی موقع و محل کی مناسبت سے توجیہ کی ہے اور ہر حرف سے اندازہ کر کے ایک لفظ متعین کر لیا ہے اور اس کی تشریح کی ہے۔

شیخ مہانگی نے حروف مقطعات کی جو توجیہات بیان کی ہیں ان کی بعض مثالیں درج کی جاتی ہیں:

(۱) شیخ علی مہانگی تفسیر، ج ۲، ص ۴۰۳۔

طہ، یعنی اے نقایص اور اسباب شقاوت سے مبرا اور کمالات و اسباب سعادت کی راہ بتانے والے یا اے بلند ہمت یا اے جو یا اے حق اور ماسوا اللہ سے فرار اختیار کرنے والے یا اسی قسم کی عبارت جو اس مفہوم پر مشتمل ہو (۱)۔

سورۃ الروم میں ”الم“ کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یعنی میں اللہ ہوں جس کا علم محیط ہے یا جس کا لطف و کرم بے پایاں ہے یا وہ رب جس کا کرم آزمایشوں کے ساتھ ملا جلا ہے یا وہ جس کا لطف انجام کے اعتبار سے معتبر ہے وغیرہ (۲)۔“

سورہ ص میں ”ص“ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

”اس میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے صدق کی قسم کھائی ہے جس کا اعتراف اہل مکہ کو بھی دعوائے نبوت کے علاوہ تمام باتوں میں تھا، اہل کتاب تو غیب کی خبروں میں بھی آپ ﷺ کو صادق مانتے تھے، چنانچہ اس کے ذریعہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جب آپ ﷺ ہر معاملہ میں صادق تھے تو دعویٰ نبوت میں بھی ان کو صادق تسلیم کرنا چاہیے، یا اللہ نے قسم کھائی ہے آپ ﷺ کے رذائل و قبائح سے اجتناب کی جس میں کذب سے آپ کا مبرا ہونا بھی شامل ہے یا قسم کھائی ہے آپ کے مدارج کمالات کی جس سے آپ کی رفعت و بلندی کا اندازہ ہوتا ہے یا قسم کھائی ہے آپ کے صبر کامل کی جو رسالت کا خاصہ ہے۔“ (۳)

رابط آیات قرآن مجید کی تفسیر میں ماقبل و مابعد آیتوں میں ربط پیدا کرنا اور ان سب کا باہم دگر تعلق دکھانا بڑا مشکل امر ہے اور گہری بصیرت کا متقاضی ہے، شیخ مہانگی نے اس کام کو عمدہ طریقہ پر انجام دیا ہے اور پوری سورہ کا مضمون ایک دوسرے کے ساتھ منسلک دکھایا ہے، ذیل میں ان کی تفسیر سے سورۃ الضحیٰ کی تفسیر پیش کی جاتی ہے جس سے ان کے کمال کا اندازہ ہوگا، وہ لکھتے ہیں:

”اس سورہ کا نام ضحیٰ (چاشت) اس لیے رکھا گیا کہ فترۃ الوحی (وقفہ)

(۱) شیخ علی مہانگی، ج ۲، ص ۱۳ (۲) ایضاً، ص ۱۳۵ (۳) ایضاً، ص ۲۰۰۔

کے بعد وحی کے دوبارہ آنے کی دلیل ہو سکے اور یہی اس سورہ کی غایت اور مقصود ہے، (اللہ کے نام سے) جو اپنے مختلف ناموں کے ذریعہ سورج چڑھتے وقت اور رات میں اپنی تجلی کا ظہور کرتا ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء پر کبھی وحی کا نزول ہوتا ہے اور کبھی اس کا سلسلہ رک جاتا ہے اور یہ نظام کائنات کی ہر چیز میں کارفرما ہے، (بڑا مہربان ہے) اس لحاظ سے کہ حضرات انبیاء پر بشریت کا غلبہ ہوتا ہے تو اللہ ان سے ناراض نہیں ہوتا اور نہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، (بڑا رحم دل ہے) اپنے نور حق کو دوبارہ غالب کر کے یعنی دوبارہ ان پر وحی کا نزول کرتا ہے، (قسم ہے چاشت کے وقت کی) یعنی جب سورج بلند ہوتا ہے، گویا یہ مثال ہے روح محمدی پر نور الہی کے اشراق کی، (اور قسم ہے رات کی) جو دراصل آپ ﷺ کی بشریت سے مشابہت رکھتی ہے، (آپ ﷺ کو پروردگار نے خیر باد نہیں کہا) یعنی اس طرح آپ ﷺ کو رخصت نہیں فرمایا کہ پھر طویل مدت تک آپ ﷺ کو اپنے فیضان سے محروم رکھے (آپ ﷺ کا پروردگار آپ ﷺ سے ناراض نہیں ہوا) یعنی چند روز وحی کے رک جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا اپنے نبی سے ناراض ہو گیا جیسا کہ مشرکین آپ ﷺ کے بارے میں گمان رکھتے ہیں، وحی کی چند روزہ رکاوٹ ناراضگی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے روحانی ارتقا کے باعث ہوئی ہے، (آپ ﷺ کا پروردگار دنیا سے بڑھ کر آخرت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا) جہاں آپ ﷺ پر نہ بشری کم زوریوں کا غلبہ ہوگا اور نہ دولت کے فقدان کا احساس بلکہ نورانیت کا فیضان ہوگا، (آپ ﷺ اس دولت گراں مایہ سے راضی ہو جائیں گے) یعنی آپ ﷺ کو مقام شفاعت حاصل ہوگا..... اگر آپ ﷺ کو خیر کے اس معاملہ میں کچھ شک ہے تو اپنی ابتدائی زندگی پر غور کیجیے، (کیا آپ ﷺ کو یتیمی کی حالت میں نہیں پایا) یعنی بشریت کے اقتضا کی بنا پر بے سہارا پایا (تو آپ ﷺ کو ٹھکانا بخشا) اور (آپ ﷺ کو بشریت کی تاریکی میں بے قرار اور سرگرداں پایا) (تو

اپنے غلبہ نور سے ہدایت کی راہیں کھول دیں) یعنی خواص بشریت کے بعد الہی خواص آپ ﷺ کو بخش دئے (اور آپ ﷺ کو فقر و ناداری کی حالت میں پایا) فقر و محتاجی بشری خواص میں سے ہے (تو اپنے الہی خواص میں سے دولت غنا عطا فرمائی) اب آپ ﷺ بھی ان نعمتوں سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچائیں، چنانچہ جس طرح اللہ نے آپ ﷺ کو حالت یتیمی میں ٹھکانا دیا تو (آپ ﷺ بھی دوسرے یتیموں پر سختی نہ کریں اور نہ انہیں جھڑکیں) اور جس طرح پروردگار نے آپ ﷺ کو غنی و بے نیاز کر دیا تو (آپ ﷺ بھی سوال کرنے والوں سے شکستہ خاطر نہ ہوں) بلکہ حاجت مندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئیں، (سائل کو ڈانٹنے کا شیوہ نہ اپنائیں) بلکہ اس کی دل جوئی فرمائیں (اور نعمت ہدایت جو آپ ﷺ کو ملی ہے اس کو بیان کریں) سائل کا ذکر چونکہ یتیم کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا تھا، اس لیے اس کو ہدایت و رہنمائی سے پہلے ذکر کیا گیا ہے اور ہدایت کا ذکر آخر میں اس لیے ہوا ہے کہ اس کو تصرف مال میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ (۱)

مذکورہ بالا خصوصیات کی بنا پر تفسیر مہائمی ہر دور میں اہل علم طبقہ کا مرجع و ماخذ رہی ہے، چنانچہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس کے قرآنی نکات پر بحثیں کی اور اس کے اسرار و رموز بیان کیے ہیں، ہندوستانی مفسرین میں علامہ طاہر سندھی نے ”مجمع البحرین“ میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے ”فتح العزیز“ میں اور مولانا محمد عمر الحسنی نے اپنی تفسیر ”کشف القلوب“ میں ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”بیان القرآن“ میں اور مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ نے ”تفسیر واضح البیان“ میں اس کے حوالے دیے ہیں، عبداللہ یوسف علی نے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں اس کے قرآنی نکات درج کیے ہیں اور اس تفسیر سے استفادہ کا اعتراف کیا ہے، ان کے علاوہ حلقہ صوفیہ میں اور نظم قرآن کے شائقین میں اس تفسیر کی مقبولیت ہر دور میں رہی ہے۔



قاضی شہاب الدین دولت آبادی

نام و نسب اور خاندانی حالات | نام احمد، لقب شہاب الدین اور ملک العلماء ہے، والد بزرگوار کا نام عمر اور ان کا لقب شمس الدین تھا، تذکرہ کی بعض کتابوں میں ان کے والد کا نام شمس الدین اور جد امجد کا نام عمر بتایا گیا ہے (۱)۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے خاندان کا اصل وطن غزنہ تھا (۲) اور ان کی نسبت ”الزاوی“ (۳) سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اہل خاندان غزنہ کے قریب ”زابستان“ کے رہنے والے تھے، اس کے علاوہ ان کے خاندانی حالات کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔

ولادت | قاضی صاحب کے ابتدائی حالات پردہ خفا میں ہیں، ان کی تاریخ پیدائش کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے، اسی طرح ان کی جائے پیدائش بھی تذکرہ نگاروں کے درمیان متفق علیہ نہیں ہے، ابوالقاسم فرشتہ نے دولت آباد کن کو ان کا مولد بتایا ہے (۴) اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے دولت آباد دہلی لکھا ہے (۵)، ممکن ہے کہ دولت آباد کے نام سے دہلی میں کوئی محلہ اس زمانہ میں آباد رہا ہو اور اس قیاس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم و تربیت دہلی

(۱) آزاد، آثار الکرام، دفتر اول، مفید عام پریس، آگرہ، ۱۹۱۰ء، ص ۱۸۸، اور سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، ج ۱، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء، ص ۹۵، حاجی خلیفہ نے قاضی صاحب کا نام احمد اور ان کے والد کا نام عمر لکھا ہے، ملاحظہ ہو (حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ج ۲، استنبول، بدون تاریخ، ص ۱۳۷۵) معاصر تذکرہ نگاروں میں قاضی اطہر مبارک پوری نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے (قاضی اطہر مبارک پوری، دیار پورب میں علم اور علماء، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۳۱) (۲) ابوالقاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ج ۲، نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۳۲۱ھ، ۱۹۰۳ء، ص ۳۰۶ (۳) آزاد، آثار الکرام، مجلہ بالا، ص ۱۸۸ (۴) تاریخ فرشتہ، ج ۲، ۳۰۶ (۵) آزاد، آثار الکرام، ص ۱۸۸، اور عبیدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۲۰۔

میں ہوئی، بعض متاخرین تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق ان کی ولادت آٹھویں صدی کے وسط میں ہوئی تھی (۱) اور اس زمانہ میں دہلی کی مرکزیت دوبارہ قائم ہو چکی تھی۔

عظیم و تربیت | قاضی صاحب نے دہلی کے عظیم المرتبت عالم قاضی عبدالمقتدر شریعی کندی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، جنہوں نے مدۃ العمر دہلی میں درس و افادہ کا بازار گرم رکھا، وہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اور ان کے سلسلہ کے لوگوں سے زیادہ قریب تھے، اس لیے ان کے درس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ حصول علم کے ساتھ اتباع شریعت پر خاص زور دیتے تھے (۲)، قاضی عبدالمقتدر کی خدمت میں رہ کر قاضی صاحب نے علم و فضل میں نمایاں مقام حاصل کیا، ان کے علمی ذوق و انہماک اور قابلیت و استعداد کو دیکھ کر قاضی عبدالمقتدر نے ان کے بارے میں کہا کہ:

”پیش من طالب علمی آید کہ پوست او علم و مغز او علم و استخوان او علم است“ (۳)
(میری مجلس میں ایک ایسا طالب علم حاضر ہوتا ہے جس کی کھال، گوشت اور ہڈیاں سب علم ہی علم ہیں)

اس کے بعد قاضی صاحب نے دہلی کے مشہور عالم مولانا خواجگی کے حلقہ تلمذ میں شمولیت اختیار کی اور فقہ و اصول فقہ کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں اعلا لیاقت پیدا کی، آزاد بلگرامی کا بیان ہے کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اپنے تمام ساتھیوں میں فائق تھے (۴)۔

سفر کالپی | ۸۰۱ھ / ۱۳۹۸ء میں تیموری حملہ کے بعد دہلی کے علما و اتقیا وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی اپنے استاذ مولانا خواجگی کے ہمراہ دہلی سے کالپی پہنچے، پھر وہاں سے سلطان ابراہیم شرقی، والی سلطنت جون پور کی دعوت پر جون پور وارد ہوئے (۵)۔
قیام جون پور | دہلی اور اس کے گرد و نواح سے جو علما و صلحا ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، ان کی ایک بڑی تعداد شیراز ہند (جون پور) پہنچی اور انہوں نے اس شہر کو دارالعلم بنادیا، اس کی اصل

(۱) قاضی اطہر مبارک پوری، دیار پورب میں علم اور علما، ص ۱۳۴ (۲) عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخبار، ص ۳۲۱ (۳) ایضاً و آزاد، مآثر الکرام، ص ۱۸۸ (۴) آزاد، مآثر الکرام، ص ۱۸۸ (۵) ایضاً و سبحة المرجان، ج ۱، ص ۹۵ و رحمان علی، حوالہ سابق، ص ۸۸۔

وجہ یہ تھی کہ سلطان ابراہیم شرقی علم و فضل کا بڑا قدرداں اور علما و مشائخ کا گرویدہ تھا، اس کی علم پروری اور شاہانہ جود و سخا سے علما کو جون پور میں اطمینان اور سکون حاصل ہوا، فرشتہ کا بیان ہے:

”ہندوستان کے اطراف و اکناف سے لوگ فتنہ و فساد کی وجہ سے جون پور چلے آئے، یہاں ہر ایک کو اس کے مرتبہ و مقام کے مطابق اعزاز حاصل ہوا، علما، مشائخ و سادات غرض ہر طبقہ کے لوگ اس طور پر یہاں جمع ہو گئے تھے کہ جون پور کو دہلی ثانی کہا جانے لگا، لوگوں نے سلطان ابراہیم شرقی کی حکومت کے زیر سایہ اس طرح زندگی گزارنی شروع کی کہ شاہ و گدا سب مطمئن و مسرور تھے اور غم و اندوہ کا اس خطہ میں گزر نہ تھا (۱)۔“

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے جون پور پہنچنے کی تفصیل مولانا خیر الدین محمد جون پوری نے بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”سلطان ابراہیم شرقی کو جب قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے کاپی پہنچنے کی خبر ملی تو اس نے اہل علم و سفر کو ان کے پاس ہدایا و تحایف کے ہمراہ بھیجا اور ان کو جون پور آنے کی دعوت دی، چنانچہ قاضی صاحب اپنے استاذ مولانا خواجگی کے حکم کی تعمیل میں طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ جون پور وارد ہوئے، سلطان نے ان کا غیر معمولی اکرام کیا، ان کو ملک العلماء کے خطاب سے نوازا اور اپنی جامع مسجد کے پہلو میں ان کے لیے خاص مدرسہ اور شاہی طرز کے مکانات تعمیر کروائے“ (۲)۔

مذکورہ بالا بیان اور دوسرے ماخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان نے قاضی صاحب کے استاذ مولانا خواجگی کو جون پور آنے کی دعوت دی تھی جو اپنی علمی صلاحیت کی بنا پر کافی مشہور و متعارف تھے، مگر مولانا خواجگی نے کاپی ہی میں اقامت گزریں ہونا پسند کیا اور اپنے لایق شاگرد قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو جون پور روانہ فرمایا، چنانچہ سلطان نے قاضی صاحب کی آمد

(۱) فرشتہ، حوالہ سابق، ص ۳۰۶ (۲) خیر الدین محمد جون پوری، تذکرۃ العلماء، الطافی پریس، کلکتہ، ص ۱۳۔

کو ہی غنیمت سمجھا اور ان کا والہانہ استقبال کیا، ان کو جون پور کا قاضی القضاۃ مقرر کیا (۱) فرشتہ کا بیان ہے کہ سلطان ان کو خاص موقعوں پر اپنی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بٹھاتا تھا (۲)۔

ایک اشتباہ | تذکرۃ العلما میں ”مناقب الصدیقین“ کے حوالہ سے قاضی صاحب کے استاذ قاضی عبدالمقتدر شریکی کے جون پور آنے کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، جس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ انہوں نے یہ سفر اپنے عزیز شاگرد قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی دعوت پر کیا تھا اور وہ اس وقت وہاں مقیم تھے، اس موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور قاضی عبدالمقتدر ایک سال جون پور میں رہے (۳)۔

یہ روایت متعدد وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں ہے، اول تو قاضی عبدالمقتدر کا انتقال ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء میں دہلی میں ہوا اور اس مدت میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا قیام دہلی ہی میں تھا، دوسرے قاضی عبدالمقتدر کے انتقال کے کئی برس بعد سلطان ابراہیم سریرائے سلطنت ہوا۔

ہمارے خیال میں قاضی عبدالمقتدر شریکی کے بجائے قاضی شہاب الدین کے دوسرے استاد مولانا خواجگی کے بیان میں یہ واقعہ قرین قیاس ہو سکتا ہے، تاہم اس کی صراحت تذکرہ کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے، اس قیاس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جون پور میں قیام کے دوران قاضی صاحب مولانا خواجگی سے مراسلت کرتے رہتے تھے (۴) اور جون پور میں وہ جس محلہ میں اقامت گزیرے تھے، اس کا نام بھی ”محلہ خواجگی“ تھا جو ممکن ہے کہ اسی واقعہ کی یادگار کے طور پر رکھا گیا ہو۔

درس و تدریس | قاضی صاحب نے جون پور میں اپنی مسند درس آراستہ کی اور ان کے درس کو وہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ وہاں کی دوسری تمام درس گاہیں معطل ہو کر رہ گئیں (۵)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ قاضی صاحب کو جو شہرت حاصل ہوئی، وہ ان کے عہد کے اور کسی عالم کے حصہ میں نہیں آئی، جب کہ ان میں بیشتر لوگ ان کے ہم سبق اور بعض ان

(۱) ابوالبشارت نور الدین زیدی، تجلی نور، ج ۲، جادو پریس، جون پور، ۱۹۰۰ء، ص ۳۴ (۲) فرشتہ، ص

۳۰۶ (۳) خیر الدین، ص ۱۶ (۴) آزاد، مائثر الکرام، ص ۱۸۸ (۵) ایضاً وسیعۃ المرجان، ص ۶۶۔

کے اساتذہ تھے (۱) اسی کے ساتھ قاضی صاحب نے تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری رکھا (۲)۔
اصحاب سلوک | درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ قاضی صاحب کے تعلقات
سے ربط و تعلق | اہل علم صوفیہ سے بھی برابر استوار رہے، جن میں سرفہرست جہاں گیر
 اشرف سمنانی تھے، ان سے قاضی صاحب کی علمی مراسلت بھی ہوا کرتی تھی اور دونوں بزرگوں
 کے درمیان غایت درجہ محبت و احترام کا جذبہ کارفرما تھا (۳)۔

اتباع شریعت کا اہتمام | قاضی صاحب نہایت متبع سنت تھے، عہدہ قضا پر مامور ہونے
 کی وجہ سے وہ عام لوگوں کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے، شیخ رکن الدین جون پوری ان کے عہد
 کے ایک مشہور صوفی تھے، جن کے مریدین ان کو سجدہ تعظیمی کرتے تھے اور وہ ان کو اس حرکت
 سے منع نہیں کرتے تھے، قاضی صاحب کو جب اس کی اطلاع ملی تو ان کو اس سے باز رہنے کا
 سرکاری حکم نامہ جاری کیا (۴)، تجلی نور میں ہے کہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد شیخ عبدالملک
 عادل کو ان کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ وہ اپنے مریدوں کو اس حرکت سے منع کریں ورنہ خود
 ان کو شہر بدر کر دیا جائے گا (۵)۔

قاضی صاحب کی تعلیم و تربیت کا یہ فیضان تھا کہ ان کے تلامذہ بھی ان ہی کے نقش قدم
 پر چلتے تھے، کبیر جو اس دور میں وحدت ادیان کا علم بردار تھا، ایک مرتبہ جون پور آیا، قاضی صاحب
 کے شاگردوں کو اس کی اطلاع ہو گئی تو انہوں نے اس کو گھیر لیا، کسی طرح شیخ رکن الدین نے اس
 کو اپنی پناہ میں لے کر ان سے بچا کر جون پور سے روانہ کیا (۶)۔

شعرو شاعری | قاضی صاحب کو شعر و شاعری سے بھی شغف تھا، غلام سرور لاہوری کے
 بیان کے مطابق وہ اس فن میں مکمل دست گاہ رکھتے تھے (۷)، ان کا ایک قطعہ جو انہوں نے
 بادشاہ کو ایک کنیز کی طلب گاری میں لکھا تھا بہت مشہور ہوا:

اِس نفسِ خاکسار کہ آتشِ سزاے اوست برباد گشتِ لایق بے آبِ کردنِ اوست

- (۱) شیخ عبدالحق محدث، ص ۱۶۹ (۲) رحمان علی، ص ۸۸ (۳) شیخ عبدالحق محدث، ص ۱۵۶ اور رحمان علی،
 ص ۲۳ (۴) مولانا عبدالحق، نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۷۳ (۵) ابوالبشارت، حوالہ سابق، ج ۱، ص ۳۳
 (۶) مولانا عبدالحق، مجولہ بالا (۷) غلام سرور، حوالہ سابق، ج ۱، ص ۳۳۔

یک کس خیال فرست کہ پا بر سرم نہد ریزد ہمہ منی و تکبر کہ در من است صاحب تذکرہ العلما کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے یہ قطعہ سلطان ابراہیم شرقی کو لکھ کر بھیجا تھا اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ وہ مجرد تھے اور سلطان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ متاہلانہ زندگی بسر کریں مگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے، بعد میں ان کو ضرورت بشری کا احساس ہوا اور ان کی یکسوئی میں خلل واقع ہونے لگا تو انہوں نے یہ قطعہ لکھ کر سلطان سے ایک کنیز کی درخواست کی، سلطان اس سے بہت خوش ہوا اور ایک خوب رو کنیز خانہ داری کے لوازم سمیت ان کی خدمت میں بھیجی (۱)۔

سلطان ابراہیم شرقی کی قدردانی | سلطان ابراہیم شرقی کو قاضی صاحب سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی جس کا ذکر تمام تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، قاضی صاحب سے اس کی محبت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ قاضی صاحب بیمار ہوئے تو سلطان خود ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوا، فرشتہ کا بیان ہے کہ اس موقع پر سلطان نے پانی کا ایک پیالہ منگوا یا اور اس کو قاضی صاحب کے اوپر گھمایا اور یہ کہتے ہوئے پیالہ کا پانی پی گیا کہ:

”بارخدا یا ہر بلائے کہ در راہ او باشد نصیب من گرداں و اور اشفا بخش“۔ (۲)

(خدا یا قاضی صاحب پر جو بھی مصیبت مقدر ہو اس کو میرے حصہ میں ڈال دیجیے

اور انہیں شفا یاب فرما دیجیے)

سلطان کے دربار میں قاضی صاحب کی غیر معمولی قدر و منزلت کی بنا پر ان کے حاسدین بھی پیدا ہو گئے تھے، جس کی شکایت انہوں نے اپنے استاذ مولانا خواجگی کو لکھ بھیجی، اس کے جواب میں مولانا خواجگی نے شیخ سعدی کے دو شعر ان کو لکھے اور اطمینان دلایا۔

ازواج و اولاد | قاضی صاحب کے ازواج و اولاد کے ذکر سے بھی تذکرہ کی کتابیں خاموش

ہیں، مولانا خیر الدین جون پوری کے بیان کے مطابق وہ مجرد ہے (۳)، مولانا رحمان علی کا کہنا ہے کہ انہوں نے شادی کی تھی اور ان کے ایک دختر تھیں جو شیخ نصیر الدین بن نظام الدین سے منسوب تھیں اور ان کے بطن سے ان کے تین فرزند شیخ صفی الدین رودولوی، شیخ فخر الدین اور

(۱) خیر الدین، ص ۱۳ (۲) فرشتہ، ص ۳۰۶ (۳) خیر الدین، ص ۱۳۔

شیخ رضی الدین پیدا ہوئے (۱) اور ان تینوں نے اپنے نانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے تعلیم حاصل کی (۲)۔

ہمارے خیال میں ان تینوں بھائیوں کا قاضی صاحب سے خاندانی رشتہ محل نظر ہے بلکہ یہ تینوں بھائی دراصل قاضی صاحب کے شاگرد تھے، حاجی خلیفہ نے شیخ صفی الدین کی تصنیف ”غایۃ التحقیق“ کے تعارف میں ان کی ایک عبارت نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی صاحب سے ان کا تعلق محض شاگردی کا تھا، وہ عبارت یہ ہے:

انہ شرح ممزوج و هو من
تلامذۃ الہندی ذکرہ فیہ و
مدح حاشیۃ وقال ان شروح
الکافیہ لیست بوافیۃ الا
حواشی استاذنا شہاب
الدین احمد بن عمر الدولۃ
آبادی (۳)۔

یہ (کافیہ کی) ایک عمدہ شرح ہے، اس کے
مصنف قاضی شہاب الدین ہندی کے شاگرد
ہیں، اس میں مصنف نے اپنے استاذ کا ذکر کیا
ہے اور کافیہ پر ان کے حاشیہ کی تعریف میں
لکھا ہے کہ اس کی تمام شرحیں نوائے ہمارے
استاذ شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی
کے حاشیہ کے سب کی سب نامکمل ہیں۔

شیخ صفی الدین کے اس بیان میں قاضی صاحب سے ان کے کسی خاندانی تعلق کا اظہار نہیں کیا گیا ہے، پھر ان کا انتقال ۸۱۹ / ۱۴۱۶ میں قاضی صاحب کے ایام حیات ہی میں ہو گیا (۴) اور ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء میں ان کے فرزند شیخ ابوالکارم اسماعیل پیدا ہوئے (۵)، گویا اس تصریح کے مطابق محض چالیس برس کی عمر میں قاضی صاحب کے نواسے بھی صاحب اولاد ہو گئے جو بعید از قیاس ہے۔

وفات قاضی صاحب کی تاریخ وفات میں بھی تذکرہ نگار مختلف رائے ہیں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بیان کے مطابق ۸۴۸ھ / ۱۴۴۴ء میں ان کی وفات ہوئی (۶)،

(۱) رحمان علی، ص ۹۶ (۲) ایضاً اور مولانا عبدالحق، نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۵۷، ۹۳، ۱۲۱ (۳) حاجی خلیفہ، ج ۲، ص ۷۵ (۴) عبدالحق، نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۹۳، رحمان علی، محولہ بارہ (۵) عبدالحق، محولہ بالا، ص ۳۳ و رحمن علی، ص ۷۷ (۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۶۹۔

غلام سرور لاہوری (۱) اور مولوی خیر الدین نے بھی اسی کی تائید کی ہے (۲)، اس کے برخلاف غلام علی آزاد بلگرامی نے ان کی تاریخ وفات ۲۵ رجب ۸۴۹ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۴۴۵ء بتایا ہے (۳)، کشف الظنون (۴) تذکرہ علمائے ہند (۵) اور نزہۃ الخواطر میں بھی یہی تاریخ وفات مذکور ہے (۶)، اس بارے میں فرشتہ کا بیان تمام تذکرہ نگاروں سے علاحدہ ہے، وہ لکھتا ہے کہ:

”قاضی صاحب کو سلطان ابراہیم شرقی سے غایت درجہ محبت تھی،

۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء میں سلطان کی وفات کے بعد وہ اس قدر مغموم ہوئے کہ اسی سال وہ بھی انتقال کر گئے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سلطان کی وفات کے دو سال بعد ۸۴۲ھ / ۱۴۳۸ء میں ان کی وفات ہوئی۔“ (۷)

ہمارے خیال میں فرشتہ کا بیان سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے اور زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے، پھر خود اس کی مرتجہ روایت کے مطابق ۸۸۴ھ / ۱۴۴۰ء کو اس نے قاضی صاحب کا سن وفات بتایا ہے، اس سے بھی اس کا مندرجہ بالا بیان متناقض ہے۔ (۸)

تمام تذکرہ نگاروں کا متفقہ بیان ہے کہ جامع مسجد جون پور (اٹالہ) کے جنوبی سمت اپنے مدرسہ کے احاطہ میں دفن کیے گئے، مولانا رحمان علی نے مچھلی شہر سے غازی پور جاتے ہوئے اپنے ایک سفر میں ان کی قبر پر حاضری دی تھی (۹)، قاضی اطہر مبارک پوری کا بیان ہے کہ یہ مزار ایک کالج کے احاطہ کے دائرہ میں آگیا ہے اور قاضی صاحب کی قبر شکستہ تعویذ کی شکل میں اب بھی موجود ہے۔ (۱۰)

تصنیفات | قاضی صاحب نے گراں قدر کتابیں تصنیف کیں اور ان کی بعض تصانیف کو ان کی زندگی میں غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی (۱۱) اور یہ کتابیں عرب و عجم میں یکساں مقبول تھیں (۱۲)، قاضی صاحب کی جن کتابوں کا سراغ ملتا ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) غلام سرور، ص ۳۹۱ (۲) خیر الدین، ص ۱۵ (۳) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۱۸۹ و سبحة المرجان، ج ۱، ص ۹۶ (۴) حاجی خلیفہ، ج ۲، ص ۳۱۷ (۵) رحمان علی، ص ۸۹ (۶) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۲۲ (۷) فرشتہ، ص ۳۰۶ (۸) ایضاً (۹) رحمان علی، ص ۸۹ (۱۰) قاضی اطہر مبارک پوری، ص ۲۱۰، حاشیہ (۱۱) شیخ عبد الحق، ص ۶۶ و فرشتہ، ص ۳۰۶ (۱۲) آزاد، سبحة المرجان، ج ۱، ص ۹۶ و مولانا عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۳، ص ۲۱۔

۱- حواشی کا فیہ: ابن حاجب کی مفصل شرح ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ یہ کتاب لطافت و متانت میں بے مثال ہے اور یہ مصنف کی زندگی ہی میں مشہور زمانہ ہو چکی تھی (۱)، اس کتاب پر ہندوستان اور بیرون ملک کے متعدد علما نے حاشیے لکھے (۲)، یہ عربی میں ہے، اس کو لکھنے کے بعد قاضی صاحب نے اسے اپنے ایک معاصر عالم قاضی نصیر الدین گنبدی کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایش کی کہ وہ اس کی روشنی میں کافیہ پڑھایا کریں، قاضی نصیر الدین نے اس کتاب کی بہت تعریف کی اور کہا کہ اس کے بعد ہمارے درس کی ضرورت باقی نہیں رہی (۳)، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ”کتاب الہندی“ کے نام سے پنجاب پبلک لائبریری میں محفوظ ہے (۴)، اس لائبریری میں کافیہ کا بھی ایک ایسا نسخہ موجود ہے جس کے حاشیہ اور بین السطور پر قاضی صاحب کی شرح مندرج ہے (۵)۔

۲- الارشاد فی النحو: یہ کتاب بھی عربی میں ہے اور فن نحو میں ہے، شیخ عبدالحق محدث نے اس کتاب کی بھی بڑی تعریف کی ہے اور اس کی ایک اہم خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اس میں نحوی مسائل کو عبارتی مثالوں سے واضح کیا گیا ہے، جس سے اس فن میں ایک جدید طرز کا آغاز ہوا ہے (۶)، اس کتاب کی بھی متعدد شرحیں لکھی گئیں (۷) اور اس کے متعدد قلمی نسخے لیڈن لائبریری، کتب خانہ آصفیہ (۸) اور دارالعلوم پشاور میں موجود ہیں (۹)، مولانا رحمان علی کی نگاہ سے یہ کتاب مفتی علی کبیر مچھلی شہری کے کتب خانہ میں گزری تھی (۱۰)۔

۳- بدیع البیان: فن بلاغت میں ایک جامع کتاب تھی اور اس میں جمع و قوافی کا خاص اہتمام کیا گیا تھا (۱۱)، غالب گمان ہے کہ یہ بھی عربی ہی میں رہی ہوگی۔

۴- شرح بزدوی: اصول فقہ میں امام بزدوی کی مشہور کتاب کی شرح ہے جس کو قاضی نے اپنے

- (۱) شیخ عبدالحق، ص ۱۶۹ (۲) حاجی خلیفہ، ج ۲، ص ۳۱۷ (۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۷۱ (۴) منظور حسن عباسی، مخطوطات عربیہ، پنجاب پبلک لائبریری، دی آئیڈیل پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۵۷ء، ص ۲۰۰
(۵) ایضاً، ص ۱۷۹ (۶) شیخ عبدالحق، ص ۱۶۹ (۷) حاجی خلیفہ، ج ۱، ص ۱۸۶ (۸) سید تصدق حسین، ج ۲، ص ۶۳۸ (۹) عبد الرحیم، لباب المعارف العلمیہ، آگرہ، ۱۹۱۸ء، ص ۲۴۸ (۱۰) رحمان علی، ص ۸۸ (۱۱) شیخ عبدالحق محدث، ص ۱۷۱

ایک شاگرد محمد عیسیٰ کے لیے بحث امر تک لکھا تھا (۱) قرائز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فارسی میں رہی ہوگی۔
۵- اصول ابراہیم شاہی : ایک فارسی رسالہ ہے جو سلطان ابراہیم شرقی کے لیے لکھا تھا، اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی، ذخیرہ شیروانی میں موجود ہے (۲)۔

ان کے علاوہ قاضی صاحب کی مندرجہ ذیل کتابوں اور رسالوں کا ذکر بھی ملتا ہے:
رسالہ الصنائع (فارسی، رسالہ تقسیم علوم (فارسی)، شرح قصیدہ بردہ، مناقب السادات (فارسی)، ہدایۃ السعداء (فارسی)، شرح قصیدہ بانس سعادت (عربی)، یہ قصیدہ مصدق الفضل کے نام سے ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں حیدرآباد سے طبع ہو چکا ہے (۳)۔

تفسیر بحر موانج | قاضی صاحب کی یہ تفسیری تصنیف ہے جو فارسی میں ہے اور مکمل قرآن مجید کو محیط ہے، اس تفسیر کے متعدد ناقص قلمی نسخے ملک و بیرون ملک کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں (۴)، ڈاکٹر میاں محمد سعید کا بیان ہے کہ اس کا اصل نسخہ تاشقند لائبریری میں ہے اور اب تک بڑی عمدہ حالت میں نہایت فرینہ سے محفوظ ہے (۵)، پروفیسر محمد اسلم، استاذ شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی نے مختلف لائبریریوں سے اس کے مائیکروفلم حاصل کر کے اس کے تمام اجزا کو اپنے پاس جمع کر لیا ہے (۶)، اس کی جلد اول جو چار ابتدائی سورتوں پر مشتمل ہے ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۹ء میں نول کشور پریس سے طبع ہو چکی ہے اور مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہے (۷)۔
اس تفسیر کی نمایاں خصوصیات | تفسیر بحر موانج ہندوستان کی ابتدائی تفسیروں میں شمار کی جاتی ہے اور فارسی میں غالباً یہ یہاں کی پہلی تفسیر ہے، ذیل میں اس تفسیر کی بعض اہم خوبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

- (۱) شیخ عبدالحق محدث، ص ۱۶۸ (۲) ڈاکٹر محمد بشیر حسین، فہرست مخطوطات شیرانی، ج ۲، ظفر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۲ (۳) یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمغربیہ، ج ۱، مطبعہ سوس، ۱۹۲۸ء، ص ۱۹۰ (۴) کامل حسین، فہرست سجان اللہ اور نیشنل لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی پریس، ۱۹۳۰ء، ص ۵، ڈاکٹر بشیر حسین، ص ۱ (۵) ڈاکٹر میاں محمد سعید، تذکرہ مشائخ شیراز ہند، اسلامک بک پبلیشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۱ (۶) اختر راہی، ”کتب خانہ فاضلیہ کے چند نوادر“، فکر و نظر، اسلام آباد، ج ۱۳، شمارہ ۴، ص ۵۵ (۷) خدا بخش اور کتب خانہ آصفیہ میں اس کے مطبوعہ نسخے موجود ہیں۔

۱- ترکیب نحوی کا اہتمام، قاضی صاحب کو فن نحو سے خاص مناسبت تھی، چنانچہ تفسیر میں بھی انہوں نے اس کا خاص اہتمام کیا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ اس تفسیر میں تراکیب نحو اور وصل و فصل کے معانی واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں، البتہ عبارتوں میں جمع و قوافی کی رعایت میں تکلف سے کام لیا گیا ہے، جس کو مختصر اور واضح کرنے کی ضرورت تھی (۱)۔

۲- مسائل فقہ کا التزام، اس تفسیر کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علمی موشگافیوں کے بجائے عملی باتوں پر خاص توجہ کی گئی ہے، چنانچہ فقہ کے مسائل تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

قاضی صاحب کی تفسیر کا کوئی نسخہ ہم کو دست یاب نہیں ہے ورنہ اس کی خصوصیات پر تفصیل سے بحث کی جاتی، تاہم مثال کے طور پر ان کا ایک نمونہ تفسیر درج جاتا ہے جس سے ان کے طریقہ تفسیر کا اندازہ ہوگا، وہ ”تلك حد ود الله فلا تقربوها“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تلك اشارت است بامور مذکورہ، تلك سے مذکورہ امور کی جامع اشارہ کیا گیا

فاسیہ است برائے ترتب سبب بر ہے، ”ف“ سببیہ ہے تاکہ سبب کو مسبب سے

مسبب جملہ تلك حد ود الله جوڑ دے، جملہ تلك حد ود الله تنزیل

تنزیل است، معنی این است بیانہائی ہے اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ حرام و حلال

حل و حرمت حدودی است کہ تعیین کردہ اللہ کی متعین کردہ حدیں ہیں جن سے تجاوز کرنا

خدا است و تجاوز کردن ازاں ناروا است، درست نہیں ہے اور جب حد متعین ہوگئی تو اس

چوں حدود تعیین شدہ بس بکرانہ حرام کے کنارے جانا بھی درست نہیں، چہ جائیکہ

نزدیک می شوند نباید کہ در و در آئید و بکرانہ اس میں ملوث ہو جاؤ، اسی طرح حلال کے دائرہ

حلال مروید کہ ازان بیروں آئید و در حرام سے بھی ذرہ برابر بھی نہ ہٹو کہ اس میں بے احتیاطی

رفتید۔ (۲) کے نتیجہ میں حرام کے شکار ہو جاؤ گے۔



(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۶۹ (۲) ڈاکٹر قاضی نبی بخش بلوچ، ”مذہب“ تاریخ ادبیات مسلمانان

پاکستان و ہند، ج ۳، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۷۲-۷۳

حاجی عبدالوہاب بخاری

نام و نسب اور خاندانی حالات | نام عبدالوہاب، لقب حاجی، والد بزرگوار کا نام محمد رفیع الدین اور والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ تھا، سید جلال بخاری کے خاندان سے ہیں جن کے واسطے ان کا نسب تعلق حضرت حسینؑ سے جا ملتا ہے۔

سید جلال بخاری کے دولڑکے تھے، سید احمد اور سید محمود، مشہور بزرگ مخدوم جہانیاں سید محمود کے فرزند تھے اور اسی خاندان میں حاجی صاحب کا نانہال تھا اور خود حاجی صاحب سید جلال بخاری کے بڑے صاحب زادے سید احمد کے خاندان میں پیدا ہوئے۔

ولادت | ۸۶۹ھ/۱۴۶۴ء میں بہ مقام اچھ پیدا ہوئے اور وہیں پرورش و پرداخت ہوئی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ ان کا ابتدائی زمانہ ملتان میں گزرا ہے۔

تعلیم و تربیت | ان کی تعلیم و تربیت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا ہے البتہ ان کے ایک استاذ سید صدر الدین بخاری کا نام تذکرہ نگاروں نے لیا ہے جو ان کے خسر اور ان کے مربی بھی تھے (۱)۔

سفر حجاز | شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حاجی صاحب ابتداً عمر ہی سے صاحب علم و عمل تھے اور ان پر حال و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی، زمانہ طالب علمی میں ایک روز اپنے مرشد سید صدر الدین بخاری سے یہ سنا کہ ”اس وقت جہاں میں سب سے بڑی دو نعمتیں ہیں ہیں جن سے بڑھ کر دنیا کی کوئی نعمت نہیں مگر افسوس کہ لوگ ان کی قدر نہیں جانتے اور اس کے لیے کوشاں نہیں ہوتے، ایک تو مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک اور دوسرے

(۱) عبدالحق، نزہۃ الخواطر، ج ۴، دایۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء، ص ۲۲۳ اور شیخ عبدالحق

محدث دہلوی، ص ۲۰۲

کتاب اللہ۔

استاذ کی یہ بات سنتے ہی حاجی صاحب نے مدینہ منورہ جانے کی نیت کر لی اور ان سے اجازت لے کر خشکی کے راستہ سے وہاں پہنچے اور روضہ اطہر رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے۔

سکونت دہلی | اس دور میں ملتان کے حالات نہایت پر آشوب تھے، ملکی نظم و نسق کی ابتری کی بنا پر وہاں کے بہت سے لوگ سلطان بہلول لودھی اور سکندر لودھی کے عہد حکومت میں دہلی چلے آئے، حاجی صاحب بھی مصائب روزگار سے عاجز ہو کر سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی وارد ہوئے (۱)۔

دہلی میں قیام کے دوران ان کو وہاں کے ایک مجذوب بزرگ شاہ عبداللہ قریشی سے خاص انس پیدا ہو گیا، یہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے بعض خاندانی بزرگ بہلول لودھی کے عہد میں دہلی چلے آئے تھے (۲)۔

حجاز کا دوسرا سفر | دہلی میں قیام کے دوران انہوں نے دوسری بار حرمین کی زیارت کی اور واپسی پر دہلی ہی میں مستقل طور پر اقامت گزیر ہوئے (۳)۔

شاہان لودھی سے تعلقات | تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سلطان سکندر لودھی کو حاجی صاحب سے بے حد محبت و عقیدت تھی اور وہ ان کا بڑا قدر دان تھا (۴)، اس کے برخلاف اس عہد کے بعض معاصر تذکروں میں ہے کہ سلطان سکندر لودھی کے ایک نامناسب رویہ کی وجہ سے وہ اس سے ناراض ہو کر اپنے وطن واپس چلے گئے تھے، جس کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سکندر لودھی داڑھی ترشواتا تھا، ایک مرتبہ حاجی صاحب نے اس کو داڑھی رکھنے کی تلقین کی جس کے جواب میں اس نے ان کی شان میں گستاخی کی، چنانچہ وہ اس سے ناراض ہو گئے اور اس کو بد دعا دی اور اپنے وطن چلے گئے (۵)۔

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۰۲ (۲) ایضاً، ص ۲۰۱ (۳) ایضاً، ص ۲۰۳ (۴) ایضاً و عبدالحق، نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۲۳ و رحمان علی، ص ۱۳۸ (۵) خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، الجمعۃ پریس دہلی، ۱۳۷۷ھ

۱۹۵۸ء، ص ۶۸، ۶۹، بحوالہ ذوق اللہ مشتاقی، واقعات مشتاقی، ریڈیو گراف، قلمی نسخہ برٹش میوزیم، ص ۵۲، ۵۳

ممکن ہے کہ سکندر لودھی کی گستاخانہ حرکت کی وجہ سے وہ ملتان چلے گئے ہوں مگر وہ وہاں زیادہ عرصہ تک نہیں رہے، کیوں کہ شیخ نور الحق کے بیان کے مطابق وہ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد میں دہلی ہی میں تھے اور انہوں نے ابراہیم کے باغی بھائی جلال خان کو اپنی خانقاہ میں پناہ بھی دی تھی (۱)، جلال خان حاجی صاحب کا مرید تھا، سلطان ابراہیم لودھی نے اس کو حیلہ سے وہاں سے بلوا کر مارڈالا، حاجی صاحب کو اس کا بہت صدمہ ہوا، انہوں نے ابراہیم لودھی کے حق میں بددعا کی، جب پانی پت کا معرکہ ہوا، جس میں ابراہیم لودھی مارا گیا اور بابر دہلی پر قابض ہوا، اس وقت حاجی صاحب بستر مرگ پر تھے اور بار بار ابراہیم کے متعلق پوچھتے تھے اور کہتے تھے کہ:

”حضرت رسالت پناہ ﷺ سر اورا بریدہ رسول اکرم ﷺ نے اس کا کٹا ہوا سر میرے بدست من دادہ اند“ (۲)۔
ہاتھ پر رکھ دیا ہے۔

وفات | ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء میں عین اسی روز وفات پائی جس دن بابر دہلی میں داخل ہوا (۳)، شیخ حاجی سے اعداد وفات نکلتے ہیں، اپنے محبوب بزرگ شاہ عبداللہ قریشی کے پہلو میں دفن کیے گئے (۴)۔

ازواج و اولاد | ان کے صرف ایک صاحب زادے شیخ مدثر کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے جن کا نکاح شاہ جلال شیرازی (متوفی ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) کی صاحب زادی سے ہوا تھا (۵)۔

تصنیفات | حاجی عبدالوہاب چوں کہ ایک مجذوب اور صاحب حال بزرگ تھے اس لیے ان کی تصنیفات میں بھی اس کا نمایاں اثر دکھائی دیتا ہے، انہوں نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں:
۱۔ تفسیر: یہ قرآن مجید کی ایک عجیب و غریب تفسیر ہے جس میں تقریباً پورے قرآن مجید کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کی نعت و منقبت اور آپ ﷺ کے ذکر و تذکرہ سے کی گئی ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر غلبہ حال اور استغراق کے عالم میں لکھی گئی ہے، اس لیے اس

(۱) خلیق احمد نظامی، ص ۷۱، بحوالہ نور الحق، زبدۃ التواریخ، قلمی نسخہ برٹش میوزیم، ص ۷۸ (۲) خلیق احمد نظامی ص ۷۲ (۳) عبدالحق، نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۲۴ (۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۰۲ (۵) ایضاً، ص ۲۰۷۔

کے بعض مقامات پر ظاہر لفظ کی رعایت ملحوظ نہ رکھی جاسکی ہے (۱)، مولانا عبدالحی کا کہنا ہے کہ غلبہ حال کی بنا پر اس تفسیر کا بیشتر حصہ غیر درست ہے (۲)۔

اس تفسیر کا آغاز اوائل ربیع الثانی ۹۱۵ھ / جولائی ۱۵۰۹ء میں ہوا اور ۱۷ / شوال ۹۱۵ھ / ۲۸ جنوری ۱۵۱۰ء کو چھ ماہ اور چند ایام کے عرصہ میں یہ مکمل ہوئی (۳)، اس تفسیر کا کوئی نسخہ دست یاب نہیں ہے، البتہ شیخ عبدالحق محدث نے ”اخبار الاخیار“ میں اس کے کچھ اقتباسات نقل کیے ہیں (۴)۔

۲۔ رسالہ شمائل النبی ﷺ: موضوع سے پتہ چلتا ہے کہ نعت و منقبت رسول اللہ ﷺ پر کوئی رسالہ تھا۔

۳۔ قصائد عربی (۵)۔



(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۰۳ (۲) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۲۲۴ (۳) ایضاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۰۷ (۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۰۳ تا ۲۰۶ (۵) عبدالحی، بحولہ بالا۔

شیخ حسن محمد احمد آبادی گجراتی

نام و نسب اور خاندانی حالات | حسن محمد (۱) اور ایک روایت کے مطابق جمال الدین نام تھا (۲)، والد کا نام احمد میاں جی، اور ان کی کنیت ابو صالح لکھی (۳) سلسلہ نسب یوں ہے:

حسن محمد بن احمد میاں جی بن نصیر الدین بن امجد الدین بن سراج الدین بن کمال الدین علامہ (۴)۔

مولانا رحمان علی کے بیان کے مطابق ان کے خاندان کا نسب تعلق حضرت حسنؑ سے ملتا ہے (۵) اور یہ خاندان مدت دراز سے علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے، شیخ کمال الدین علامہ جو شیخ حسن محمد کے مورث اعلا تھے، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے حقیقی بھانجے اور ان کے خلیفہ تھے، وہ احمد آباد پہنچے اور مدتوں وہاں خلق خدا کو نفع رسانی کا فریضہ انجام دے کر دوبارہ دہلی واپس ہوئے اور دہلی ہی میں اپنے مرشد اور ماموں کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے (۶)۔

شیخ کمال الدین کے ایک فرزند شیخ سراج الدین تقوی و بزرگی میں اپنے والد کے جانشین تھے اور وہ بھی شیخ چراغ دہلویؒ سے بیعت تھے (۷)، وہ گجرات وارد ہوئے اور اپنی پوری زندگی یہیں گزار دی، ۲۱ جمادی الاولیٰ ۸۱۷ھ / ۹ اگست ۱۴۱۴ء کو پیران پٹن نہروالہ میں انتقال کیا (۸)۔

(۱) غلام سرور، ج ۱، ص ۳۳۶ و رحمان علی، ص ۲۱۴ (۲) حافظ محمد حسین مراد آبادی، انوار العارفین، نول کشور پریس لکھنؤ، ۱۸۷۶ء، ص ۳۸۰ (۳) رحمان علی، ص ۲۱۴ (۴) غلام سرور، ص ۳۳۶ (۵) رحمان علی، ص ۱۷۳ (۶) محمد حسین، ص ۱۷۳ اور رحمان علی، ص ۲۱۴ (۷) محمد حسین، ص ۳۷۵ و مولانا ابو ظفر ندوی، تاریخ اولیائے گجرات، ترجمہ مرآۃ احمدی، حمایت اسلام پریس، لاہور، ۱۹۳۳ء، ص ۱۳۹ (۸) ابو ظفر ندوی، تاریخ اولیائے گجرات، ص ۱۳۹

شیخ سراج الدین کے دو بیٹے تھے، شیخ علم الدین اور شیخ امجد الدین، شیخ علم الدین خواجہ گیسو دراز کے مرید تھے (۱)، ان کے فرزند محمود راجن تھے جو اپنے عہد کے باکمال بزرگ تھے اور ان کے لڑکے جمال الدین جن تھے جو اپنے والد کے خلیفہ اور شیخ حسن محمد کے مرشد تھے (۲)۔

شیخ امجد الدین کے صاحب زادے شیخ نصیر الدین ثانی تھے جو اپنے والد کے جانشین ہوئے اور شیخ خواجہ ان کا لقب تھا، ان ہی کے فرزند شیخ حسن محمد کے والد احمد میاں جی تھے، غرض ان کا پورا خاندان علم و فضل اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔

ولادت | شیخ حسن محمد ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء میں احمد آباد کے ایک محلہ شاہ پور میں پیدا ہوئے (۳)۔

تعلیم و تربیت | ابتدائی تعلیم و تربیت خاندان کے بزرگوں کے زیر سایہ ہوئی شیخ علی بن نور بخش

سے قرآن مجید پڑھا (۴) اور سولہ برس کی عمر میں تمام علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی (۵)۔

تصوف و سلوک | شیخ حسن محمد کا خاندان عرصہ دراز سے مشائخ صوفیہ کا مرکز تھا اور انہوں

نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی تھی اس لیے ابتدا ہی سے ان پر اس کا اثر نمایاں تھا، چنانچہ چھ سال کی کم سنی ہی میں وہ اپنے والد سے بیعت ہو گئے اور جب بارہ برس کے ہوئے تو اپنے خاندانی چچا شیخ جمال الدین جن کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اور مجاہدہ و ریاضت کی منزلیں طے کر کے ان سے خلافت حاصل کی (۶)، شیخ جمال الدین جن کی وفات کے بعد انیس برس کی نوعمری ہی میں وہ ان کے جانشین منتخب ہوئے جب کہ خود ان کے والد شیخ احمد میاں جی زندہ تھے، اپنے مرشد کی مسند پر بیٹھنے کے بعد ان کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اور اپنی وفات تک متواتر اکتالیس برس وہ اس منصب پر فائز رہے (۷)۔

سلطان محمود شہید کی قدردانی | شیخ حسن محمد کو احمد آباد کے والی سلطان محمود شہید کی خاص

عنایت اور توجہ حاصل تھی، سلطان کے علاوہ دوسرے امرا بھی ان کی عزت و توقیر کرتے تھے، سلطان نے ان کو احمد آباد سے متصل ایک قدیم آبادی اساورہ اور دوسرے چار گاؤں جاگیر میں دے دیے تھے (۸)، محلہ شاہ پور کا باہری حصہ اور رکن الملک کا چکلا بھی ان ہی کی تحویل

(۱) محمد حسین، ص ۳۷۷ (۲) ایضاً، ص ۳۸۰ (۳) ایضاً (۴) ابو ظفر ندوی، تاریخ اولیائے گجرات، ص ۱۳۹ (۵) محمد

حسین، ص ۳۷۷ (۶) ایضاً (۷) ایضاً و رحمان علی، ص ۲۱۳ (۸) ابو ظفر ندوی، تاریخ اولیائے گجرات، ص ۲۳۔

میں تھا (۱)۔

روفاہی کام

شیخ حسن محمد کو علم و فضل کی دولت کے ساتھ دنیوی ثروت و نعمت بھی حاصل تھی جس کو وہ بزرگوں کی یادگاروں کو قائم کرنے اور محتاجوں کی حاجت روائی میں بے دریغ خرچ کرتے تھے، اپنے محلہ میں ایک عظیم الشان سنگی مسجد اپنے خرچ پر تعمیر کرائی جس پر ایک لاکھ روپے صرف ہوئے (۲)، یہ مسجد تقریباً آٹھ نو سال کے عرصہ میں بن کر مکمل ہو سکی پھر بھی اس کے ایک حصہ کی دیوار اور مینارے تعمیر نہ ہو سکے، تاریخ اولیائے گجرات میں ہے کہ انقلاب سلطنت کے سبب سے شیخ حسن محمد کی مالی حالت دگرگوں ہو گئی، اس لیے یہ کام ناتمام رہ گیا (۳)، بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے سبب سے یہ کام ادھورا رہ گیا، کیوں کہ اس مسجد کی بنیاد کی تاریخ محراب کے بائیں جانب اشعار کی صورت میں کندہ ہے، جس میں بنا شیخ (۹۷۳) سے اس کی تاریخ نکالی گئی ہے، تاریخ اولیائے گجرات کی تصریح کے مطابق آٹھ نو سال میں اس کی تعمیر ہوئی، اس حساب سے ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء میں اس کا کام مکمل ہوا ہوگا اور یہی ان کا سال وفات ہے۔

وفات

۲۸ / ذی قعدہ ۹۸۲ھ / ۱۱ / مارچ ۱۵۷۵ء کو ظہر کے وقت وفات پائی، انتقال کے وقت ان کی عمر انسٹھ برس کی تھی، اپنے آبائی قبرستان میں اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کیے گئے (۴)۔

ارواج و اولاد

شیخ حسن محمد کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، کمال الدین محمد، قطب محمد، صالح محمد، بی خدیجہ اور بی عایشہ (۵)، ان کی اولاد میں شیخ محمد ان کے جانشین ہوئے اور ان کے خاندان میں تصوف کا سلسلہ تادیر قائم رہا، شیخ یحییٰ مدنی جو بلند پایہ چشتی بزرگ گزرے ہیں، اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے (۶)۔

تصنیفات

شیخ حسن محمد فقہ، تفسیر، تصوف اور دیگر علوم عربیہ کے بلند پایہ عالم تھے، انہوں

(۱) ابو ظفر ندوی، تاریخ اولیائے گجرات، ص ۹۴ (۲) رحمان علی، ص ۲۱۴ (۳) ابو ظفر ندوی، تاریخ اولیائے

گجرات، ص ۹۴ (۴) محمد حسین، ص ۳۷۷ (۵) ابو ظفر ندوی، تاریخ اولیائے گجرات، ص ۹۴ (۶) محمد

حسین، ص ۳۸۱

نے متعدد گراں قدر کتابیں لکھیں جن میں صرف تین کتابوں کا ذکر ملتا ہے، ۱- تفسیر محمدی، ۲- حاشیہ بیضاوی، ۳- حاشیہ نزہۃ الارواح (۱)، تفسیر محمدی کے علاوہ کوئی کتاب درست یاب نہیں ہے۔

تفسیر محمدی | یہ ایک گراں قدر تفسیری تصنیف ہے، یہ عربی میں ہے اور ایک سال کی مدت میں مکمل ہوئی، اس کی تصنیف کے دو ماہ بعد شیخ حسن محمد کا انتقال ہوا، رمضان ۹۸۲ھ دسمبر ۱۵۷۴ء میں یہ کتاب مکمل ہوئی اور اسی سال ذی القعدہ میں ان کا انتقال ہوا، یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی، اس کا ایک مکمل قلمی نسخہ کتب خانہ انڈیا آفس لندن میں موجود ہے (۲) اور ایک نامکمل نسخہ سالار جنگ لاہوری حیدر آباد میں ہے (۳)، ڈاکٹر زبید احمد کے بیان کے مطابق یہ تفسیر بہت مختصر ہے اور اس کا ایک نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ہے (۴)۔

تفسیر محمدی کی بعض نمایاں خصوصیات | تفسیر محمدی ہندوستان کی اہم اور نمایاں تفسیروں میں شمار کی جاتی ہے، ذیل میں اس تفسیر کی بعض اہم خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱- آیتوں کے درمیان ربط کا خاص اہتمام | اس تفسیر کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آیتوں کے درمیان ربط و مناسبت کو نمایاں کیا گیا ہے، مصنف نے مقدمہ میں اس پر خاص بحث کی ہے اور اس کو اپنی اولیت بتایا ہے (۵)، تفسیر کے خاتمہ میں بھی انہوں نے اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وقد اتفق اتمام هذا التفسير
المشتمل على ربط كل آية بآية
اخرى رباطا تاما الموسوم
بالتفسير المحمدى - (۶)

یہ تفسیر جس کی ہر آیت دوسری آیت سے
مکمل ربط پر مشتمل ہے اور جس کا نام
تفسیر محمدی ہے، مکمل ہوئی۔

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۴، ص ۸۷ (۲) اوٹو لوتھ، حوالہ سابق، ص ۲۲ (۳) محمد سالم، مقالہ تفسیر محمدی، ماہنامہ معارف، ج ۹، شمارہ ۲، ص ۱۴۱ (۴) ڈاکٹر زبید احمد، ہندوستان کی عربی تصانیف متعلقہ علوم قرآنیہ، روداد ادارہ معارف اسلامیہ، اجلاس دوم، منعقدہ لاہور، گیلانی پریس، لاہور، ۱۹۳۸ء، ص ۲۰۱ (۵) محمد سالم، مجولہ بالا، ص ۱۴۲ (۶) اوٹو لوتھ، ص ۲۲

اس تفسیر میں ربط و مناسبت کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ مسائل کی تشریح میں بھی اس کی رعایت کی گئی ہے، جس میں بعض موقعوں پر مصنف کی تشریح سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، مثلاً وہ آیت ”واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ.....“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وانما جعلت الغنیمۃ اخماسا
لانہ یرتب العسکر علی خمسۃ
مقد متو قلب و ساقۃ و جنا حین
فجعل سبحانہ خمساً ہا
لنفسہ۔ (۱)

مال غنیمت کے پانچ حصے مقرر کیے گئے
کیوں کہ فوج پانچ حصوں میں تقسیم کی
جاتی ہے، مقدمہ، قلب، پچھلا حصہ اور
دونوں بازو، چنانچہ اللہ نے پانچواں حصہ
اپنا مقرر فرمایا۔

غرض ربط و مناسبت ہی تفسیر محمدی کا اصل موضوع ہے۔

۲۔ مسائل کے استخراج | اس تفسیر میں مسائل کی توضیح خوب صورت اور منطقی انداز میں
کی گئی ہے اور ان میں جا بجا لطیف نکلتے بیان کیے گئے ہیں، مثلاً
وہ آیت ”وما اهل به لغير الله“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ما رفع به الصوت عنہم
عند ذبحہ للضم فانه وان
خرج الدم منه ولكن الرطوبات
وما بقى منه باق فی ذالک
ولم یخرج منه فلا بد له من
مطهر یوثر فی اعماقه
الباطنة التي لا یصل الیها
شئی من هذا العالم مع بقائه
منتفعاً به وانما قلنا ذالک

اس سے مراد وہ صدا ہے جو بتوں کے
لیے ذبح کرتے وقت وہ لگاتے تھے
کیوں کہ اس صورت میں بھی خون فاسد
نکل جاتا ہے مگر اس کے اندر کی دوسری
چیزیں باقی رہتی ہیں، اس لیے ضروری
ہے کہ کوئی ایسی پاک کرنے والی شے ہو
جو اس کو اندر سے صاف کر دے اور اس
عالم کی کوئی چیز باہر صورت اس کے اندر
داخل نہیں ہو سکتی کہ اس کے داخلہ کے بعد

(۱) محمد سالم، تفسیر محمدی، ص ۱۳۵

لأن النار يصل ولكن لا يبتنى
بعد وصوله منتفعا به فطهره
هو اسمہ تعالیٰ يجعله فما لم
يذكر عليه اسمہ تعالیٰ
غير طاهر - (۱)

وہ چیز قابل انتفاع بھی ہو، ہم نے یہ بات
اس لیے کہی ہے کہ آگ بھی جسم میں داخل
ہو سکتی ہے مگر اس کے بعد انتفاع ناممکن ہے،
اس سے معلوم ہوا کہ ذبیحہ کی تطہیر کے لیے
اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے، اس کے
بغیر ذبیحہ پاک نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح آیت قصاص کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

ولم ينظر الى الرفعة
الظاهريّة ولم يحكم لقتل
الحربا لعبد اذا كان المقتول
عبد للشرفاء والقاتل من
الاراذل وكذا في الذكر والانثى
فا علموا انه لا عبرة
لشرف وهذه الآية ليست
بدالة على انه لا يقتل الحر
بالعبد والذكر بالانثى فانها
مسوقة لبيان عدم الاعتداد
بالشرف الظاهري ولدفع
الردائل وحدث الشرف
الباطني - (۲)

قصاص میں ظاہری عزت و شرف کا اعتبار
نہیں کیا جائے گا، چنانچہ غلام کے بدلہ میں
آزاد کو نہیں قتل کیا جاسکتا جب کہ مقتول شرفا
کا غلام ہو اور قاتل پست طبقہ سے تعلق رکھتا
ہو، اسی طرح مرد و عورت کے قصاص میں کوئی
امتیاز درست نہیں ہے کیوں کہ ظاہری شرف
کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ معتبر ایمان و عمل
ہے اور وہی اصل شرف ہے، اس آیت کا مدلول
یہ نہیں ہے کہ غلام کے بدلہ میں آزاد اور عورت
کے بدلہ میں مرد قتل نہ کیا جائے بلکہ اس میں
در اصل ظاہری مجد و شرف کے غیر معتبر ہونے،
رذائل سے مجتنب رہنے اور شرف باطنی پیدا
کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

۳۔ اقوال ائمہ سے استدلال | اس تفسیر کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ائمہ کے

اقوال اور ان کی آرا کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے اور اس بارے میں مصنف نے کسی مخصوص مسلک کی

(۱) محمد سالم تفسیر محمدی، ص ۱۴۳ (۲) ایضاً، ص ۱۴۴۔

بیرونی نہیں کی ہے (۱)

۴- انبیاء کرام کے واقعات کی تفصیل | اس میں انبیاء کرام کے حالات و واقعات بھی تفصیل

کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، حضرت یوسف کے بیان میں قرآن مجید میں ”وہم بہا لولا ان
رای برہان ربہ“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، مفسرین نے ”وہم بہا“ کی مختلف توجیہیں
کی ہیں، مگر شیخ حسن محمد نے بڑی لطیف توجیہ کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

لكن للميل الطبعي	اس سے فطری اور طبعی میلان مراد ہے قصد
لالتصديا لا ختيا رى فان	واختیار سے نہیں کیوں کہ طبعی میلان تکلیف
ذالك مما لا يدخل تحت	میں داخل نہیں ہے، اس کا تعلق قصد و اختیار
التكليف اذا لا اختيار	سے ہے، یعنی حضرت یوسف کا اس برائی
فيه وكان صرف ذالك	سے رک جانا من جانب اللہ تھا، جس میں
السوء عن يوسف من ربہ	ان کی ذات کو دخل نہ تھا۔

لا من نفسه (۲)

اس کے علاوہ اس تفسیر میں مختلف غزوات کی تفصیل اور آیات و سور کے شان نزول کی
وضاحت بھی کی گئی ہے اور یہ تفسیر بجا طور پر ہندوستان کی اہم تفسیروں میں شمار کیے جانے کے
قابل ہے۔



شیخ مبارک ناگوری

شیخ مبارک بن خضر ناگوری عہد اکبری کے ممتاز عالم دین تھے، ان کے اسلاف کا اصل وطن یمن تھا، ان کے خاندانی سلسلہ میں شیخ موسیٰ نام کے ایک بزرگ تھے جو یمن سے سیرو سیاحت کی غرض سے نکلے اور ۸۰۰ھ / ۱۳۹۷ء میں سیوستان سندھ کے ایک قصبہ ”ایل“ میں آکر آباد ہوئے، دسویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی میں ان کے پرپوتے شیخ خضر کو ہندوستان کے صوفیا اور بزرگوں سے ملاقات کا شوق دامن گیر ہوا، چنانچہ وہ اپنے اعزہ واقربا کے ہمراہ اجمیر کے قریب ”ناگور“ وارد ہوئے، یہ مقام ان کو اس قدر پسند آیا کہ انہوں نے یہیں بود و باش اختیار کر لی اور اس مقام کے بزرگوں میں شیخ یحییٰ اچلی جانشین مخدوم جہانیاں گشت، شیخ عبدالرزاق قادری بغدادی و شیخ یوسف سندھی سے روحانی فیوض حاصل کیا۔

ولادت اور تعلیم | شیخ مبارک ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں پیدا ہوئے، چار برس کی عمر ہوئی تو تعلیم شروع کی، وہ نہایت ذکی و فطین تھے، فکر و شعور کی منزل میں پہنچے تو مزید تعلیم کے لیے گجرات کے شہر احمد آباد کا رخ کیا، اس زمانہ میں یہ شہر علوم و فنون کا مرکز تھا، جہاں علما و فضلا اور ارباب کمال کی علمی اور تدریسی سرگرمیاں اپنے شباب پر تھیں، چنانچہ وہ وہاں علامہ جلال الدین دوانی کے دو مایہ ناز شاگرد مولانا عماد الدین طاری اور ابوالفضل خطیب گازی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور نہایت کم عمری میں جملہ علوم و فنون کی تحصیل کر لی (۱)، ابوالفضل نے ”آئین اکبری“ میں لکھا ہے کہ ”علوم متداولہ کے علاوہ اسالیب تصوف و اشراق کی تعلیم بھی حاصل کی، ابن عربی، ابن فارض اور صدرالدین قونوی کی بہت سی کتابیں پڑھیں۔“ (۲)۔

(۱) سعید احمد مارہروی، بوستان اخیار، ابوالعلائی، اسٹیم پریس، آگرہ، ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء، ص ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹

(۲) ابوالفضل، آئین اکبری، ج ۳، نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء، ص ۲۰۳۔

غرض شیخ مبارک نے ابتدا عمر ہی میں علم و فضل میں اس درجہ کمال حاصل کر لیا کہ ان کے ہم عصروں میں ان کا کوئی حریف نہ تھا، وہ علمی مجالس اور تحقیقی محفلوں میں شریک ہونے لگے اور ان کے اسلوب بحث اور انداز گفتگو سے اس دور کے بڑے بڑے علما دنگ رہ جاتے، تصوف سے بھی ان کو لگاؤ تھا، شیخ عمر تیوی اور شیخ یوسف وغیرہ مشائخ طریقت کی مجلسوں میں شرکت کرتے اور سلسلہ شطاریہ، چشتیہ اور سہروردیہ میں اجازت بھی حاصل کی۔ (۱)

آگرہ میں آمد | اپنے مرشد شیخ یوسف کے حکم کی تعمیل میں وہ مزید تعلیم کے لیے آگرہ پہنچے، وہاں میر رفیع الدین الایچی الشیرازی حدیث کے بلند پایہ استاد تھے جو شیخ سخاوی مصری شاگرد علامہ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے، شیخ مبارک نے حدیث کا درس ان ہی سے لیا اور اس طرح وہ بدو واسطہ حافظ ابن حجر کے شاگرد ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ سیرور جال کا خاص ذوق ان کو ملا تھا۔

آگرہ میں شیخ مبارک کی آمد انتالیس برس کی عمر میں ۶ محرم الحرام ۹۵۰ھ بہ مطابق ۱۱ اپریل ۱۵۴۳ء کو بدھ کے دن ہوئی، جس وقت انہوں نے وہاں قدم رکھا، ان کو وہاں کے ایک بزرگ شیخ علاء الدین مجذوب نے بشارت دی کہ تم اس شہر میں قیام کرو، یہ شہر تمہارے لیے مبارک ہے، آگرہ میں ان کا قیام میر رفیع الدین کے مدرسہ میں تھا، کچھ دنوں بعد انہوں نے شیخ چندن قریشی کی دختر سے نکاح کر لیا اور اپنے استاذ میر رفیع الدین کے محلہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور ان کے اس قدر مقرب بن گئے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کی مسند درس پر متمکن ہوئے اور تقریباً پچاس سال تک تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے۔ (۲)

اخلاق و عادات | ابتدا میں شیخ مبارک کے اندر وہ تمام صفتیں موجود تھیں جو علمائے حق اور تلون مزاجی کا خاصہ ہیں، وہ عادات و اطوار کے لحاظ سے نہ صرف زاہد و متقی تھے بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر بھی سختی سے عمل پیرا تھے مگر بعد میں حالات زمانہ کے اثر سے ان میں ایسا تغیر پیدا ہوا کہ وہ نشانہ تنقید بن گئے، مشہور مورخ ملا عبد القادر بدایونی جو ان کے شاگرد ہیں اور ان کے فضل و کمال کے معترف بھی ہیں، انہوں نے ان کی بہت سی بشری کم زوریوں کا ذکر کیا ہے جو ان میں بعد میں پیدا ہو گئی تھیں، وہ لکھتے ہیں:

(۱) سعید احمد مارہروی، ص ۱۴۸ (۲) ایضاً ص ۱۴۷۔

”شیخ مبارک اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے، تقویٰ، توکل اور صلاح میں ممتاز تھے، ابتدا میں انہوں نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کیے، ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہر وقت خیال رکھتا تھا، اگر ان کی مجلس میں کوئی شخص سونے کی انگوٹھی یا ریشم یا سرخ وزر دموزے یا کپڑے پہن کر آ جاتا تو اس کو فوراً مجلس ہی میں ان چیزوں کو اتار دینے کا حکم دیتے، اسی طرح جن لوگوں کا پانچامہ ٹخنوں سے نیچے ہوتا تھا ان کو اسے پھاڑ دینے کا حکم دیتے، اگر راستہ چلتے کسی مقام پر راگ یا نغمہ کی بھنک کان میں پڑ جاتی تو تیزی سے قدم بڑھا کر نکل جاتے تھے، مگر آخر میں ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ راگ، گانا یا ساز سنے بغیر ان کو سکون نہیں ملتا تھا، ان کا مسلک و طریقہ ہمیشہ بدلتا رہتا تھا، طبیعت میں بڑا تلون تھا، پٹھانوں کے دور میں کچھ عرصہ تک شیخ علانی کے ساتھ رہے اور جب اکبر کے عہد میں نقشبندی صوفیوں کو اقتدار حاصل ہوا تو اس سلسلہ سے وابستہ ہو گئے، کچھ مدت تک ہمدانی مشائخ سے متعلق رہے اور آخر میں جب عراقیوں نے دربار میں اپنا رنگ جمالیا تو ان ہی کے رنگ میں رنگ گئے گویا لوگوں کی عقلوں اور طبیعتوں کے مطابق وہ اپنے عمل میں تبدیلی لاتے رہے۔

ہمیشہ دینی علوم کی تدریس میں مشغول رہا کرتے، ہندوستان کے علما کے برخلاف ان کو شاعری، معمہ گوئی اور مختلف فنون میں بڑی دسترس حاصل تھی، تمام علوم پر ان کی یکساں نگاہ تھی، خاص طور سے تصوف پر عبور حاصل تھا، شاطبی مکمل حفظ تھی اور اس کے درس دینے کا حق انہیں کو پہنچتا تھا، قرآن مجید کی دسویں قرأت کے حافظ و قاری تھے، کبھی بادشاہ کے محل میں جانا پسند نہیں کیا، نہایت خوش گفتار اور صاحب مجلس برگ تھے۔

شیخ مبارک کی ان متضاد خصوصیات کا ذکر ملا عبد القادر نے ان لفظوں پر ختم کیا ہے:

”ان کے مثل جامع عالم پھر نظر نہیں آیا۔“ (۱)

(۱) عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ، ج ۳، کالج پریس، کلکتہ، ۱۸۶۹ء، ص ۷۳-۷۴۔

خواجہ نظام الدین بخشی نے ”طبقات اکبری“ میں ان کے بارے میں لکھا ہے:
”از فحول علمائے روزگار و مشائخ کرام بود، در توکل شانے عظیم

داشت۔“ (۱)

صاحب اخبار الاصفیاء جو شیخ مبارک کے نواسے ہیں لکھتے ہیں کہ:
”ان کے کتب خانہ میں پانچ سو کتابیں خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی

موجود تھیں۔“ (۲)

علماء کی مخالفت اور شاہی عتاب | جلال الدین محمد اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں جاہ طلب علما

کا بہت زور تھا اور یہ طبقہ شیخ مبارک اور ان کے لڑکوں سے بہت نالاں تھا اور ہمیشہ ان کے درپے آزار رہتا تھا جس کی وجہ سے کچھ دنوں کے لیے شیخ مبارک کو آگرہ چھوڑنا بھی پڑا، ان لوگوں کے ہاتھوں اس خاندان کو جو مصیبتیں اٹھانی پڑیں ان کا مفصل تذکرہ ابوالفضل نے ”اکبرنامہ“ کے آخر میں کیا ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی مختصر مگر جامع الفاظ میں اس کی روداد لکھی ہے، ان کا بیان ہے کہ جن دنوں میر جیش اور دوسرے اہل بدعت گرفتار اور قتل ہوئے، انہیں ایام میں شیخ عبدالنبی صدر الصدور اور مخدوم الملک وغیرہ نے مل کر بادشاہ کے کان بھرے کہ شیخ مبارک مہدوی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اہل بدعت یعنی شیعہ بھی ہے، خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا رہتا ہے، یہ کہہ کر ان لوگوں نے بادشاہ سے برائے نام اجازت لی اور شیخ مبارک کا خاتمہ کرنے کے درپے ہو گئے، انہوں نے خستہ سبوں کو روانہ کیا کہ شیخ کو دربار میں حاضر کریں مگر وہ اپنے بچوں سمیت روپوش ہو گئے اور محتسب ان کی مسجد کا منبر توڑ کر واپس لوٹ آئے۔ (۳)

ابوالفضل نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے کہ اس کے بعد کس طرح ان کا خاندان دربار کی ٹھوکریں کھاتا پھرا، ملا عبدالقادر لکھتے ہیں کہ شیخ سلیم چشتی اور مرزا عزیز کو کہ نے اکبر کے سامنے شیخ مبارک کی درویشی اور ان کے علم و فضل کی تعریف کی تو اس نے ان کو سزا دینے کا خیال ترک کر دیا اور ان کو دوبارہ اپنے گھر واپس آنے کی اجازت دے دی۔

(۱) نظام الدین بخشی، طبقات اکبری، بشپ مشن پریس، کلکتہ، بدون تاریخ، ص ۷۲ (۲) اخبار الاصفیاء، قلمی

(۳) ملا عبدالقادر بدایونی، ج ۲، ص ۱۹۸-۱۹۹۔

۱۵۶۷ء میں شیخ مبارک کا بڑا بیٹا فیضی اپنی شاعری کے ذریعہ اکبر کے دربار میں پہنچا اور مارچ ۱۵۷۳ء میں ان کا دوسرا بیٹا ابوالفضل بھی دربار میں میرنشی مقرر ہوا، ان دونوں بھائیوں کے آنے کے بعد درباری علما کے چراغ ٹمٹمانے لگے اور شیخ مبارک کے خاندان کو اکبری دربار میں بڑا عروج حاصل ہوا۔

۱۵۷۹ء میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے علما کے اختیارات کے بارے میں محضر کی تیاری کے مسئلہ کو نہایت نازک بنا دیا اور اسی واقعہ کے بعد شیخ مبارک

کو دربار شاہی میں خاص مرتبہ و مقام حاصل ہوا، واقعہ یہ ہوا کہ متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد تعمیر کرنے کے لیے خام مسالہ جمع کیا تھا، جس پر ایک مقامی دولت مند برہمن نے قبضہ کر لیا اور اس کو ایک مندر کی تعمیر میں صرف کر دیا، جب قاضی اور دوسرے لوگوں نے اس کو منع کیا تو اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کو برا بھلا کہا اور مذہب اسلام پر ناروا حملے کیے، قاضی یہ شکایت لے کر شیخ عبدالنبی صدر الصدور کے پاس پہنچے، شیخ عبدالنبی نے برہمن کو بلا بھیجا مگر وہ حاضر نہ ہوا، چنانچہ دربار شاہی کی جانب سے ابوالفضل اور بیربل بھیجے گئے، جو جا کر اس برہمن کو لائے اور ابوالفضل نے اس امر کی تصدیق کی کہ برہمن نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے، اب اس برہمن کو سزا دیے جانے کا مسئلہ درپیش ہوا جس میں علما کے درمیان اختلاف ہو گیا، بعض کا کہنا تھا کہ اہانت نبوی ﷺ کی شرعی سزا موت ہے اور دوسرے کہتے تھے کہ ذمی اگر پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد شکنی اور ابراء ذمہ جائز نہیں، اس لیے قتل کے علاوہ کوئی اور سزا دی جاسکتی ہے، شیخ عبدالنبی نے اس قضیہ میں بادشاہ سے استصواب کیا، بادشاہ نے کہا کہ یہ خالص شرعی معاملہ ہے اس لیے علما اس کے متعلق فیصلہ کریں، غرض علما کی کشمکش میں معاملہ طول پکڑتا چلا گیا اور دوسری جانب بادشاہ کی راج پوت بیگمات بھی اس برہمن کی رہائی کے لیے کوشاں تھیں، بالآخر شیخ عبدالنبی نے برہمن کے قتل کا فیصلہ سنایا اور وہ قتل کر دیا گیا، اس پر محل میں ایک طرف بیگمات نے اور باہر دوسرے لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ بادشاہ نے ان علما کو اتنا سرچڑھا رکھا ہے کہ وہ بادشاہ کی مرضی کے برخلاف لوگوں کو قتل کرتے رہتے ہیں۔

شیخ مبارک خود سر علما کے رویہ کی بنا پر برسوں سے بادشاہ کو یہ مشورہ دے رہے تھے کہ

بادشاہ عادل احکام ملکی کی طرح احکام شرعی کے اجرا و نفاذ میں جھوٹی شہرت کے حامل علما کی رائے و مشورہ کا محتاج نہیں ہے، اس لیے بادشاہ کو دونوں منصب اپنی تحویل میں لے لینے چاہئیں، اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے ان سے علما کے اختیارات کے سلسلہ میں گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ بادشاہ عادل خود امام وقت اور مجتہد زمانہ ہے اور بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ اجتہاد کا دعوا کرے اور علما سے محضر طلب کرے اور خود شیخ مبارک نے آیات و روایات کی روشنی میں ایک محضر مرتب کیا۔ (۱)

محضر کے مضمون میں یہ صراحت موجود تھی کہ امام عادل کو علما اور مجتہدین سے زیادہ اختیارات محض ان ہی اختلافی امور میں حاصل ہوں گے جو نص شرعی کے مخالف نہ ہوں اور عوام کی ترقی کا باعث ہوں، چنانچہ علما کا ایک جلسہ بلایا گیا جس میں بحث و تمحیص کے بعد محضر کے مضمون پر علما کے دستخط ثبت ہوئے، مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی، قاضی جلال الدین، قاضی خان بدخشی، میران صدر جہاں اور شیخ مبارک جیسے اصحاب علم و فضل نے اس مضمون پر دستخط کیے۔

اس محضر کا منفی پہلو یہ ہوا کہ اس میں جو شرائط رکھی گئی تھیں، عملی طور پر ان کی پابندی نہیں ہوئی اور بجائے اس کے کہ اس سے ملک کی اصلاح ہوتی اکبر نے خود شریعت کی بے حرمتی کرنی شروع کر دی اور خوشامدی درباری اس کی ہر نئی بات کی تائید میں نص شرعی اور اجماع کے برعکس کوئی روایت یا من گھڑت قول پیش کر دیتے اور اس سلسلہ میں شیخ مبارک کے دونوں بیٹے فیضی اور ابوالفضل نے زبردست کردار ادا کیا۔

آخری عمر کا کارنامہ | آخر عمر میں شیخ مبارک کی بصارت کمزور ہو گئی تھی اور وہ مطالعہ کتب سے معذور ہو گئے تھے، اسی زمانہ میں انہوں نے اپنی تفسیر قرآن املا کرائی جو چار ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی اور جس کا نام ”منبع عیون المعانی و مطلع شمس المثنائی“ رکھا، ان کی زندگی کا یہ بڑا کارنامہ ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ان کا دینی مزاج پھر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا، کیوں کہ آخری ایام میں وہ ابن الفارض کا تائید، بصیری کا قصیدہ بردہ اور دوسرے نعت و منقبت رسول ﷺ کے قصائد پڑھتے رہتے تھے جو ان کو زبانی یاد تھے۔

وفات | ۱۷/ ذی القعدہ ۱۰۰۱ھ / ۵ اگست ۱۵۹۳ء کو بہ مقام لاہور وفات پائی، آگرہ میں

(۱) ملا عبدالقادر بدایونی، ج ۳، ص ۸۰ تا ۸۳۔

سپرد خاک کیے گئے، فیضی نے ”فخر الکمل“ اور ملا عبد القادر بدایونی نے ”شیخ کامل“ سے مادہ تاریخ نکالا ہے۔

اولاد | شیخ مبارک کے سات فرزند پیدا ہوئے اور یہ تمام علم و فضل میں نمایاں اور ممتاز تھے، بالخصوص فیضی اور ابوالفضل تو یگانہ روزگار تھے، ساتوں کے نام حسب ذیل ہیں: ۱- شیخ ابوالفیض فیضی فیاضی، ۲- شیخ ابوالفضل، ۳- شیخ ابوالخیر، ۴- شیخ ابوالبرکات، ۵- شیخ ابوالمکارم، ۶- ابوتراب، ۷- ابوالحماد۔

تفسیر مبارک کی خصوصیات | شیخ مبارک کی تفسیر کا ذکر نظام الدین بخشی، ملا عبد القادر بدایونی، شیخ فرید بھکری اور ان کے علاوہ دوسرے متاخرین مصنفین کی کتابوں میں ملتا ہے مگر کچھ دنوں پہلے تک اس تفسیر کے کسی نسخہ کا پتہ نہیں چلتا تھا، ڈاکٹر محمد سالم قدوائی قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اس تفسیر کو ڈھونڈ نکالا، ان کو اس کا ایک قلمی نسخہ جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، کتب خانہ ناصر یہ لکھنؤ میں ملا، اس نسخہ کی حصولیابی کے بعد اکثر مصنفین کے اس عام خیال کی تردید ہوئی کہ اس تفسیر کا نام ”منبع العیون“ یا ”منبع نفائس العیون“ تھا کیوں کہ اس نسخہ کے سرورق پر تفسیر کا نام ”منبع عیون المعانی و مطلع شمس المشانی“ درج ہے، اس کی پہلی جلد کے چند اوراق غائب ہیں اور پانچوں جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد تقریباً تین ہزار ہے۔

تفسیر کے مقدمہ میں شیخ مبارک نے اپنی سرگذشت بھی بیان کی ہے، لاہور میں آمد اور قیام کا ذکر کیا ہے اور اپنے عہد کے چند بزرگوں اور اصحاب علم کا تذکرہ بھی کیا ہے، خود اپنی تعلیم، اساتذہ اور اپنے مذہب و مسلک کی بھی وضاحت کی ہے اور ان علما کا ذکر کیا ہے جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے، آگرہ کے بزرگوں میں شیخ عطاء الدین مجذوب اور شیخ رفیع الدین کا خاص طور پر نام لیا ہے، پھر اس تفسیر کی غرض و غایت کی وضاحت کی ہے اور اس کی بعض اہم خصوصیات گنائی ہیں۔

نظم قرآن اور قرأتوں کا اہتمام | اس تفسیر کی بنیادی خصوصیت شیخ مبارک نے یہ تحریر کی ہے کہ انہوں نے اس میں وجوہ نظم قرآن اور قرأت عشرہ اور اس کے متعلقات کو پیش نظر رکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”میں اس کتاب میں وجوہ نظم قرآن، قرأت عشرہ، انواع و قیوف و...

فواصل آیات کا ذکر کروں گا، نیز علمائے راہنہ، حکماء اور صاحب کشف عارفین نے جو سعانی و مطالب بیان کیے ہیں انہیں بتاؤں گا، جملوں میں ربط اور آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو مناسبت ہے اسے واضح کروں گا۔ (۱)

شیخ مبارک اپنی تفسیر میں کسی سورہ کی ابتدا کرتے ہیں تو آغاز ہی میں اس کا مضمون بیان کر دیتے ہیں تاکہ اس سورہ کے مطالب ذہن نشین ہو جائیں، پھر اس کا نظم اور وجہ نظم بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً وہ سورہ والضحیٰ کا ربط سورہ واللیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سورہ واللیل میں حضرت ابو بکرؓ کی تعریف کی گئی ہے اور سورہ والضحیٰ

میں رسول اللہ ﷺ کی نعت بیان کی گئی ہے۔“ (۲)

مقدمہ تاریخ قرآن | شیخ مبارک نے علوم قرآنی سے متعلق ایک مفصل مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں یہ وضاحت کی ہے کہ عرب کون تھے اور سب سے پہلے عربی زبان کس نے استعمال کی، علاوہ ازیں عربی زبان کی فضیلت، نزول قرآن کا ذکر، سورتوں کی تنزیل و ترتیب، قرأتوں کا اختلاف، الفاظ کی کتابت، مفسرین کے انداز بیان، اہل لغت و نسخا کے اسالیب وغیرہ پر مفصل اور جامع بحث کی ہے جس سے ان کی غیر معمولی لیاقت کا پتہ چلتا ہے۔

اسما سورت کی توجیہ و تشریح | شیخ مبارک نے سورتوں کے مختلف ناموں کی وضاحت بھی کی ہے، چنانچہ انہوں نے سورہ فاتحہ کے تیس نام تحریر کیے ہیں اور ہر نام کی الگ الگ توجیہ کی ہے اور اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ یہ نام کیوں رکھا گیا، وہ پہلے سورہ کا اصل نام لکھتے ہیں پھر یہ بتاتے ہیں کہ اس کے کتنے اور نام ہیں، یہ سورہ مکی ہے یا مدنی اور اس کے حروف و آیات کی تعداد کے ساتھ یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ کہاں وقف لازم ہے، کتنے رکوع ہیں اور سورہ کا مضمون کیا ہے۔ (۳)

احکام و مسائل کی تشریح | شیخ مبارک نے بنیادی اور روزمرہ کے مسائل و احکام کی وضاحت بھی تفصیل سے کر دی ہے، روزہ کی فرضیت کے بیان میں انہوں نے نہایت تفصیل کے ساتھ اس کی فضیلت اور اہمیت بیان کی ہے اور اس کے مسائل بھی تفصیل سے لکھے ہیں، اسی طرح وضو، نماز اور حج وغیرہ کے مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۱) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین، ص ۵۴ (۲) ایضاً، ص ۵۷-۵۸۔ (۳) ایضاً، ص ۵۴-۵۶۔

مراجع تفسیر | اس تفسیر میں شیخ مبارک نے قدما کی تفسیروں سے مدد لی ہے اور اپنے ماخذ

میں طلبی، غسانی اور زاہدی کا نام لیا ہے۔ (۱)

انبیا کے واقعات کا ذکر | اس تفسیر میں انبیا کرام کے واقعات بھی تفصیل سے بیان کیے

گئے ہیں، البتہ غلط اور لایعنی روایات سے اجتناب کیا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں

خاص طور پر وہی روایتیں درج کی ہیں جن سے ان کی براءت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ (۲)

غرض شیخ مبارک کی تفسیر عہد اکبری کی ایک شاہ کار تصنیف ہے مگر اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی ہے۔



(۱) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین، ص ۵۶-۵۷ (۲) ایضاً، ص ۵۷۔

شیخ یعقوب صر فی کشمیری

نام و نسب | یعقوب نام، صر فی تخلص اور والد کا نام حسن گنانی تھا، کشمیر کے علمائے کبار میں شمار کیے جاتے تھے۔

ولادت | صاحب نزہۃ الخواطر نے ان کا سن ولادت ۹۰۸ھ / ۱۵۰۲ء بتایا ہے، محبت الحسن کے بیان کے مطابق ان کی پیدائش ۹۳۵ھ / ۱۵۲۸ء میں ہوئی۔

تعلیم | ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن کشمیر میں پائی، صرف سات برس کی عمر میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، نحو، صرف اور فقہ کی کتابیں مولانا رضی الدین کشمیری سے پڑھیں، پھر ایک عرصہ تک شیخ نصیر الدین اعمیٰ کی خدمت میں رہ کر علوم عقلیہ کا درس لیا۔

شعر و شاعری | ان کو شعر و شاعری سے بھی خاص لگاؤ تھا، نہایت کم سنی سے انہوں نے فارسی اشعار کہنا شروع کر دیا تھا، اس فن میں ان کو عبدالرحمان جامی کے شاگرد محمد آنی سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا۔

ملا عبد القادر بدایونی سے ان کو خاص تعلق تھا، چنانچہ ان کے نام اپنے خطوط میں انہوں نے اپنے اشعار بھی لکھے ہیں جن کو ملا عبد القادر نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے، ان کا ایک قطعہ حسب ذیل ہے:

در ہر چہ بینم آں رخ نیکوست جلوہ گر در صد ہزار آئینہ یکروست جلوہ گر
حلقے بہر طرف شدہ سرگشتہ بہر دوست دین طرفہ ترکہ دوست بہر سواست جلوہ گر^(۲)

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء، ص ۴۳۸ و محبت الحسن،

کشمیر سلاطین کے عہد میں (اردو ترجمہ از علی حماد عباسی)، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء، ص ۴۰۱

(۲) بدایونی، ج ۳، ص ۱۴۳۔

علمی اسفار

شیخ یعقوب نے حصول تعلیم کے لیے کشمیر سے باہر متعدد مقامات کا سفر کیا، وہ لاہور اور سیالکوٹ پہنچے، پھر سمرقند، مشہد اور حرین کے کبار اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اکتساب فیض کیا، شیخ احمد حجر پٹمی مکی سے حدیث کا درس لیا، بغداد کے مشائخ کے سامنے بھی زانوئے تلمذتہ کیا، سمرقند کے بزرگ شیخ حسین خوارزمی سے بیعت ہوئے، اس سلسلہ میں انہوں نے حرین کا متعدد بار سفر کیا اور وہاں سے حدیث، تفسیر اور فقہ کی بیش قیمت کتابیں اپنے ساتھ لائے (۱)۔

درس و تدریس

ابتدا میں ان کا زیادہ وقت علمی سیاحت میں گزرا اور غالباً اس میں اس دور کی ملکی سیاست کا بھی دخل تھا، مگر بعد میں انہوں نے اپنے وطن میں مسند درس آراستہ کی اور تشنگان علم کی ایک بڑی تعداد ان کی علمی مجلس میں شامل ہوئی، ان کے مایہ ناز شاگرد مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں، جنہوں نے ان سے حدیث کی کئی کتابیں پڑھیں (۲)۔

سیاسی سرگرمیاں

کشمیر کی اکثر آبادی سنیوں پر مشتمل تھی، وہاں چک خاندان کی حکمرانی جب قائم ہوئی تو شیعہ سنی اختلافات پیدا ہوئے، کیوں کہ چک شیعہ تھے اور وہ اپنے مذہب و مسلک کی ترویج پر زور دیتے تھے، اس خاندان میں علی شاہ کے دور تک کسی حد تک سنی علما کی قدرو منزلت باقی تھی مگر اس کے جانشین یہ رواداری نبھانہ سکے، خاص طور پر یعقوب شاہ کے عہد حکومت میں سنیوں پر بہت مظالم توڑے گئے جس کے نتیجہ میں سنی علما کشمیر سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، اسی دوران کشمیر کے بہت سے سردار شیخ یعقوب صرفی کی قیادت میں اکبر کے دربار میں لاہور پہنچے اور اس کو کشمیر پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی اور مندرجہ ذیل معاہدہ کی بنیاد پر اس کو اپنی حمایت کا یقین دلایا:

۱۔ عبادت میں پوری آزادی ہوگی اور مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔

۲۔ اشیاء کے خرید و فروخت اور خورد و نوش کی چیزوں کے بھاؤ میں کوئی مداخلت نہ

کی جائے۔

۳۔ کشمیریوں کو غلام نہ بنایا جائے۔

(۱) محبت الحسن، حوالہ سابق و عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ۹، ۳۳ (۲) محمد حسین مراد آبادی، ص ۴۴۴۔

۴۔ کشمیریوں کو تنگ نہ کیا جائے اور نہ ان سے بیگاری جائے۔

۵۔ ایسے کشمیری امرا جو شراٹگری کے ذمہ دار ہیں ان کو نظم و نسق سے دور رکھا جائے (۱)۔

غرض شیخ یعقوب صر فی اور ان کے ہم نوا کشمیری سرداروں کی حمایت سے اکتوبر

۱۵۸۲ء میں اکبر کے سپہ سالار میر قاسم نے کشمیر کو فتح کر لیا اور اسی وقت سے کشمیر سلطنت مغلیہ کا

ایک حصہ بن گیا۔

اکبر سے قرب و تعلق | ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے کہ شیخ یعقوب اکبر کے بہت مقرب

تھے اور یہی تعلق ان کا ہمایوں سے بھی تھا (۲) ہمارے خیال میں ہمایوں سے ان کا تعلق محل نظر

ہے کیوں کہ کشمیری سلطان علی شاہ کے بعد یوسف شاہ کے عہد حکومت میں کشمیری حکمرانوں کے

مسلمی تشدد کی بنا پر ان کا تعلق سلطنت مغلیہ سے قائم ہوا اور بعد میں بھی ان کا زیادہ وقت کشمیر ہی

میں بسر ہوا۔

وفات | ۱۲ رزی القعدہ ۱۰۰۳ھ / ۹ جولائی ۱۵۹۵ء کو ان کی وفات ہوئی، ملا عبد القادر نے

’شیخ امم بود‘ سے تاریخ وفات کہی ہے (۳)۔

تصنیفات | شیخ یعقوب اپنے عہد کے بلند پایہ عالم تھے، ملا عبد القادر ان کے بے حد مداح

تھے، ابوالفضل نے بھی ان کو مذہبی امور کا مستند عالم قرار دیا ہے (۴)، انہوں نے درس و تدریس

اور ملکی سیاسی مشغولیات کے ساتھ مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں جن سے ان کی علمی بزرگی کا اندازہ

ہوتا ہے:

۱۔ تفسیر القرآن (فارسی): ملا عبد القادر نے اس تفسیر کو ان کی ذہانت کا اعلیٰ نمونہ بتایا ہے (۵)

یہ تفسیر مکمل ہونے کو قریب تھی کہ ان کا وقت موعود آ پہنچا اور یہ عظیم الشان کارنامہ نامکمل رہ گیا، اس

کا ایک قلمی نسخہ مکتوبہ رمضان ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء بہ قلم روح اللہ بن نذیر بیگ، ذخیرہ شیرانی، پنجاب

یونیورسٹی لاہور میں موجود ہے (۶)۔

(۱) محبت الحسن، کشمیر سلاطین کے عہد میں، ص ۲۵۰، ۲۸۹-۲۹۰ (۲) بدایونی، ج ۳، ص ۱۴۲ (۳) ایضاً،

ص ۱۴۸ (۴) محبت الحسن، کشمیر سلاطین کے عہد میں، ص ۴۰۱ (۵) بدایونی، ج ۳، ص ۱۴۲ (۶) ڈاکٹر محمد

بشیر حسین، ج ۱، ص ۱۔

۲۔ مثنوی مغازی النبی ﷺ (فارسی): اس کی تالیف ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء میں ہوئی، اس کا بھی ایک قلمی نسخہ ذخیرہ شیرانی میں محفوظ ہے، ڈاکٹر بشیر حسین کے بیان کے مطابق یہ مثنوی لاہور سے طبع ہو چکی ہے (۱)۔

محبت الحسن کا بیان ہے کہ نظامی کے تتبع میں بھی انہوں نے کئی مثنویاں لکھیں (۲)، مولانا عبدالحی نے ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کے نام گنائے ہیں:

۱۔ شرح صحیح بخاری، ۲۔ مسلک الاخیار، ۳۔ مناسک حج، ۴۔ روائح، ۵۔ شرح رباعیات، ۶۔ رسالہ اذکار، ۷۔ رسالہ مقامات، ۸۔ حواشی تلوتح در اصول فقہ، ۹۔ جواہر خمسہ بطرز خمسہ جامی (۳)۔

مگر یہ تمام کتابیں ناپید ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے ابوالفیض فیضی کی تفسیر ”سواطع الالہام“ پر ایک تقریظ بھی لکھی ہے جس سے ان کی عربی پر قدرت اور علوم قرآن سے شغف کا اندازہ ہوتا ہے، فیضی کے تذکرہ میں اس تقریظ کے اقتباسات آگے درج ہیں۔



(۱) ڈاکٹر محمد بشیر، ج ۱، ص ۱۹ (۲) محبت الحسن، ص ۲۰۲ (۳) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۲۳۹۔

شیخ ابوالفیض فیضی

ابتدائی حالات | نام ابوالفیض، تخلص فیضی اور فیاضی تھا، یہ شیخ مبارک ناگوری کاسب سے بڑا لڑکا اور ذہانت و فطانت میں عدیم المثال تھا، ۹۵۴ھ ۱۵۴۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ مبارک سے پائی، جنہوں نے اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ کی، چنانچہ فیضی نہایت کم سنی میں فارغ التحصیل ہو کر درجہ کمال کو پہنچ گیا، اس کا اعتراف خود فیضی نے اپنے دیوان کے آغاز میں کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

”ولی نعمت من پدر حقیقی و خدائے مجازی است کہ از ریحان و ریحان
طفولیت کہ عقل ہیولانی در شتم صور معنی بمن والی نمود، قریحہ جامدہ را بہ بلندی را
ہمنون شد۔“

فیضی کی تمام تعلیم و تربیت اس کے والد ہی نے کی البتہ وہ خواجہ حسین ہروی کے فیض صحبت سے بھی مستفید ہوا اور مختلف علوم و فنون میں کامل ہو گیا، شعر، معرہ گوئی، فن عروض و قافیہ، تاریخ، لغت، طب، انشاء، علم ہیئت و ہندسہ، غرض ہر فن میں اس کو مکمل عبور حاصل تھا، عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں میں بھی اس کو مہارت تامہ حاصل تھی۔

دربار شاہی میں رسائی | فیضی جب بڑا ہوا تو تلاشِ معاش میں اپنے والد کے ہم راہ شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے منصب کا طلب گار ہوا، مگر شیخ عبدالنبی اس کے والد سے خلش رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اس پر اور اس کے والد پر شیعیت کا الزام رکھ کر ان دونوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا (۱)، یہی نہیں بلکہ شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک نے ان کی شکایت بادشاہ سے بھی کی اور اس وقت ان دونوں کو دربار شاہی میں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا، جس کے نتیجہ میں شیخ مبارک اور اس کے لڑکوں کو آگرہ چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔

(۱) شاہ نواز خان، ماثر الامراء، ج ۲، اردو گانڈ پریس کلکتہ، ۱۸۹۰ء، ص ۵۸۶۔

۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء میں فیضی اپنی شاعری کی بہ دولت دربار شاہی میں باریاب ہوا، اس وقت اس کی عمر اکیس برس کی تھی، وہ جب دربار میں پہنچا تو ایک نقرئی پنجرہ کے پاس سے جہاں وہ کھڑا تھا، اس نے برجستہ ایک قطعہ کہا:

بادشاہان درون پنجرہ ام از سر لطف خود مرا جادہ
زانکہ من طوطی شکر خوائم جائے طوطی درون پنجرہ بہ
یہ فی البدیہ قطعہ بادشاہ کو بہت پسند آیا، اس نے فوراً اس کو اپنے قریب بلایا، چنانچہ اسی روز سے فیضی کو تقرب شاہی حاصل ہوا، اس کے چند روز بعد اس نے ڈھائی سوا شعرا پر مشتمل ایک پرزور قصیدہ بادشاہ کی شان میں کہا، جس کا مطلع یہ تھا:

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی رسید ہم چو سعادت کشادہ پیشانی
دربار میں قدر و منزلت | فیضی روز بہ روز اکبر کا محبوب ہوتا چلا گیا اور شاہی دربار میں اس کی قدر و منزلت کافی بڑھ گئی، چنانچہ اکبر جب کسی مہم پر جاتا تو اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا تھا، ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء میں بنگال کی مہم میں وہ اکبر کے ہم رکاب تھا (۱)، ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء میں وہ دو آب یعنی ستلج اور بیانہ کے درمیانی علاقہ کا صدر بنا دیا گیا (۲)، ۹۹۳ھ / ۱۵۸۳ء میں یوسف زئی پٹھانوں کی سرکوبی کے لیے جو شاہی لشکر بھیجا گیا اس میں بھی فیضی کو شامل کیا گیا تھا۔

سلطنت کے انتظامی امور میں رائے و مشورہ | فیضی دن بہ دن اپنی گونا گوں صلاحیتوں کی بنا پر سلطنت کے انتظامی امور و معاملات میں دخیل ہوتا چلا گیا، ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں اکبر نے اہل الرائے مشیروں کی ایک مجلس بلائی جس میں ان سے سلطنت کے معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور تجارتی اصلاحات کے متعلق رائیں طلب کیں، اس مجلس میں شہزادہ سلیم، خان اعظم، مرزا عزیز کوکہ، خان خاناں، راجہ ٹودرمل، مرزا یوسف خان، راجہ بیرمل، قاسم خان اور شیخ جمال جیسے اساطین سلطنت کے ساتھ فیضی اور اس کے بھائی ابوالفضل کو بھی شریک کیا گیا تھا، اس مجلس میں فیضی نے اپنی اہم اور قیمتی رائے یہ دی کہ:

(۱) ابوالفضل علانی، اکبرنامہ، حصہ ۳، بشپ مشن پریس، کلکتہ، ۱۸۸۶ء، ص ۸۷۔ (۲) بدایونی، ج ۲،

ص ۲۹۹۔

”شہر میں تجربہ کار اور رحم دل نگہبان مقرر کیے جائیں جو اشیا کی قیمتوں کی نگرانی کر سکیں۔“

چنانچہ ۹۹۱ھ / ۱۵۸۳ء میں اکبر نے اپنے نظام سلطنت پر نظر ثانی کی اور مختلف محکموں کو دیانت دار اور تجربہ کار امرا کے حوالہ کیا، محل شاہی کے اندرونی معاملات کی نگرانی شہزادہ سلیم کے سپرد کی گئی اور اس کی معاونت کے لیے مرزا خان، فتح اللہ شیرازی اور فیضی مامور کیے گئے (۱)۔

ملک الشعرا کا خطاب | اکبر کے دربار میں غزالی مشہدی ملک الشعرا کے خطاب سے موصوف تھا، اس کی وفات کے بعد جب فیضی نے اپنا مہابھارت کا منظوم ترجمہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے فیضی کو ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا۔

ملکی سفارت | ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء میں اکبر نے فیضی کو خاندیس کے فرماں روا راجہ علی خان کے پاس اپنا اپچی خاص بنا کر بھیجا، فیضی نے اس سفارت کے فرایض نہایت حسن و خوبی سے انجام دیے، برہان پور پہنچ کر اس نے ایک دربار آراستہ کیا، جس میں تخت پر شاہی تلوار، خلعت اور فرمان رکھا، راجہ علی خان اس تخت کے سامنے حاضر ہوا اور تسلیمیں بجالا کر شاہی فرمان حاصل کیا۔

برہان پور سے وہ احمد نگر برہان شاہ سے جا کر ملا، اس سفر میں اس کی ملاقات ملک قتی اور ظہوری سے بھی ہوئی، ان کے اشعار سے محظوظ ہوا اور جو پسند آئے ان کو لکھ بھیجا، اس سفارت میں فیضی کے ایک سال آٹھ مہینے چودہ دن صرف ہوئے، ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء میں وہ جب واپس آیا تو اکبر نے اس کا پر تپاک خیر مقدم کیا اور اس کو نعمتوں سے مالا مال کیا (۲)۔

دین الہی کے فروغ میں فیضی کا کردار | اکبر شروع میں علما و مشائخ کا بڑا قدردان اور معتقد تھا مگر ان کے شدید باہمی اختلافات سے وہ سخت بددل ہو گیا اور ان کے مذہبی اختیار کے خلاف اس نے ملا مبارک سے محضرتیار کرایا، جس کی بنا پر اختلافی مسائل میں فیصلہ کا حق اس کو حاصل ہو گیا، اس محضر کے بعد اکبر کے دربار میں مختلف اقوام و ملل کے لوگ شرکت کرنے لگے اور انہوں نے اس کو جگت گرو کہنا شروع کیا اور اپنی مذہبی کتابوں سے یہ ثابت کرنے لگے کہ اکبر اقوام و ادیان

(۱) ابوالفضل، اکبر نامہ، ص ۳۸۰۔ (۲) ایضاً، ص ۶۳۹۔

کے اختلاف کو مٹادے گا، اکبر کو سلطنت کے ساتھ مذہبی پیشوائی کا منصب بھی محض کے بعد حاصل ہو گیا تھا، اس لیے اس کو وحدت ادیان کا نظریہ بہت پسند آیا اور اس نے اسی نہج پر لوگوں کے لیے احکام جاری کرنے شروع کیے اور اس کے خوشامدی درباریوں نے اس کی تائید کی۔ اکبر کے اس نئے طریقہ کار سے عوام میں یہ بات پھیل گئی کہ وہ مدعی نبوت ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں تھا، البتہ اس نے مریدان شاہی کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کے عجیب و غریب اصول و ضوابط مقرر کیے تھے اور اس سے غلط فہمیاں پیدا ہونے کا پورا امکان تھا اور چوں کہ اس بارے میں فیضی اور اس کے بھائی ابوالفضل نے نمایاں حصہ لیا تھا، اس لیے ان کے سلسلہ میں یہ بات مشہور ہوئی کہ اکبر کو دین حق سے منحرف کرنے میں ان دونوں بھائیوں کا بڑا ہاتھ ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ فیضی نے اپنے محبوب آقا کی خوش نودی میں مسلم طریقہ زندگی سے ہٹ کر روش اختیار کی، جس کی بنا پر علما اور مذہبی طبقہ کو اس سے ناراضگی پیدا ہوئی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو اسی عہد میں تھے اور فیضی سے ان کے گہرے مراسم تھے، انہوں نے بھی اس سے قطع تعلق کر لیا اور اس کے بارے میں اور اس نئے نظام کے حاملین کے سلسلہ میں ان کی رائے یہ تھی:

”فیضی اگرچہ کہ در فصاحت و بلاغت و متانت و رصانت سخن ممتاز روزگار بود لیکن حیف کہ بہ جہت وقوع و ہبوط در ہاویہ کفر و ضلالت رقم انگار دو ادبار بر ناصیہ احوال خود کشیدہ زبان اہل دین و ملت جناب نبوت را از بردن نام وے و نام جماعت شوم وے باک است تا ب اللہ علیہم ان کانوا مومنین“ (۱)۔

لیکن اس کے باوجود اپنے زمانہ میں فیضی کی شخصیت غیر معمولی سمجھی جاتی تھی اور خود فیضی نے اپنی کسی تصنیف میں ان عقاید و نظریات کا اظہار نہیں کیا ہے جو اس کی جانب منسوب کیے

(۱) خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، خواجہ برقی پریس، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء، ص ۲۲۳۔ بحوالہ شیخ عبدالحق، فہرست التالیف، قلمی۔

جاتے ہیں۔

وفات | ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ / ۶ اکتوبر ۱۵۹۵ء کو اتوار کے دن ضیق النفس کی بیماری میں سفر آخرت اختیار کیا، جب وہ عالم نزع میں پہنچا تو اکبر کو خبر کی گئی، باوجودیکہ نصف شب گزر چکی تھی مگر اکبر اسی وقت اپنے محبوب دوست کے گھر شاہی حکیم لے کر پہنچا اور مضطربانہ فیضی کا سر پکڑ کر بولا ”شیخ جیو، بولو، حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، بولتے کیوں نہیں“، مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے اسے جھنجھوڑا لیکن اس کی روح پرواز کر چکی تھی، اکبر نے صدمہ میں اپنے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی (۱)۔

ابوالفضل نے ”آئین اکبری“ میں اس کی خوبیوں کے متعلق لکھا ہے کہ:

”وہ فطرتاً شگفتہ مزاج، کشادہ دست بیدار مغز اور سحر خیز تھا، بادشاہ کا

خاص ارادت مند اور صلح کل اس کا مشرب تھا، اس کی بہترین عادتیں اس کے

فضائل کا باعث ہیں، اس کے گھر کا دروازہ دوست، دشمن اپنے بیگانے سب کے

لیے کھلا رہتا تھا، اس کا مکان غربا کی پناہ گاہ تھا، اس نے کبھی دست سوال دراز

نہیں کیا اور نہ کبھی انعام و بخشش کا آرزو مند ہوا“۔ (۲)

وفات کے بعد فیضی کے متروکہ میں چار ہزار چھ سو مجلد نفیس کتابیں نکلیں، ان میں اکثر

کتابیں خود اسی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اور یہ سب شاہی کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں (۳)۔

تصنیفات | ماثر الامرا میں ہے کہ فیضی نے سو کتابیں لکھیں (۴)، فیضی کی تمام کتابوں

کی تفصیلات معلوم نہیں ہیں، جن کتابوں کے بارے میں تفصیلات فراہم ہوئی ہیں وہ حسب

ذیل ہیں:

۱- موارد الکلم: یہ علم اخلاق میں ایک غیر منقوط کتاب ہے، جس میں فیضی نے انشا پر دازی

کا جوہر دکھایا ہے۔

۲- مرکز ادوار: نظامی کی مخزن اسرار کے مقابلہ میں یہ مثنوی لکھی، اس میں چار ہزار اشعار تھے۔

(۱) بدایونی، ج ۲، ص ۴۰۶۔ (۲) ابوالفضل علّامی، آئین اکبری، ص ۱۶۸۔ (۳) بدایونی، ج ۳، ص ۳۰۵۔

(۴) شاہ نواز خان، ج ۲، ص ۵۸۷۔

۳- نل و دمن: لیلیٰ مجنوں کے طرز پر ایک ہندوستانی قصہ کو نظم کیا ہے، یہ بھی چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے، ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴ء میں فیضی نے نل و دمن لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی اور اس کی بہت تعریف ہوئی (۱)۔

۴- ہفت کشور: ہفت پیکر کے طرز پر یہ مثنوی لکھی جس میں پانچ ہزار اشعار تھے۔

۵- اکبر نامہ: سکندر نامہ کے انداز پر اکبر نامہ لکھنے کا ارادہ کیا مگر یہ نامکمل رہا۔

۶- سلیمان و بلقیس: یہ بھی ناقص ہے، اس کو ابوالفضل نے اکبر نامہ میں نقل کیا ہے (۲)۔

ان کے علاوہ فیضی نے سنسکرت سے مہا بھارت کا منظوم ترجمہ اور اتھرویں اور لیلادتی کے ترجمے بھی کیے، اس نے اپنے دیوان کا نام ”طباشیر لصبیح“ رکھا جس میں تقریباً نو ہزار اشعار تھے، اس کے خطوط کا بھی ایک مجموعہ ”لطائف فیضی“ کے نام سے مرتب کیا گیا ہے۔

تفسیر سواطع الالہام | فیضی کی شاہکار تصنیف اس کی تفسیر سواطع الالہام ہے، یہ تفسیر غیر منقوٹ الفاظ میں لکھی گئی ہے، جس سے عربی پر اس کی غیر معمولی قدرت اور اس کی اعلا لیاقت و ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے، غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

”برہان فضیلت شیخ فیضی سواطع الالہام تفسیر بے نقاط است کہ دریں ہزار سال پیشتر ہیچ مستعدی را میسر نہ شد، طرفہ ایں کہ چنیں کار دشوار در عرصہ دو سال از مبداء بہ منتہی رسانید“ (۳)۔

یہ تفسیر ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء میں نول کشور پریس، لکھنؤ سے نہایت اہتمام کے ساتھ طبع ہو چکی ہے، مطبوعہ نسخے کے سرورق پر حسب ذیل غیر منقوٹ عبارت درج ہے:

”هو الله لا اله الا هو علم ادم الاسماء كلها، اللهم لك الحمد لما كمل رسم طوس مكل هو لصدع كلام الله او اصرح ما اول سماء عامله الهام سواطع الالهام للعالم الطمطم والكامل الهام ابو الفيض فيضي و صحه العلماء الاعلام و

(۱) ابوالفضل، اکبر نامہ، ج ۳، ص ۶۶۱۔ (۲) ایضاً، ص ۶۷۷۔ (۳) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۱۹۹۔

الکملاء الکرام۔“

تفسیر کے آخر میں حروف تہجی کے اعتبار سے مشکل الفاظ کے معانی بھی ایک علاحدہ باب میں بیان کیے گئے ہیں اور اس باب کا نام حل معاصر سواطع الالہام رکھا گیا ہے، مہتممین طباعت کی جانب سے دو غیر منقوط تقریظیں بھی اس میں شامل کی گئی ہیں اور تفسیر کے کاتب منشی اشرف علی نے مندرجہ ذیل قطعہ سے اس کی تاریخ طباعت بھی بیان کی ہے:

گشت مطبوع نسخہ عالی فیض بخش دل صغیر و کبیر
اشرف نکتہ سنج تاریخش گفت شد طبع بے نقط تفسیر

۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء

تفسیر فیضی کے بارہ میں علما کے خیالات | فیضی کے عقاید و خیالات جو کچھ بھی رہے ہوں، اس کی تفسیر میں آزاد خیالی کی ادنی جھلک بھی نظر نہیں آتی ہے، ملا عبد القادر بدایونی چوں کہ اس کے سخت مخالف اور ناقد تھے، اس لیے انہوں نے اس کی بے دینی و بے راہ روی کے ذیل میں اس کی تفسیر کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے:

”تفسیر بے نقط برائے شستین بدنامی کہ تادرو روز جزا بصد آب دریا

شستہ نہ گردد، در عین حالت مستی و جنابت می نوشت، و سگان آن را از ہر طرف

پا عمال می ساختند“ (۱)۔

در حقیقت ملا عبد القادر کے اسی انداز کے بیانات سے فیضی کی شخصیت آج تک مورخین و علما کے درمیان مابہ النزاع بنی ہوئی ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفسیر میں اپنے عقاید کے اظہار سے اس کے لیے کیا چیز مانع تھی؟ محمد حسین آزاد کے یہ قول:

”زبانی باتوں میں ملا صاحب جو چاہیں کہیں مگر نفس مطالب میں

جب نہ اب کوئی دم نہیں مار سکتا، ورنہ ظاہر ہے کہ وہ بے دینی اور بد نفسی پر

آجاتے تو جو چاہتے لکھ جاتے انہیں ڈر کس کا تھا“ (۲)۔

(۱) بدایونی، ج ۳، ص ۳۰۰۔ (۲) محمد حسین آزاد، دربار اکبری، شاہی برقی پریس، لکھنؤ، بدون تاریخ،

ص ۲۳۰۔

تفسیر سواطع الالہام کے مضمون کے بارے میں مولانا شبلی رقم طراز ہیں:

”فیضی نے یہ تفسیر ان واقعات کے بعد لکھی ہے لیکن ایک ذرہ مسلمات کی شاہ راہ سے نہیں ہٹا، حالاں کہ تفسیر میں ہر قدم پر اس کو آزاد خیالی دکھانے کا موقع حاصل تھا، ملا صاحب تو فرماتے ہیں کہ وہ تمام عقاید اسلام کا منکر تھا لیکن وہ ان تمام عقاید کا معترف نظر آتا ہے، جن کو معتقدات عوام کہتے ہیں، سچ تو یہ کہ فیضی کی مذہبی آزادی ہم جو کچھ سنتے ہیں زبانی سنتے ہیں، تصنیفات میں تو وہ ملائے مسجد ہی نظر آتا ہے“ (۱)۔

ملا صاحب کا یہ بیان کہ یہ تفسیر نشہ اور جنابت کی حالت میں لکھی گئی اور اس کے مسودے پر کتے لوٹا کرتے تھے، اس لیے بھی درست نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی تالیف کے دوران فیضی کے تعلقات اس عہد کے کبار علما سے استوار تھے اور وہ اس کام میں اس کی معاونت بھی کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی زبدۃ المقامات میں لکھتے ہیں:

”ایک روز مجدد صاحب ابوالفضل کے بھائی فیضی کے گھر تشریف لے گئے، اس وقت وہ تفسیر غیر معجمہ لکھنے میں مشغول تھا، مجدد صاحب کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور کہا کہ آپ اچھے وقت آئے، میری تفسیر میں ایک مقام ایسا آپڑا ہے جہاں ادائیگی مطلب کے لیے غیر منقوط الفاظ مجھ کو نہیں مل رہے ہیں مجدد صاحب نے باوجودیکہ ان کو غیر منقوط عبارت لکھنے کا ملکہ حاصل نہ تھا، اس مقام کی تفسیر غایت فصیح و بلیغ عبارت میں لکھ دی جس کو دیکھ کر فیضی تیراں رہ گیا“۔ (۲)

مجدد صاحب کے دوسرے سوانح نگار مولانا بدرالدین سرہندی نے بھی حضرات القدس میں لکھا ہے کہ انہوں نے تفسیر غیر منقوط لکھنے میں فیضی کی بڑی مدد کی تھی اور اس کا ایک حصہ اسے لکھ کر دیا تھا، اس امر کی تائید بختاور خان نے بھی مرآۃ العالم میں کی ہے۔

(۱) مولانا شبلی نعمانی، شعر العجم، حصہ ۳، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۲۰ء، ص ۵۲۔ (۲) خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، محمود پریس، لکھنؤ، ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۳ء، ص ۱۳۲۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عہد اکبری کے مقتدر علمائے اس تفسیر پر تقریظیں لکھی ہیں، سواطع الالہام میں درج ذیل علما کی تقریظیں موجود ہیں:

- ۱- شیخ یعقوب صرہی کشمیری، ۲- قاضی نور اللہ شوستری، ۳- مولانا جمال تلہ، ۴- احمد بن مصطفیٰ الشریف الحسینی، ۵- امان اللہ بن غازی السہرہندی۔

ان کے علاوہ اس دور کے دواہم شاعر ظہوری اور حیدر رفسعی طباطبائی معنائی نے بھی اس تفسیر پر منظوم نراج عقیدت پیش کیا ہے۔

تفسیر سواطع الالہام پر جتنی تقریظیں لکھی گئیں وہ سب عربی میں تھیں اور تمام لوگوں نے اس تفسیر کی نہایت مدح سرائی کی ہے اور خود بدایونی کے بیان کے مطابق یہ تمام علما جن کی تقاریظ اس تفسیر پر موجود ہیں، اپنے عہد کے صاحبان صلاح و تقویٰ اور جامع کمالات تھے (۱)، غور طلب بات ہے کہ کیا ان علما کو یہ پتا نہ تھا کہ یہ تفسیر کس حالت میں لکھی گئی ہے اور اس کے لکھنے والے کا عقیدہ و مسلک کیا ہے؟ الچسپ بات تو یہ ہے کہ اس قدر مخالفت کے باوجود خود ملا صاحب نے اس تفسیر کی تاریخ کہی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”و فقیر من احسن التفاسیر بسم اللہ الرحمان الرحیم

علم القرآن، تاریخ یافت، توقیعی نوشت بتقریبی در محل خود مذکور گردد“۔ (۲)

اسی سے ملا صاحب کی تضاد بیانی اور بہ قول مولانا آزاد بے لچک تنگ نظری کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فیضی کی مخالفت میں اس پر گھناؤنے الزامات بھی لگاتے ہیں اور خود ”احسن التفاسیر“ سے اس کی تاریخ نکالتے ہیں۔

تفسیر سواطع الالہام کی خصوصیات | تفسیر سواطع الالہام ایک حیرت انگیز علمی کارنامہ ہے، جس کی نظیر فصاحت و بلاغت کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے، اس تفسیر کے آغاز میں فیضی نے ایک مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے جو دو حصوں میں ہے، پہلے حصہ میں اس نے اپنا اور اپنے اہل خاندان کا تعارف کرایا ہے اور جلال الدین محمد اکبر کی بڑی مدح سرائی کی ہے، اپنے عہد کے اہم مقامات کی تفصیل بھی لکھی ہے جس سے اس دور کی علمی اور سیاسی زندگی پر خاص روشنی پڑتی ہے۔

(۱) بدایونی، ج ۳، ص ۱۰۵، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹۔ (۲) ایضاً، ص ۹۳۔

مقدمہ کے دوسرے حصہ میں فیضی نے علوم القرآن پر بحث و گفتگو کی ہے اور تمام موضوعات کو اس نے مختلف فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر فصل کو اس نے ساطعہ کا نام دیا ہے اس کے بعض سواطع کافی مختصر اور بعض خاصے طویل ہیں، جن سے اس کی حیرت انگیز علمی لیاقت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، مقدمہ کے پہلے حصہ کے خاتمہ پر خود فیضی نے اپنے اس انوکھے کارنامہ کی تحسین اشعار میں کی ہے اور یہ اشعار بھی اس نے غیر منقوط الفاظ میں کہے ہیں، ان کا مطلع ملاحظہ ہو:

الواح سحر ام طلسم مکرم ☆ لاسرار روح للسواطع ملهم (۱)
فیضی کو صنعت مہملہ کے اہتمام کی وجہ سے اپنی تفسیر میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، چنانچہ منقوط ناموں کو اس نے عجیب معنائی انداز میں لکھا ہے، مثلاً اپنے والد شیخ مبارک کا ذکر اس طرح کیا ہے:

”هو اساس العلم و اصل الروع و مطلع الالهام و عمر اس

الرؤس و امام الکرام“۔ (۲)

فیضی نے مقدمہ میں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ کس طرح اس کے ذہن میں یہ تفسیر لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور جب اس نے اس کا کچھ حصہ لکھ کر اپنے والد کو دکھایا تو وہ بہت مسرور ہوئے اور بعض مقامات میں اصلاح بھی کی (۳)۔

فیضی کے بیان کے مطابق اس تفسیر کی تکمیل لاہور میں ہوئی، فیضی کو اس شہر سے خاص انس تھا، جس کا ذکر اس نے اس طرح لیا ہے:

”سواطع الالهام ایک ایسا شاہکار علمی کارنامہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ

نے گویا الہام کے ذریعہ مکمل کرایا ہے، یہ اہم کارنامہ دارالکمال لاہور میں انجام

پذیر ہوا، جو ایک وسیع اور پر رونق شہر ہے، جس کو علما اور باکمال بزرگوں کے

مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ شہر قفلوں کا نشانہ منزل اور اہل عرفان کی

(۱) شیخ ابوالفیض فیضی، تفسیر سواطع الالهام، نول کشور پریس، ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء، ص ۹۔ (۲) ایضاً، ص ۵۔

(۳) ایضاً، ص ۸۔

گذرگاہ ہے اور بادشاہوں کے لیے مناسب اور موزوں ترین چھاؤنی کا درجہ

رکھتا ہے۔ (۱)

فیضی کے انداز بیان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس تفسیر کے بارے میں اس دور میں بھی عوام الناس غلط فہمی میں مبتلا تھے اور فیضی کے سیاسی حریف اس کی بدنمائی میں لگے ہوئے تھے، جس کے سدباب کے لیے اس دور کے مقتدر علمائے اس کی تائید میں تقریظیں لکھیں، فیضی کا بیان ہے:

”سواطع الالہام ایک عمدہ اور پاکیزہ کتاب ہے، یہ اسم بامسمیٰ کے طور

پر رفعت و بلندی میں نمایاں ہے، انصاف پسند اور صاحبان تقویٰ علمائے جب

اس تفسیر کا بغور مطالعہ کیا تو اس کی نازک بیانی اور نادر الخیالی پردنگ رہ گئے، جب

کہ یہ سب لوگ علم کے بادشاہ ہیں، ان لوگوں نے اس تفسیر کی تعریف میں تقریظیں

لکھیں اور فیصلہ کیا کہ یہ متوازن اور وہم و گمان یا ذاتی رجحان سے مبرا کتاب ہے،

تاہم اس کی اہمیت کا انکار محض خاین اور متعصب لوگوں کو ہے۔ (۲)

فیضی نے اسی ضمن میں علمائے حق اور علمائے سوء کے امتیازات بھی بیان کیے ہیں جن

سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلا اخلاقی قدروں کے حامل علما کا وہ قدردان اور معترف تھا، وہ لکھتا ہے:

”علمائے حق نیک بخت لوگ ہیں، ان کی پوری توجہ مذہب اسلام

کے فروغ پر مرکوز ہوا کرتی ہے، ان کو اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی سے خوشی

ہوتی ہے، ان کا مقصود محض رضائے الہی اور اس کے احکامات کی نشر و اشاعت

ہوتا ہے۔

علمائے اسلام کے بدترین خاین افراد ہوتے ہیں، یہ لوگ اللہ اور

اس کے رسول کے دشمن ہیں، یہ لوگ کلام اللہ اور کلام رسول ﷺ میں تحریف

کرتے ہیں، ان کے کارنامے سیاہ اور خواہشیں دراز ہوتی ہیں، ان کے دل

برائیوں کے مرکز اور ان کا مقصود محض حصول دنیا ہوتا ہے، یہ لوگ عوام الناس کو

(۱) تفسیر سواطع الالہام، ص ۹۔ (۲) ایضاً۔

تباہی و بربادی کی طرف لے جاتے ہیں۔ (۱)

پہلے گزر چکا ہے کہ تفسیر سواطع الالہام کے مقدمہ کا دوسرا جز علوم قرآن کے موضوع پر ہے، اس حصہ کا نام فیضی نے ”السواطع اللوامع لعلوم کلام اللہ العلام و اسرارہ الصوالح لصدر المرام“ رکھا ہے، اس حصہ میں فیضی نے نہایت موثر انداز میں کلام اللہ کی فضیلت و منقبت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

العلوم کلھا صداع الا علم کلام	کلام اللہ کے علم کے علاوہ سارے علوم عبث
اللہ و کل علم سواہ عطلہ و اہملہ	اور در دسر ہیں، ان کے علاوہ علم کو لغو اور قابل
لا اعد لمحامدہ ولا حد لمکارمہ	ترک سمجھو، اس علم کے فضائل بے پایاں
ولا حصر لرسومہ ولا احصاء	ہیں جن کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی اور
لعلومہ و ہوا امام اہل	نہ اس کے علوم کا احاطہ کیا جاسکتا ہے، اللہ کا
الاسلام و مدار اصل المرام و	کلام ہی مسلمانوں کا ہادی اور ان کو منزل
مصرح علم الحلال و الحرام	مقصود تک پہنچانے والا ہے، اسی سے حلال
و مطرح سرا لا و امر و الا حکام	و زام کی تمیز ہوتی ہے اور احکام و اوامر کی
و مصدر العلوم۔ (۲)	عقدہ کشائی ہوتی ہے، یہی کتاب سارے

علوم کا ماخذ ہے۔

پھر اس کے بعد فیضی نے مختلف سواطع میں نزول قرآن مجید، کیفیت نزول اور جمع و ترتیب قرآن وغیرہ کے موضوعات پر بحث کی ہے اور صدر اول کے حفاظ و رواۃ اور مفسرین کے اسما بھی تحریر کیے ہیں (۳)۔

مقدمہ کے آخر میں اس نے اللہ رب العزت کے حضور میں نیک عمل کی توفیق کی دعا مانگی ہے، جس سے اس کے مذہبی رجحان کی عکاسی ہوتی ہے، مختلف مقامات پر حضور اکرم ﷺ کا ذکر و الہانہ انداز میں کیا ہے (۴)، ایک جگہ لکھتا ہے:

”رسولوں میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور آخری پیغمبر حضرت

(۱) تفسیر سواطع الالہام، ص ۱۱۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً، ص ۱۱، ۱۲۔ (۴) ایضاً، ص ۲، ۳، ۱۰، ۲۰۔

محمد ﷺ ہیں جو تمام رسولوں میں سب سے برتر، اللہ کے رازداں اور قابل تعریف ہیں، آپ ﷺ کے کمالات سب سے بلند و بالا ہیں اور آپ ﷺ اللہ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں، آپ ﷺ کا پرچم سب سے بلند ہے اور آپ ﷺ ہی کے لیے لوائے حمد اور مقام محمود مختص ہے، آپ ﷺ کی دعائیں آسمان کی الواح کا نقش ہیں۔“ (۱)

تفسیر سواطع الالہام از ابتدائاً انتہائاً مکمل قرآن مجید پر مشتمل ہے، ہر سورہ کے آغاز میں فیضی نے مختصر لفظوں میں اس کا شان نزول بھی بیان کیا ہے اور یہ بھی وضاحت کی ہے کہ کون سورتیں مکی ہیں اور کون مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں، صنعت اہمال کی رعایت کی بنا پر اس نے مکی سورتوں کے لیے مورد ہا ام الرحم اور مدنی سورتوں کے لیے مورد ہا مصر رسول اللہ ﷺ کی اصطلاح وضع کی ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے:

”اللہ کی کتاب مختلف مواقع اور متعدد مقامات پر نازل ہوئی اور ان کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، مکی اور مدنی، میں نے اپنی تفسیر میں جن سورتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ام الرحم میں نازل ہوئیں، اس سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کا نزول قبل ہجرت مکہ مکرمہ میں یا اس کے اطراف مثلاً غار حراء وغیرہ میں ہوا، اسی میں وہ آیتیں بھی شامل ہیں جو ہجرت کے موقع پر مدینہ منورہ کے سفر میں اتریں اور جن سورتوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ مصر رسول اللہ ﷺ میں نازل ہوئیں تو اس سے مراد بعد ہجرت کی سورتیں ہیں، خواہ ان کا نزول مدینہ منورہ میں ہوا ہو یا اس کے علاوہ فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ ہی میں کیوں نہ ہوا ہو، مکی اور مدنی سورتوں کی یہی عام اور موزوں اصطلاح ہے۔“ (۲)

تفسیر سواطع الالہام کے مطالعہ سے یہ بخوبی پتا چلتا ہے کہ حروف مہملہ کی مکمل رعایت کے باوجود اس میں ادائے مطلب میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا ہے اور اسی بنا پر عہد اکبری کے ممتاز علما نے اس کی تعریف و تحسین کی ہے، شیخ یعقوب صرنی کشمیری جو اس دور کے ایک صاحب تصنیف مفسر

گزرے ہیں، اس کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

ولعمری انه لم یقتدر ولن
یقتدر احد من اساطین الکلام
علی ذالک الابرار و هو تفسیر
الکلام المجید و تاویل الفرقان
الحمید المرسوم ببدائع
الارقام والمرسوم بسواطع
الالهام، مامست مثله ایدی
الافکار ولم یکتحل بنظیره
اعین الاحقاب والاعصار (۱)

بہ خدا کبھی نہ تو کوئی عالم ایسی کتاب لکھ سکا
ہے اور نہ آئندہ لکھ سکے گا، جیسی عجوبہ
روزگار کتاب سواطع الالہام ہے، اس
سے پہلے انسانی تصور میں بھی یہ خیال
نہیں آیا اور نہ صدیوں میں اس کی کوئی
نظیر ملتی ہے۔

فیضی کے اس عجوبہ روزگار کا نامہ کی تعریف میں شیخ یعقوب صرنی نے یہاں تک لکھ
دیا ہے کہ:

فواللہ لم یکن الفوز باختراع
هذا التفسیر الخارج عن
الطوق الانسانی الا بسوانح
اللقاء السبحانی و سواطع
الالهام الربانی (۲)

خدا تعالیٰ کی قسم انسان کے تصور و خیال
سے باہر اس تفسیر کے لکھنے میں کامیابی
حاصل ہونا محض اللہ جل سبحانہ و تعالیٰ کی
جانب سے القاء والہام کے نتیجہ میں ہوا
ہے۔



(۱) تفسیر سواطع الالہام، ص ۷۳۹۔ (۲) ایضاً، ص ۷۴۰۔

شیخ منور بن عبد الحمید لاہوری

ابتدائی حالات | نام منور اور والد کا نام عبد الحمید ہے، سلسلہ نسب یوں ہے:

شیخ منور بن عبد الحمید بن عبد الشکور بن سلیمان بن اسرائیل لاہوری (۱)، لاہور میں پیدا ہوئے، اس کے علاوہ ان کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہیں۔

تعلیم | ابتدائی تعلیم اپنے ماموں شیخ سعد اللہ بن ابراہیم لاہوری سے حاصل کی (۲)، شیخ اسحاق کا کولاہوری سے بھی ان کو شرف تلمذ حاصل ہے جو اس عہد کے بیشتر لاہوری علما کے استاد تھے، جن میں ان کے ماموں شیخ سعد اللہ بھی شامل ہیں (۳)۔

بیس برس کی عمر میں مروجہ علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہو گئے، حافظہ قوی تھا، فن تجوید و قرأت سے خاص مناسبت تھی، اس فن میں وہ اپنے تمام ساتھیوں سے فائق تھے (۴)، بختاور خاں نے ان کے حافظہ کا یہ حال لکھا ہے کہ تفسیر کی بہت سے کتابیں ان کو زبانی یاد تھیں بالخصوص تفسیر بیضاوی ان کو مکمل حفظ تھی (۵)۔

درس و تدریس | نظام الدین احمد بخشی کا بیان ہے کہ وہ اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے اور انہوں نے سالہا سال درس و افادہ میں بسر کیے (۶)۔

دربار شاہی میں رسائی | شیخ منور کے علم و فضل کا شہرہ بادشاہ جلال الدین محمد اکبر تک پہنچا تو اس نے انہیں دربار شاہی میں طلب کیا اور اپنے مقربین خاص میں شامل کر لیا اور ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام کے ساتھ پیش آتا تھا (۷)، غالباً یہ اکبر کا ابتدائی دور تھا جب وہ علما و صلیحا کا معتقد و قدرداں تھا، چنانچہ ۹۸۵ھ/۱۵۷۷ء میں وہ دربار شاہی سے مالوہ کے گورنر بنا کر

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۴۱۱۔ (۲) بختاور خاں، مرآة العالم، ظفر پرنٹرز، لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۴۳۶۔

(۳) بدایونی، ج ۳، ص ۵۲۔ (۴) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۴۱۱۔ (۵) بختاور خاں، ص ۴۳۶۔

(۶) نظام الدین بخشی، ج ۲، ص ۴۶۱۔ (۷) بختاور خاں، ص ۴۳۶۔

روانہ کیے گئے جہاں وہ دس سال تک اس منصب پر رہے (۱)، ملا عبد القادر بدایونی کے بیان کے مطابق ان کی مالوہ کی گورنری درحقیقت ایک طرح کی جلاوطنی تھی جو اکبر نے متعدد دلاہور علما کے ساتھ کی تھی (۲)۔

قید و بند | ۹۹۵ھ/۱۵۸۶ء میں وہ مالوہ کی گورنری سے معزول کر دیے گئے اور گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیے گئے (۳)، بختاور خان کے بیان کے مطابق عہد اکبری میں علما پر مظالم کا سلسلہ شروع ہوا یہ اس کا ایک حصہ تھا (۴)، غرض پانچ برس وہ گوالیار میں قید رہے اور اسی میں انہوں نے حالت اسیری میں اپنی تفسیر ”الدار النظیم فی ترتیب الآی و سور القرآن الکریم“ لکھی، حالت قید و بند میں اس عظیم الشان علمی کارنامہ کی تکمیل سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان کے حافظہ کے بارے میں تذکرہ نگاروں کے بیانات مبالغہ آرائی پر مبنی نہیں ہیں۔

وفات | اکبر کے آخری زمانہ میں ان پر مظالم کا سلسلہ مزید سخت کر دیا گیا، ان کی تمام املاک کو ضبط کر لیا گیا جن میں ان کی ڈیڑھ ہزار کتابوں کا سرمایہ بھی شامل تھا، صرف ان کے پاس ان کی تفسیر الدار النظیم باقی بچی، اکبر کی سختیوں کے نتیجہ میں ۱۲ رذی القعدہ ۱۰۱۱ھ/۱۳ اپریل ۱۶۰۳ء کو حالت قید ہی میں ان کی وفات ہوئی، مولانا عبدالحی کے بیان کے مطابق انتقال سے پہلے وہ آگرہ منتقل کر دیے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا (۵)، بختاور خاں کا بیان ہے کہ قلعہ گوالیار ہی میں ان کی وفات ہوئی (۶)۔

گلزار ابرار کی روایت ہے کہ آگرہ کے عام قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی، چار سال بعد ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء میں ان کے لڑکے ان کا جسد آگرہ سے نکال کر لاہور لے گئے اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کیا (۷)۔

ازواج و اولاد | ان کے صرف ایک لڑکے شیخ کبیر کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے، ملا عبد القادر بدایونی کے بیان کے مطابق وہ علم و فضل میں اپنے والد کے جانشین تھے (۸)۔

- (۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۴۱۱۔ (۲) بدایونی، ج ۲، ص ۷۷۔ (۳) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۴۱۲۔ (۴) بختاور خاں، ص ۴۳۶۔ (۵) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۴۱۲۔ (۶) بختاور خاں، ص ۴۳۶۔ (۷) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۴۱۲۔ (۸) بدایونی، ج ۳، ص ۱۰۶۔

تصنیفات | شیخ منور کی متعدد کتابوں کے نام تذکرہ کی کتابوں میں ملتے ہیں مگر ان کی کوئی تصنیف دست یاب نہیں ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- الدر النظیم فی ترتیب الآی وسور القرآن الکریم : علم تفسیر پر ان کی یہ کتاب تھی، اس کے عنوان ہی سے پتا چلتا ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں کے درمیان ربط و تناسب اس کا موضوع تھا، غالباً امام بقاعی کی تصنیف تناسب الدرر کے نہج پر یہ کتاب تھی۔

۲- ترجمہ تفسیر بحر مواج : گوالیار کے قید خانہ میں انہوں نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تفسیر بحر مواج کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا (۱)۔

۳- الحق الصریح فی اثبات عدم قبول التوبۃ لساب النبی ﷺ : متھرا کے برہمن کا واقعہ عہد اکبری کا اہم قصہ ہے جس کی بنا پر علما کے درمیان بحثیں ہوئیں (۲)، اسی موقع پر مولانا عبد اللہ سلطان پوری کے جواب میں یہ رسالہ لکھا تھا، اس کے عنوان ہی سے پتا چلتا ہے کہ شیخ منور علما کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو برہمن کی نازیبا حرکت کی وجہ سے اس کو قابل گردن زدنی سمجھتا تھا۔

۴- حقائق البیان شرح بدیع البیان -

۵- شرح الطوالع -

۶- شرح قصیدہ بردہ بوصیری -

اس کے علاوہ شیخ منور نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب الارشاد فی النحو اور امام صفانی کے مجموعہ احادیث مشارق الانوار کی بھی شرحیں لکھیں۔



(۱) عبدالحی، نزہۃ النواطر، ج ۵، ص ۴۱۲۔ (۲) تفصیل کے لیے شیخ مبارک کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ غلام نقشبند گھوسوی ثم لکھنوی

نام و نسب اور خاندانی حالات | غلام نقشبند نام اور والد کا نام عطاء اللہ تھا، سلسلہ نسب یوں ہے:

غلام نقشبند بن عطاء اللہ بن قاضی حبیب اللہ بن احمد بن ضیاء الدین بن یحییٰ بن شرف الدین بن نصیر الدین بن حسین عثمانی اصفہانی۔ (۱)

اس نسب نامہ سے پتا چلتا ہے کہ ان کا نسب تعلق امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ کے خاندان سے تھا اور غالباً اس خاندان کے لوگ پہلے حجاز سے آکر اصفہان میں آباد ہوئے، پھر وہاں سے کوئی بزرگ ہندوستان وارد ہوئے لیکن تذکرہ کی کتابوں میں اس کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔

شیخ غلام نقشبند کے دادا قاضی حبیب اللہ اپنے عہد کے باکمال بزرگ اور فقہ اور افتاء میں ممتاز تھے، چنانچہ وہ قصبہ گھوسی ضلع منو کے قاضی مقرر ہوئے اور اس منصب پر مدۃ العمر فائز رہے (۲) وہ شیخ علی بن قوام جون پوری مشہور بہ میر علی عاشقان سرائے میری سے بیعت تھے۔

شیخ غلام نقشبند کے خاندانی حالات کے بارے میں غلام آزاد بلگرامی کا بیان زیادہ معلوماتی ہے کیوں کہ ان کے نانا میر عبد الجلیل بلگرامی شیخ غلام نقشبند کے ارشد تلامذہ میں تھے (۳) وہ لکھتے ہیں:

”آبا ئے کرام آں جناب متوطن قصبہ
گھوسی تابع بلدہ جون پور و از علمائے
آں مکان اند“۔ (۴)

شیخ غلام نقشبند کے آبا و اجداد قصبہ گھوسی کے
رہنے والے تھے جو اس عہد میں جون پور
کے ماتحت تھا، ان کے خاندان کے لوگ اس
قصبہ کے شرفا میں شمار کیے جاتے تھے۔

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر ج ۶، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء، ص ۲۱۲۔ (۲) ایضاً، ج ۴،

ص ۵۸۔ (۳) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۵۸ و ۲۵۹۔ (۴) ایضاً، ص ۲۱۳۔

آزاد کے اس بیان سے پتا چلتا ہے کہ شیخ غلام نقشبند کا خاندان عرصہ سے گھوسی میں آباد تھا اور اس کو اس علاقہ میں بڑی قدر و منزلت اور عزت حاصل تھی۔

شیخ غلام نقشبند کے والد عطاء اللہ بھی اپنے والد کی طرح صاحب نسبت بزرگ اور عالم و فاضل تھے، وہ گھوسی میں پیدا ہوئے اور اسی اطراف کے علما سے اکتساب فیض کیا، قرآن سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان کی تمام عمر درس و تدریس میں گزری، ان کے ایک شاگرد میر محمد شفیع دہلوی تھے جن کی آغوش میں ان کے فرزند ارجمند شیخ غلام نقشبند کی تعلیم و تربیت ہوئی (۱)، شیخ عطاء اللہ اخیر عمر میں گھوسی سے لکھنؤ جا کر آباد ہو گئے اور وہیں ۵ ربیع الثانی ۱۰۶۳ھ (۲۳ فروری ۱۶۵۳ء) کو ان کی وفات ہوئی۔ (۲)

پیدائش | شیخ غلام نقشبند ۱۹ ربیع الحجہ ۱۰۵۱ھ / ۱۱ مارچ ۱۶۴۲ء کو قصبہ گھوسی میں پیدا ہوئے (۳) گویا اس وقت تک ان کے والد گھوسی ہی میں مقیم تھے اور انہوں نے اپنے فرزند کا نام حضرت بہاء الدین نقشبند کے نام نامی کی نسبت سے غلام نقشبند رکھا۔

تعلیم و تربیت | آزاد بلگرامی کے بیان کے مطابق شیخ غلام نقشبند کی تعلیم شروع سے اخیر تک میر محمد شفیع کے دامن فضل و کمال میں ہوئی جو دہلی میں رہتے تھے، ممکن ہے کہ شیخ عطاء اللہ نے کم سنی ہی میں انہیں تعلیم کے لیے دہلی روانہ کر دیا ہو، غالب گمان یہ ہے کہ ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء میں ان کی وفات کے بعد شیخ غلام نقشبند نے دہلی کا سفر کیا اور اس وقت وہ صرف بارہ سال کے تھے، چنانچہ میر محمد شفیع کے سایہ عاطفت میں رہ کر محض اٹھارہ سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم حاصل کر لی، اس کے بعد اپنے استاد کے شیخ پیر محمد لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے کچھ کتابیں تبرکاً پڑھیں اور اس وقت ان کی عمر اکیس برس کی تھی (۴)، مولانا عبدالحی کے بیان کے مطابق انہوں نے پیر محمد لکھنوی سے شرح چھمینی، قدوری اور تفسیر بیضاوی کے چند اجزاء پڑھے تھے (۵)، ہمارے خیال میں پیر محمد لکھنوی سے ان کا درس لینا محل نظر ہے کیوں کہ شیخ غلام نقشبند کی طفولیت کے زمانہ میں ہی ان کی وفات ہو گئی تھی۔

(۱) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۱۳ (۲) عبدالحی، نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۷۷ (۳) ایضاً، ج ۴،

ص ۲۱۳ (۴) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۱۳ (۵) عبدالحی، نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۲۱۳۔

علمی تجر | شیخ غلام نقشبند علوم دینیہ کے ساتھ عقلی علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے، صاحبِ نزہۃ الخواطر کا بیان ہے:

”کان من کبار الاساتذۃ لم یکن فی زمانہ اعلیٰ منہ بالنحو واللغة ولا شعار وایام العرب وما یتعلق بہا متوفرا علی علوم الحکمة“۔ (۱)

وہ کبار اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، ان کے زمانہ میں لغت، جاہلی اشعار اور ایام عرب وغیرہ کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تھا، علاوہ ازیں وہ علوم حکمت سے بھی بہرہ ور تھے۔

سلوک و معرفت | تذکرہ نگاروں نے سلوک و عرفان میں بھی ان کو ممتاز بتایا ہے، سبحة المرجان میں ہے:

ہو اوحدا الزمان والجامع بین العلم والعرفان۔ (۲)

وہ یکتائے زمانہ اور علم و عرفان کے جامع تھے۔

ماثر الکرام میں اس کی تفصیل یوں کی گئی ہے:

علامہ ایست جامع عجائب و غرائب علوم و خدا رسی است خازن اسرار معلوم و مکتم۔ (۳)

وہ ایسے جلیل القدر عالم ہیں جو علوم عجائب کے ساتھ خدا رسی کے بھی جامع اور معلوم و مخفی اسرار کے خازن ہیں۔

چنانچہ خود شیخ غلام نقشبند کا بیان ہے کہ زمانہ طالب علمی میں ایک شب حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ اپنے دست مبارک سے میرے سامنے کے بٹن کھول رہے ہیں اور اسی حالت خواب میں یہ تعبیر بھی القا ہوئی کہ آپ ﷺ مجھ پر علم کے دروازے کھول رہے ہیں اور شرح صدر فرما رہے ہیں۔ (۴)

سجادہ نشینی | شیخ غلام نقشبند اپنی خداداد لیاقت اور صلاحیت کی بنا پر اپنے استاد میر محمد شفیع کی موجودگی میں ان کے پیر و مرشد شیخ پیر محمد لکھنوی کے جانشین مقرر کیے گئے، جس کے بعد ان کا فیض

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۲۱۲۔ (۲) آزاد، سبحة المرجان، ج ۱، ص ۲۰۱۔ (۳) مآثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۱۳۔ (۴) ایضاً۔

بہت عام ہوا، آزاد بلگرامی نے اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی ہے:

”شیخ پیر محمد کی وفات ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء کے بعد ان کے تمام خلفاء اور مریدین نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ میر محمد شفیع کو جوان کے اجل خلفا میں تھے ان کا جانشین منتخب کیا جائے، وہ اس وقت دہلی میں تھے، اس لیے ان کے لکھنؤ آجانے تک انہوں نے مسند شیخ کو تہ کر کے رکھ دیا، جب میر محمد شفیع لکھنؤ پہنچے تو ان کے دل میں یہ خیال ہوا کہ کیوں نہ اپنے بجائے اپنے شاگرد شیخ غلام نقشبند کو اپنے مرشد کا جانشین مقرر کر دیں، مگر انہوں نے اپنے اس خیال کو عام لوگوں سے مخفی رکھا، حتیٰ کہ شیخ غلام نقشبند کو بھی اس سے آگاہ نہیں کیا، ایک روز خانقاہ کے علاوہ شہر کے مشائخ اور معززین کو جمع کیا اور اس مجلس میں اکابر کی صف کے سامنے اپنے استاد کی مسند بچھائی، پھر شیخ غلام نقشبند کا ہاتھ پکڑا کر اس مسند پر بٹھادیا اور خود ان کے روبرو مودب ہو کر بیٹھ گئے، یہ دیکھ کر سارے حاضرین نے بھی ان کی پیروی کی۔“ (۱)

صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اجلسہ میر محمد شفیع المذکور میر محمد شفیع نے ان کو اپنے استاد کی مسند پر
علی سجادۃ شیخہ فاستقل بہا بٹھایا جس پر وہ تمام عمر متمکن رہے۔
مدۃ حیاتہ۔“ (۲)

مگر اس کے برخلاف خود صاحب نزہۃ الخواطر نے شیخ پیر محمد کے ایک معمر مرید اور عالم شیخ محمد آفاق بہاری (متوفی ۲۲ ربیع الثانی ۱۰۸۹ھ / ۳ جون ۱۶۷۸ء) کے مسند نشیں ہونے کا ذکر کر کے (۳) یہ صراحت کی ہے کہ ان کو اس مسند پر میر محمد شفیع نے بٹھایا تھا (۴)، مولانا رحمان علی کا بھی یہی بیان ہے کہ شیخ پیر محمد کی رحلت کے بعد شیخ محمد آفاق بہاری مسند نشیں ہوئے۔ (۵)

(۱) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۱۴، سبۃ المرجان، ج ۱، ص ۱۰۲ (۲) عبدالحی، نزہۃ الخواطر

ج ۶، ص ۲۱۳ (۳) ایضاً، ج ۵، ص ۳۵۷ (۴) ایضاً، ج ۶، ص ۳۱۹ (۵) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند،

ص ۱۳۵ اور ۱۸۲۔

ہمارے خیال میں شیخ پیر محمد کی وفات کے بعد شیخ محمد آفاق بہاری کا ہی انتخاب عمل میں آیا ہوگا، کیوں کہ وہ اپنے ساتھیوں میں سب سے معمر تھے اور ان کو اپنے شیخ کی طویل صحبت میں آئی تھی، غالباً ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۸ء میں ان کے انتقال کے بعد میر محمد شفیع کا انتخاب ہوا، جس واقعہ کی تفصیل آزاد نے بیان کی ہے، اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شیخ پیر محمد کی وفات کے وقت شیخ غلام نقش بند محض سات آٹھ برس کے تھے۔

درس و تدریس | شیخ غلام نقشبند نے تمام عمر درس و تدریس میں گزاری، وہ مختلف علوم و فنون کے جامع تھے، مگر فن تفسیر سے ان کو خاص شغف تھا، وہ تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تھے (۱)، ان کے درس کی ایک اہم خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، ذہین اور باصلاحیت طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے اور تعلیم سے فراغت کے بعد بھی ان سے برابر ربط رکھتے اور ان کی کامیابیوں پر خوش ہوتے تھے (۲)، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے بیشتر ہندوستانی فضلا ان کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے، جن میں ملا نظام الدین سہالوی، میر عبد الجلیل بلگرامی، سید فرید الدین بلگرامی، سید قادری بلگرامی، شیخ محمد قاسم کاکوروی، بجوری، شیخ نور الہدی امیٹھوی اور مفتی شرف الدین لکھنوی کے نام شامل ہیں۔ (۳)

شعر و شاعری | قدیم عربی شاعری سے ان کی واقفیت کا ذکر پہلے آچکا ہے، اس کے علاوہ وہ خود بھی ایک کہنہ مشق شاعر تھے، فن عروض سے بھی بخوبی واقف تھے اور اس فن میں ایک کتاب بھی لکھی (۴)، تذکرہ کی کسی کتاب میں ان کے دیوان کا ذکر موجود نہیں ہے، صرف ان کے ایک قصیدہ کا ذکر ملتا ہے جس کو انہوں نے اپنے استاذ میر محمد شفیع کی مدح میں لکھا تھا اور یہ تیس اشعار پر مشتمل ہے، یہ پورا قصیدہ مشہور جاہلی شاعر امرؤ القیس کے معلقہ کے وزن و قافیہ اور اسی طرز و انداز پر کہا گیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری پر قدیم شعرا کا رنگ غالب تھا، ان کے قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۱۰۴ (۲) آزاد بلگرامی، ماثرا لکرام، دفتر اول، ص ۲۵۹ (۳) نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۱۰۴، ۳۳۶-۳۹۶ و ماثرا لکرام، دفتر اول، ص ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۵۸، ۱۵۹، ۲۱۴ (۴) آزاد بلگرامی، ماثرا لکرام، دفتر اول، ص ۲۱۶۔

خلیلی هل هاتان دارة جلجل و دارة سلمی فی قفاق عققل
 دربار شاہی میں عزت افزائی | شیخ غلام نقشبند کا دایرہ محض درس و افادہ تک محدود تھا مگر اس
 کی بہ دولت ان کے تلامذہ دور دور تک پھیل گئے، جن میں بعض بادشاہوں کے مقرب اور اہم
 سرکاری عہدوں پر بھی فائز ہوئے (۱)، چنانچہ ان کا علمی شہرہ سن کر شاہ عالم بہادر شاہ اول فرزند
 اورنگ زیب عالم گیر نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور ملاقات ہونے پر نہایت عزت
 و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔ (۲)

مولانا عبدالحی نے سبحة المرجان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بہادر شاہ نے ان سے لکھنؤ
 میں ملاقات کی تھی (۳)، مگر سبحة المرجان میں یہ صراحت نہیں کی گئی ہے، دراصل یہ ملاقات دہلی
 ہی میں بہادر شاہ اول کی تحت نشینی ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء کے بعد اس وقت ہوئی جب شیخ غلام نقشبند
 کی شہرت کے شباب کا زمانہ تھا، رحمان علی لکھتے ہیں:

”شاہ عالم ابن اورنگ زیب بادشاہ شہرہ شاہ عالم ابن اورنگ زیب کو جب ان کے
 کمالات اصفا کردہ اور انجو و طلبید و باعزاز شہرہ کمال کی اطلاع ہوئی تو ان کو دربار میں بلایا
 و اکرام تمام پیش آمدہ۔“ (۴) اور نہایت عزت و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔

اخلاق و عادات | شیخ غلام نقشبند بڑے خلیق، متواضع اور خدا ترس بزرگ تھے، وہ شریعت
 کے آئین و اصول کی پابندی پر خاص زور دیتے تھے اور اس بارے میں کسی قدر تشدد بھی تھے،
 آزاد کے بیان کے مطابق ”وہ حدود شریعت کے محافظ اور ملت بیضا کے نگراں تھے (۵)، جب
 کسی شخص کو خلاف شرع حرکت کا مرتکب دیکھتے تو بڑے کبیدہ خاطر ہوتے تھے اور اس شخص سے
 ترک تعلق کر لیتے تھے لیکن اگر وہ شخص اپنی غلط روش سے باز آتا اور صدق دل سے توبہ کر لیتا تو
 اس کی جانب سے ان کا دل صاف ہو جاتا تھا اور وہ اس پر پہلے سے زیادہ لطف و مدارات کا
 معاملہ کرنے لگتے، ماثرا لکرام میں ہے:

”مزانج اقدس ہمہ مصروف حفظ شریعت مزانج اقدس میں ہر وقت حفظ شریعت ہی کا خیال

(۱) آزاد بلگرامی، ماثرا لکرام، دفتر اول، ص ۱۰۵ (۲) ایضاً ص ۲۱۳ و سبحة المرجان، ج ۱، ص ۲۰۲ (۳) عبدالحی،

نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۲۱۳ (۴) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۳۵ (۵) آزاد، سبحة المرجان، ج ۱، ص ۲۰۲۔

بود و بروفق الحب لله والبغض لله از کے رہتا تھا، الحب لله والبغض لله کے مصداق
امرنا ملائیم می سرزد و غبار سخت خاطر والا می اگر کسی سے کوئی نامعقول حرکت سرزد ہو جاتی
نشست و اگر آن کس توفیق توبہ می تو اس کی جانب سے ان کے دل میں گرد و غبار جم
یافت زیادہ تر از سابق مورد الطاف می جاتا اور اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق ہو جاتی تو پھر
گردید۔ (۱)
یہ پہلے سے بھی زیادہ اس پر مہربان ہو جاتے۔

وفات | لکھنؤ میں اخیر رجب ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۳ء میں وفات پائی (۲)، ایک قول کے مطابق
جمادی الاولیٰ کا مہینہ تھا اور لکھنؤ ہی میں دریائے گومتی کے کنارے نیلہ شیخ پیر محمد میں تدفین
ہوئی (۳) اسی نیلہ پر شیخ پیر محمد مدفون ہوئے تھے، جس کے بعد سے یہ نیلہ ان ہی کی نسبت سے
مشہور ہے۔ (۴)

اولاد | ان کے صرف ایک صاحب زادے شیخ احمد کا ذکر تذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے، جو
اپنے والد کے بعد مدرسہ شیخ پیر محمد کے مدرس مقرر ہوئے، پھر منصب مشیخت پر فائز ہوئے اور ان
کے بعد ان کے فرزند قطب الہدیٰ ان کے جانشین ہوئے۔ (۵)

تصنیفات | پہلے گدڑ چکا ہے کہ شیخ غلام نقشبند کو فن تفسیر سے خاص مناسبت تھی، چنانچہ ان
کی اکثر کتابیں اسی موضوع پر ہیں، تاہم وہ دوسرے علوم میں بھی دستگاہ عالی رکھتے تھے، علم ہیئت،
فن عروض اور تصوف میں بھی ان کی کتابیں ہیں، ان کی اکثر تصنیفات ناپید ہیں، جن کتابوں کا
سراغ ملتا ہے، وہ یہ ہیں:

۱- تفسیر انوار الفرقان و ازہار القرآن : یہ قرآن مجید کے رابع اول کی عربی زبان میں
تفسیر ہے، جس پر مصنف کے حواشی بھی ہیں، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ ریاست رام پور (۶)،
خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ (۷) اور مکتبہ رحمانیہ مدراس میں موجود ہیں (۸)، آگے

(۱) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۱۳ (۲) ایضاً، ص ۲۱۶ (۳) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶،
ص ۲۱۳ (۴) ایضاً، ج ۵، ص ۹۷ (۵) ایضاً، ج ۶، ص ۲۱۳ و ۲۲ (۶) مولوی محمد نبی، فہرست کتب عربیہ،
کتب خانہ ریاست رام پور، ج ۲، مطبع احمدی، ۱۹۰۲ء، ص ۵۶ (۷) سید اطہر شیر، مفتاح الکونز، ج ۳، یونین
پریس پٹنہ، ۱۹۶۵ء، ص ۱۷ (۸) ڈاکٹر محمد سالم، ہندوستانی مفسرین، ص ۱۲۱۔

اس تفسیر کا مفصل تذکرہ آئے گا۔

۲- تفسیر سورہ اعراف : یہ تفسیر بیضاوی کے دو قدیم حاشیوں پر تشریحی نوٹ کا مجموعہ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن میں موجود ہے۔ (۱)

۳- مختلف سورتوں کی علاحدہ علاحدہ تفسیریں۔

۴- بعض مشکل آیات کی تفسیر۔

۵- فرقان الانوار۔

۶- لامعہ عرشہ در مسئلہ وحدت الوجود۔

۷- شرح قصیدہ خزر جیہ در علم عروض۔

۸- شرح قصیدہ مطالع الدقائق در علم ہیئت۔ (۲)

تفسیر انوار الفرقان و ازہار القرآن | اس تفسیر کے تین قلمی نسخے ہندوستان کے

مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں، مدراس کے مکتبہ رحمانیہ کے نسخہ کو مصنف کے قلم کا لکھا ہوا بتایا جاتا ہے، اس پر ان کی مہر بھی ہے، جو ۱۱۲۱ھ/۱۷۰۹ء کی ہے، خدا بخش لاہوری کا نسخہ بڑی تقطیع میں ۳۷۵ اوراق پر مشتمل ہے، اس کے ہر صفحہ میں ۲۹ سطریں ہیں اور کتابت ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء کی ہے (۳)، اس میں قرآن کی آیتیں سرخ روشنائی سے لکھی ہیں، کتابت صاف ہے اور حاشیہ پر جا بجا نوٹ درج ہیں، شروع کے چند صفحات بوسیدہ ہیں مگر نسخہ مکمل ہے، تیسرا نسخہ جو کتب خانہ ریاست رام پور میں ہے وہ زیادہ واضح اور مفصل ہے (۴)، یہ نسخہ ۶۸۳ صفحات پر مشتمل ہے اور

(۱) ۱- اسٹوری، ج ۲، ص ۶۳ و ۶۴ (۲) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۱۶ و مولوی محمد نبی، حوالہ سابق، ص ۵۷ (۳) سید اطہر شیر محلہ بالا ص ۱۷ (۴) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے اس تفسیر کے دو قلمی نسخے رام پور میں بتائے ہیں، ان کے بیان کے مطابق دوسرا نسخہ نامکمل ہے، جس کے کچھ ابتدائی اوراق غائب ہیں، (ص ۱۲۱) مگر کتب خانہ ریاست رام پور میں اس تفسیر کا صرف ایک ہی نسخہ ہے، البتہ اس لاہوری میں ایک دوسری تفسیر ”انوار فی تفسیر القرآن“ کا ایک نسخہ ہے، جس کے مصنف ابن مقسم نحوی (م ۳۴۱ھ/۸۵۲ء) ہیں، غالباً اسی نسخہ کو ڈاکٹر صاحب نے شیخ غلام نقشبند کی تفسیر کا دوسرا نسخہ سمجھ لیا ہے، کیوں کہ اس تفسیر کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی بیان کردہ تفصیلات اور مرتب فہرست کا بیان یکساں ہے، ملاحظہ ہو مولوی محمد نبی، حوالہ سابق، ج ۱، ص ۲۰۔

اس کے تعارف میں مرتب فہرست نے حسب ذیل نوٹ لکھا ہے:

”تقطیع کتابت طولا مختلف، کہیں ۸ انچ کہیں اس سے کم و بیش، عرضاً

تقریباً ۴ انچ، سطور ۲۱ سے ۲۳ تک، صفحہ ۶۶۹ تک، خط نسخ عمدہ ایک قلم سے لکھا ہوا ہے، اس کے بعد آخر کتاب تک خط نسخ مختلف ہے، اکثر اوراق کتاب پر حواشی بھی نستعلیق پختہ خط میں تحریر ہیں جن کا کاتب دوسرا شخص معلوم ہوتا ہے، تمام اوراق پر دیمک کا زیادہ اثر پایا جاتا ہے، ۱۹۱۴ء میں بحالات کذائی خرید ہوئی، آیات قرآنیہ شجرف سے معرب، تفسیر سیاہی سے غیر معرب لکھی ہے، کاتب نے اپنا نام آخر کتاب پر اس عنوان سے تحریر کیا ہے ”کتبہ محمد التفات مبارز خانی تحریر فی التاریخ پانزدہم شہر ربیع الثانی روز یکشنبہ یک نیم پہر روز بر آمدہ قصبہ لاہر پور در حویلی متبرکہ مولوی صاحب قبلہ عظیم الدین خاں با تمام رسید“ سال کتابت نہیں لکھا ہے، اسی آخری صفحہ پر ایک عربی قطعہ و نستعلیق خط میں تحریر ہے جس سے ۱۱۱۰ھ / ۱۶۹۸ء نکلتے ہیں، یہ امر متعجب نہیں ہوتا کہ تالیف کا سن ہے یا کتابت کا قطعہ یہ ہے:

سیختم بشری ان هذا العامه
ینادی علی قولی و ذلک یختم
فعلیک شیخ القوم لله ختمه
ولله ختمه فیہ سر معظم

۱۱۱۰ھ / ۱۶۹۸ء

یہ تفسیر با حواشی ربع اول قرآن شریف کی ہے، حضرت مصنف نے پورے قرآن کی بالاستیعاب تفسیر نہیں لکھی ہے، تفسیر ربع قرآن میں زیادہ بسط نہیں کیا گیا ہے، ضروری قدر پر اکتفا ہے، عبارت آغاز صفحہ اول ”الحمد لله الذی جعل الفرقان خاتمہ نوراً للہدی“ ص ۸۶۳ ”صار فی الدنیا خلیفتہ و عند اللہ ملکا“۔ (۱)

(۱) مولوی محمد نبی، حوالہ سابق، ج ۲، ص ۵۶-۵۷۔

شیخ غلام نقشبند کی یہ تفسیر ابتدائے قرآن مجید سے سورہ انعام کے اختتام تک ہے، اس کے آغاز میں مصنف نے ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں فن تفسیر کی اہمیت اور ضرورت بیان کی ہے اور اسی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ تفسیر ۱۱۱۰ھ/۱۶۹۸ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی (۱)، اس طور پر یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ تفسیر کے آخر میں عربی قطعہ میں جو تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کا تعلق کتابت سے نہیں ہے بلکہ تکمیل تصنیف سے ہے۔

شیخ نقشبند کی تفسیری خصوصیات | شیخ غلام نقشبند کی تفسیر انوار الفرقان اور ان کے دوسرے تفسیری رسائل کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں طلبہ کو مخاطب بنایا ہے، چنانچہ ان میں زیادہ تر تفسیر بیضاوی کی شرح اور اس پر حواشی ہیں، پھر بھی ان کی بعض تفسیری خصوصیات کا علم ہوتا ہے، جن کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱- ربط سور کا اہتمام، شیخ غلام نقشبند قرآن مجید کی سورتوں کے درمیان ربط و مناسبت کے قابل نظر آتے ہیں جب کہ اکثر مفسرین اس موضوع کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، چنانچہ وہ سورہ اعراف کی تفسیر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”وجه المناسبتہ بین السورتین
ان خاتمہ الالی وعد و وعید و
فاتحہ الثانیۃ انذار
وتذکیر و بیان اہلاک القرون
الخالیۃ والقری
الماضیۃ“۔ (۲)

۲- تفسیر بیضاوی کی تشریح و توضیح، شیخ غلام نقشبند تفسیر بیضاوی کے بڑے شیدائی تھے اور اسی کا درس دیا کرتے تھے، اس لیے ان کی تمام تحریریں اسی کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہوتی تھیں، انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے اس تفسیر پر کیے گئے بعض اعتراضات کے جوابات بھی لکھوائے تھے، جس کا ایک قلمی نسخہ ”تسعة کلمات تتعلق بتفسیر البیضاوی“ کے

(۱) ڈاکٹر محمد سالم، ہندوستانی مفسرین، ص ۱۲۱ (۲) اسٹوری، حوالہ سابق، ج ۲، ص ۶۴۔

نام سے انڈیا آفس میں نہایت بوسیدہ حالت میں موجود ہے۔ (۱)

۳- جدت و ابتکار، شیخ غلام نقشبند کا تمام تفسیری سرمایہ محض تشریح و حاشیہ نویسی تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے بعض آیات کی تفسیر میں جدت و ابتکار سے بھی کام لیا ہے، سورہ آل عمران کی آیت ”ماکان لنبی، ان یفل“ (۲) کی تفسیر میں جمہور مفسرین کے برخلاف وہ لکھتے ہیں:

”یہ احکام جہاد میں سے ایک حکم ہے، غلالہ ایک قسم کا لباس ہے جو زرہ کے نیچے پہنا جاتا ہے، درخت کی جڑ میں جو پانی دیا جاتا ہے اسے بھی غلالہ کہتے ہیں۔“

غلالہ کے معنی جمہور مفسرین کے نزدیک خیانت کے ہیں اور اسی مفہوم کے تحت کچھ جزوی اختلاف کے ساتھ انہوں نے اس لفظ کی تشریح کی ہے، مگر شیخ غلام نقشبند کی تفسیر ان سے بالکل منفرد ہے، غرض شیخ غلام نقشبند کی تفسیر انوار الفرقان اور ان کے دوسرے تفسیری رسائل کے بارے میں مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اصل موضوع قدیم مفسرین کی شرح و توضیح ہے اور چوں کہ یہ تفسیری اجزا طلبہ کو پیش نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں، اس لیے اس میں فنی نکات اور لغت کے مسائل سے زیادہ بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ ان کے معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے متعلق زیادہ امور مثلاً نماز، روزہ اور وضو وغیرہ کے مسائل تفصیل سے پیش کیے گئے ہیں اور ان مسائل کی تائید میں احادیث نبوی ﷺ اور ائمہ فقہ کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔ (۳)



(۱) اوٹو لوتھ، حوالہ سابق، ص ۴۳ (۲) سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۶۱ (۳) ڈاکٹر محمد سالم، ہندوستانی مفسرین، ص ۱۲۲، ۱۲۳۔

ملاجیون امٹھوی

نام و نسب اور خاندانی حالات | ملا جیون کا نام احمد تھا مگر وہ اپنے عرف جیون سے مشہور ہوئے، اپنی کتاب مناقب الاولیا میں جو ان کے خاندان کے بزرگوں کے ساتھ خود ان کی ستر سالہ سوانح عمری پر مشتمل ہے، اپنا نام جین لکھا ہے (۱)، لفظ جیون یا جیو ہندی الاصل ہے، جس کے معنی حیات و زندگی کے ہیں، یہ غالباً کوئی دعائیہ کلمہ تھا جو ان کے نام کا مستقل جز بن گیا۔

ملاجیون کا خاندان اودہ کے قدیم علمی خاندانوں میں سے تھا، ان کا سلسلہ نسب شیخ عبداللہ مکیؒ سے ملتا ہے جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ حضرت صالحؑ سے نسبی تعلق رکھتے تھے (۲)، ملا جیون نے شیخ عبداللہ مکیؒ تک اپنے شجرہ نسب کو بیان کیا ہے اور اس کو محقق بتایا ہے (۳)، فقیر محمد جہلمی نے ملا جیون کا نسبی تعلق حضرت ابوبکرؓ سے بتایا ہے (۴) مگر خود ملا جیون کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ ان کے خاندان کا خلیفہ اول سے نسبی تعلق نہ تھا بلکہ یہ تعلق اس خلافت پر مبنی ہے جو بعض روایات کے مطابق شیخ مکیؒ کو خلیفہ اول سے حاصل تھی۔ (۵)

ملاجیون نے اپنے خاندانی بزرگوں میں مندرجہ ذیل اشخاص کا مفصل تذکرہ کیا ہے، ملا ابوسعید والد ملا جیون، عبداللہ داد، عبدالرزاق والد عبداللہ اور ان کے والد مخدوم خاصہ خدا، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاندان میں علم و تقویٰ کا سلسلہ کئی پشتوں سے چل رہا تھا، ملا جیون کے والد ملا ابوسعید (م ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۱ء) متقی اور پرہیزگار عالم تھے، راستہ چلتے ہوئے اپنے چہرہ کو رومال سے ڈھکے رہتے کہ کسی غیر محروم پر نگاہ نہ پڑ جائے، تقویٰ کا یہ حال تھا کہ استنجا کے کلوخ بھی کسی دوسرے کی زمین سے مالک کی اجازت کے بغیر نہیں اٹھانے تھے، اکثر روزہ

(۱) ملا احمد جیون، مناقب الاولیا، قلمی، کتب خانہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ورق ۳۲۔ (۲) ایضاً، ورق ۲۔
(۳) ایضاً، ورق ۲ و خادم حسن علوی، صبح بہار، ترجمہ اردو مناقب الاولیا، ص ۲۱۰۔ (۴) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۱۶۔ (۵) ملا احمد جیون، حوالہ سابق، ورق ۳۷۔

سے رہتے اور ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہا کرتے تھے (۱)، ملا جیون کی والدہ ماجدہ بھی بڑی نیک خاتون تھیں، وہ بادشاہ عالم گیر کے میر آتش عبد اللہ عرف نواب عزت خان کی ہم شیرہ بتائی جاتی ہیں۔ (۲)

ولادت ملا جیون سہ شنبہ کے دن صبح صادق کے وقت ۲۵ شعبان المعظم ۱۰۴۷ھ / ۲ جنوری ۱۶۳۸ء کو قصبہ میٹھی ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ (۳)

تعلیم و تربیت ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار ملا ابوسعید سے پائی، پھر شیخ محمد صادق سترکھی اور مولانا لطف اللہ کوڑہ جہاں آبادی سے علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل کی (۴)، لکھنؤ کے مفتی محمد سعید الحسنی سے بھی ان کو تلمذ کا فخر حاصل ہے انہوں نے اپنی تعلیمی سرگزشت خود بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”سات سال کی عمر میں والد کی صحبت میں رہ کر قرآن مجید کا حافظ ہو گیا، اس کم عمری میں باوجود یکہ قواعد تنجی اور اعراب سے واقفیت نہ تھی، اللہ کے فضل سے پورا قرآن مجید الفاظ و معانی کے ساتھ یاد ہو گیا تھا، یہی حال دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کا بھی تھا، گو ان کے مطالعہ میں تقدیم و تاخیر کی رعایت ملحوظ نہ تھی، پھر بھی بفضل ہر کتاب کا مفہوم سمجھ لیتا تھا“۔ (۵)

تصنیفی زندگی کا آغاز ملا جیون کو علم و تعلیم اور درس و تدریس سے خاص مناسبت تھی، اسی کے ساتھ تصنیف و تالیف کا ذوق بھی ان کو ورثہ میں ملا تھا، ان کے خاندانی بزرگوں میں شیخ علم اللہ بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحب تصنیف تھے (۶)، چنانچہ ملا جیون نے نہایت کم سنی ہی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا، وہ لکھتے ہیں:

”تیرہ سال کی عمر ہوئی تو والد ماجد کا انتقال ہو گیا، اسی عمر میں آداب احمدی علم سلوک میں لکھی اور خطبات جمعہ و عیدین بھی فصیح و بلیغ عربی میں لکھا، اپنے

- (۱) ملا احمد جیون، حوالہ سابق، ورق ۲۸ (۲) خادم حسن علوی، حوالہ سابق، ص ۳۴ (۳) ملا احمد جیون، ورق (۴) غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء، ج ۲، ص ۶۵ و آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۵۰ (۵) ملا احمد جیون، ورق ۳۲، ۳۳ (۶) ایضاً، ورق ۱۸۔

دادا شیخ عبید اللہ اور ان کے بڑے بھائی شیخ علم اللہ کے مسودات کو مرتب کرنا شروع کیا، سولہ سال کی عمر میں جب کہ حسامی میرے زیرِ درس تھی، تفسیر احمدی لکھنا شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس کام سے فارغ ہو گیا، غرض بائیس برس کی عمر میں علوم معقولات و منقولات کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی۔ (۱)

ملا جیون کے اس بیان سے ان کی ذہانت و عبقریت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

”ان کا حافظہ بڑا قوی تھا، درسی کتابوں کے کئی کئی صفحے بغیر اصل کتاب کو

دیکھے پڑھتے جاتے تھے، لمبے لمبے قصیدے ایک دفعہ سن کر یاد کر لیتے تھے۔“ (۲)

درس و تدریس | تعلیم سے فراغت کے بعد بائیس سال کی عمر میں اپنے وطن اٹیٹھی میں مسندِ درس آراستہ کی اور اس کا سلسلہ ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء تک برقرار رہا، اس اثنا میں بے شمار طالبانِ علم ان سے مستفید ہو کر درجہ کمال کو پہنچے، جن میں احمد بن ابی المنصور گوپا منوی جو فتاویٰ عالم گیری کے مولفین میں شامل تھے اور مفتی تابع محمد مفتی لکھنؤ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اسی دوران ملا جیون نے علم تجوید و قرأت میں شاطبی کے منتخبات کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا۔

تصوف و سلوک | زمانہ درس و تدریس ہی سے ان کو تصوف و سلوک سے دل چسپی تھی، چنانچہ وہ صوفیہ کے مختلف سلسلے نقشبندی، چشتی اور قادری بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور ان سے اوراد و وظائف کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے استاذ شیخ محمد صادق سترکھی سے قادری سلسلہ میں بیعت ہو گئے اور ان سے اجازت بھی حاصل کی۔ (۳)

دہلی و اجمیر کا سفر | ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء میں وہ اجمیر اور دہلی کے سفر پر روانہ ہوئے، دہلی میں وہ تقریباً پندرہ سال رہے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا اور ان کے حلقہ درس کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ (۴)

حج بیت اللہ اور نورالانوار کی تالیف | دہلی میں قیام کے دوران ان کو حج بیت اللہ کا اشتیاق

(۱) ملا احمد جیون، حوالہ سابق، ورق ۳۳ (۲) آزاد، سبحة الہ جان، ج ۱، ص ۲۰۵ (۳) ملا احمد جیون، ورق

۳۳ (۴) قرآن سے پتا چلتا ہے کہ شاہی خاندان اور امرا کے بچے بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔

پیدا ہوا، ۱۱۰۱ھ / ۱۶۹۰ء میں وہ اس کے لیے عازم سفر ہوئے، حرین کی زیارت اور حج کی سعادت کے بعد مدینہ منورہ میں پانچ سال تک رک گئے اور وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

مدینہ منورہ ہی میں ۱۱۰۵ھ / ۱۶۹۳ء میں انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب نور الانوار جو

المنار کی شرح ہے صرف دو ماہ کے عرصہ میں روضۃ اطہر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بیٹھ کر تصنیف کی۔ (۱)

شعر گوئی | ملا جیون کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے بیان کے مطابق ان کے کئی شعری

مجموعے تھے مگر اب ان میں کوئی دست یاب نہیں ہے، انہوں نے تمام اشعار دہلی اور اجمیر کے

قیام اور سفر حج کے دوران کہے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”اس عرصہ میں دو بار محبت کا غلبہ ہوا، پہلی مرتبہ غلبہ جوش و سرمستی میں

ایک مثنوی مولانا روم کی مثنوی کے طرز پر لکھی، جس میں چھ دفتر پچیس ہزار اشعار

پر مشتمل تھے اور ایک دیوان جو دیوان حافظ کے انداز پر تھا، پانچ ہزار اشعار پر

مشتمل لکھا اور جب فقیر کی عمر پچپن سال کی ہوئی تو حرین شریفین کی زیارت

کے لیے روانہ ہوا اور ملک دکن کی سیر کرتا ہوا عرب پہنچا، اس زمانہ میں ایک

قصیدہ دو سو سبابت اشعار کا ہم وزن قصیدہ بردہ کہا اور اس کو وسیلہ خوش نودی روح

اطہر رحمۃ اللہ علیہ بہ طور تحفہ مدینہ طیبہ لے چلا، جب بندر گاہ سورت پہنچا تو اس قصیدہ کی

عربی شرح لکھی اور اس میں کچھ تغیر و تبدل بھی کیا، دوبارہ پھر سودائے محبت میں

گرفتار ہوا اور اس دفعہ غلبہ شوق سے انتیس فصیح و بلیغ عربی قصیدے کہے، جن کو

حرین کے اکثر لوگوں نے تحسین کی نظر سے دیکھا۔“ (۲)

شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر سے تعلق | ملا جیون اورنگ زیب عالم گیر کے بڑے مداح تھے،

اپنی تفسیر کے مقدمہ میں انہوں نے بادشاہ کا ذکر عقیدت و احترام سے کیا ہے اور اسے گراں قدر

خطابات سے نوازا ہے (۳) ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۰ء میں جب وہ حج سے واپس لوٹے تو دکن میں شاہی لشکر

میں رک گئے اور چھ سال وہیں رہ گئے (۴)، اس وقت عالم گیر وہاں کی ریاستوں سے برسرِ پیکار تھا،

(۱) ملا احمد جیون، حوالہ سابق، ورق ۳۴ و نور الانوار مطبع علی بخش، ۱۲۶۶ھ / ۱۸۶۹ء، خاتمہ (۲) ایضاً، خودنوشت،

ورق ۳۳ و ۳۴ (۳) خودنوشت، ورق ۳۳ و ۳۴ و التفسیرات الاحمدیہ، مطبع حسنی کلکتہ، ص ۶ (۴) خودنوشت، ورق ۳۴۔

س لیے اس قدر طویل قیام کے باوجود اس سے ملا جیوں کی ملاقات بہت مختصر رہی، وہ لکھتے ہیں:

”اتفاق اقامت شش سال در لشکر معلیٰ چھ سال لشکر معلیٰ میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا اور

رویداد و از مقتضیات ارادت الہی و بادشاہ اس اثنا میں ارادہ خداوندی اور بادشاہ پناہ

دیں پناہ حضرت عالم گیر اتفاق ملاقات و عالم گیر کی خواہش پر ان سے شرف ملاقات

صحبت چند روز واقع شد۔“ (۱)

حاصل ہوا اور چند روز صحبت رہی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | ملا جیوں کے بارے میں سب سے پہلے مفتی غلام سرور نے یہ لکھا ہے کہ وہ اورنگ زیب کے استاذ تھے (۲)، بعد کے تذکرہ نگاروں نے بھی اسی کو دہرایا ہے (۳) اور اس سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب ان کا نہایت فرماں بردار شاگرد تھا اور اس نے پوری زندگی کبھی حدادب سے باہر قدم نہ نکالا (۴) لیکن یہ اقوال اس لیے محل نظر ہیں کہ ملا جیوں اورنگ زیب سے عمر میں بیس برس چھوٹے تھے، ان کا سن ولادت ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۸ء ہے جب کہ اورنگ زیب ۱۰۲۷ھ / ۱۸-۱۶۱۷ء میں پیدا ہوا۔ (۵)

غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں کو اس بات میں تردد لاحق ہوا، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب میں ملا جیوں پر جو مضمون شامل ہے اس کے مقالہ نگار بزمی انصاری لکھتے ہیں:

”سرکاری تواریخ مثلاً عالم گیر نامہ اور ماثر عالم گیر کے برعکس ان کے تمام سوانح نگار متفقہ طور پر بیان کرتے ہیں کہ اورنگ زیب نے انہیں اپنے اساتذہ میں شامل کر لیا تھا اور ان کی بہت عزت و تکریم کرتا تھا، یہ یقیناً ۱۰۶۴ھ / ۵-۱۶۵۳ء اور ۱۰۶۸ھ / ۵۸-۱۶۵۷ء کے درمیان کا واقعہ ہوگا، جس سال اورنگ زیب تخت نشیں ہوا، بہت ممکن ہے کہ شہنشاہ نے اپنی تخت نشینی کے بعد

(۱) خودنوشت، ورق ۳۴ (۲) غلام سرور، حوالہ سابق، ج ۲، ص ۳۶۵ (۳) آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، ص ۲۱۶ و رحمان علی، حوالہ سابق، ص ۴۵ (۴) آزاد، سبحة المرجان، ص ۲۰۴ و رحمان علی حوالہ سابق، ص ۴۵ و یوسف الیان سرکیس، حوالہ سابق، ج ۲، ص ۱۱۶ (۵) منشی ذکاء اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ج ۸، مطبع انشٹی ٹیوٹ علی گڑھ، ص ۳۔

اس نوجوان سے بعض کتابیں پڑھی ہوں۔ (۱)

لیکن مذکورہ بالا بیان میں چند باتیں توجہ طلب ہیں، اول تو ملا جیون کی خودنوشت کے بیان کے مطابق جو اس بارے میں اولین ماخذ ہے، ان کی ملاقات اورنگ زیب سے ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۵ء سے پہلے ثابت نہیں ہے اور فاضل مقالہ نگار کا یہ مفروضہ کہ ۱۰۶۴ھ/۵۴-۱۶۵۳ء اور ۱۰۶۸ھ/۸-۱۶۵۷ء کی درمیانی مدت میں اورنگ زیب نے ان سے بعض کتابیں پڑھی ہوں گی، اس لیے قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس عرصہ میں خود ملا جیون تحصیل علم میں مشغول تھے، انہوں نے ۱۰۶۹ھ/۹-۱۶۵۸ء میں تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی مسند درس آراستہ کی، پھر یہ زمانہ اورنگ زیب کے لیے نہایت پر آشوب تھا، اس لیے باور نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے اس مدت میں ایک نوجوان سے استفادہ کے لیے ایشی کا سفر کیا ہو۔

ہمارے خیال میں ملا جیون اورنگ زیب کے استاد نہ تھے، دراصل وہ دہلی میں قیام کے دوران شاہی محل کے استاد تھے، مولانا عبدالحی کے بیان کے مطابق اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء (ولادت ۱۰۴۸ھ/۶۳۸ء، وفات ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء) نے ملا جیون سے درس لیا تھا (۲) اسی طرح شاہ عالم بہادر شاہ اول (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء تا ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) جو اورنگ زیب کا بیٹا اور جانشین تھا اور فرخ سیر سے ان کے جو روابط اور تعلقات تھے ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان شاہ زادوں نے ان سے تعلیم پائی تھی، چنانچہ وہ بہادر شاہ اول کے مکمل عہد حکومت تک اسی کے ساتھ لاہور میں مقیم رہے اور جب فرخ سیر بادشاہ بنا تو اس کے بھی مقربین میں شامل ہوئے (۳)، اورنگ زیب سے ان کے روابط اور اس سے لوگوں کی سفارش کے جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں غالب قرینہ یہ ہے کہ ان کا تعلق فرخ سیر سے ہوگا، کیوں کہ فرخ سیر کو ملا جیون کے فرزند ملا عبد القادر نے عالم گیر ثانی لکھا ہے ممکن ہے کہ عالم گیر ثانی سے ان کے تعلقات کو عالم گیر کی جانب منسوب کر دیا گیا ہو۔

حجاز کا دوسرا سفر | دکن میں قیام کے دوران ملا جیون کو اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کا

(۱) بزمی انصاری، ”ملا جیون“، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ج ۷، ص ۶۰۵ (۴) عبدالحی، نزہۃ الخواطر،

ج ۶، ص ۹۲ (۳) شیخ احمد جیون، خودنوشت، ورق ۳۵-۳۶۔

نیال ہوا، انہوں نے دو مرتبہ اپنی والدہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کی متمنی ہیں، چنانچہ ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء میں بادشاہ عالم گیر سے اجازت لے کر سفر حج پر روانہ ہوئے، اس وقت ان کی عمر چھیا سٹھ سال کی تھی، حجاز پہنچ کر انہوں نے پہلے سال اپنی والدہ کی طرف سے اور دوسرے سال اپنے والد کی جانب سے حج بدل کیا، اس اثنا میں انہوں نے صحیحین کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس کی تمام شرحیں پڑھ ڈالیں اور ایک رسالہ سوانح بھی جامی کی لوائح کے طرز پر علم سلوک میں تصنیف کیا، ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء میں دکن کے راستہ سے اپنے وطن امیٹھی واپس ہوئے۔ (۱)

خرقہ تصوف اور اجازت ملا جیون جب امیٹھی پہنچے تو ان کی عمر ۷۰ برس ہو چکی تھی، وہاں پہنچنے پر بغداد سے شیخ عبدالقادر جیلانی کے خاندان کے ایک بزرگ اور سجادہ نشین شیخ باسین بن عبدالرزاق نے ان کی خدمت میں جامہ تصوف اور سند اجازت بھیجی، جس کو میر سید محمد قادری بلگرامی لے کر آئے، ملا جیون کے لیے یہ بڑی قیمتی سوغات تھی، چنانچہ انہوں نے اپنی خودنوشت میں اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ (۲)

دوبارہ دہلی کا سفر اور بہادر شاہ اول کی مصاحبت ملا جیون اپنے وطن امیٹھی میں مقیم رہے اور اس عرصہ میں حسب معمول درس و تدریس میں مشغول رہے، پھر ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں انہوں نے دوبارہ دہلی کا سفر کیا، ان کے شاگردوں کی بھی ایک کثیر تعداد ساتھ میں تھی، یہ قافلہ ۲۵ محرم ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء کو امیٹھی سے روانہ ہوا اور صفر کے آخر میں دہلی پہنچا، دہلی میں ان کا قیام بہت مختصر رہا اور غالباً وہ وہاں سے اپنے وطن واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں اجمیر کے قریب شاہ عالم سے ان کی ملاقات ہوئی، وہ انہیں اپنے ہمراہ لاہور لے کر چلا گیا اور وہاں وہ اس کے انتقال تک مقیم رہے، ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء میں وہ لاہور سے دہلی واپس آئے (۳)، اس مدت میں ان کی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔

فرخ سیر سے قربت اور تعلق شاہ عالم کی وفات کے بعد ملا جیون جب دہلی آئے تو پھر آخر عمر تک یہیں رہ گئے، فرخ سیر نے بھی ان کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا، اس دوران امیٹھی اور اس کے گرد و نواح کے بے شمار لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ سے اپنے لیے

(۱) شیخ احمد جیون، خودنوشت، ورق ۳۲ (۲) ایضاً (۳) ایضاً، ورق ۳۵-۳۶

جہاں را

بوا

چول، حلت

بوصلم

بتارمخض

ندا

ملا جیون کے لوج مز

و یتم نعمتہ علیہ

(۱) شیخ احمد جیون خود نوشت و رقی

عالمی ۳۱۔

اولاد شیخ عبدالقادر کے ملاوہ ملا جیون کے تین اور فرزند تھے، شیخ محمد، شیخ عبدالصمد اور شیخ عبدالباسط، یہ سب صاحب علم و فضل تھے اور ان کی اولادیں بھی خوب پھیلی پھولیں (۱)، مولانا امیر علی شہید جو اجودھیا کی بنومان گڑھی کی مسجد کے سلسلہ میں ۲۷ صفر ۱۲۷۲ھ / ۸ نومبر ۱۸۵۵ء کو نوابان اودھ کے لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے، ملا جیون ہی کے خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے (۲)، ماضی قریب کے مشہور شاعر ممتاز امیٹھوی بھی اسی خاندان کے ایک فرد تھے (۳)۔

تصنیفات اوپر گزر چکا ہے کہ ملا جیون کا اصل مشغلہ درس و تدریس تھا، جس سے مددۃ العمر وہ وابستہ رہے، مگر اسی کے ساتھ ان کو تصنیف و تالیف سے بھی خاص شغف تھا اور اس کا آغاز ان کی طالب علمی کے زمانہ ہی سے ہو گیا تھا، ذیل میں ان کی تصنیفات کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

۱- آداب احمدی: یہ ملا جیون کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو تیرہ سال کی نو عمری میں ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۱ء میں لکھی گئی، اس کتاب میں علم سلوک کے اصول و اسرار سے بحث کی گئی ہے، مگر اس کا کوئی نسخہ دست یاب نہیں ہے اور نہ ہی تذکرہ نگاروں نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کس زبان میں تھی اور اس کے اہم مباحث کیا تھے۔

۲- خطبات جمعہ و عیدین: یہ خطبات بھی ملا جیون نے اپنی طالب علمی کے دور ہی میں مرتب کیے تھے جو فصیح و بلیغ عربی میں تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اوائل عمر ہی سے عربی زبان پر عبور اور قدرت حاصل تھی مگر افسوس کہ اس کا کوئی نسخہ دست یاب نہیں ہے۔

۳- خلاصہ و انتخاب شاطبی: علم تجوید و قرأت میں شاطبی کے منتخبات کا مجموعہ ہے، غالب قرینہ ہے کہ یہ رسالہ عربی میں رہا ہوگا، یہ بھی دست یاب نہیں ہے۔

۴- مثنوی فارسی: ملا جیون کے بیان کے مطابق یہ مثنوی پچیس ہزار اشعار پر مشتمل چھ دفتروں میں تھی، جس میں مولانا روم کا تتبع کیا گیا تھا۔

۵- دیوان فارسی: فارسی میں دیوان حافظ کے نہج پر پانچ ہزار اشعار کا ایک مجموعہ تھا۔

(۱) ملا عبدالقادر، تکریمہ خودنوشت، ورق ۳۷-۳۸ (۲) خادم حسن، ص ۵۰-۵۱ (۳) ڈاکٹر ام ہانی "شاد

محمد ممتاز علی آہ امیٹھوی"، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، ج ۸۸، شمارہ ۳، ص ۲۰۸۔

تفسیر احمدی کی خصوصیات جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ یہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے بلکہ اس میں احکام و مسائل سے متعلق آیتوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے، اس تفسیر میں قرآن مجید کی اکسٹھ سورتوں سے دو سو ستتر احکام پر بحث کی گئی ہے اور اس کی مکمل فہرست مقدمہ میں درج کر دی گئی ہے، بقیہ سورتوں کے بارے میں ملا جیون نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ احکام سے خالی ہیں، تفسیر کی ترتیب قرآن مجید کی سورتوں کے مطابق ہے، آیات کی تشریح میں ان کے نزول کا پس منظر بھی بیان کیا ہے، الفاظ کی لغوی تحقیق اور فقہی مباحث میں فقہ اور علم کلام کی اہم کتابوں کی روشنی میں منطقیانہ استدلال بھی کیا ہے اور حنفی نقطہ نظر کو نمایاں کر کے پیش کیا ہے، زبان و بیان دل کش و دل آویز ہے، جمع و قوافی کی رعایت کے باوجود ادائے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوا ہے۔

اس تفسیر کا اصل ماخذ امام رازی کی تفسیر کبیر معلوم ہوتا ہے، ترتیب و تبویب ابو بکر بن العربی اندلسی اور ابو بکر الجصاص الحنفی کی احکام القرآن کے انداز پر کی ہے، اس تفسیر کا محرک ملا صاحب نے امام غزالی کی ایک تصنیف کو بتایا ہے جو خود انہیں دست یاب نہیں ہوئی (۱)، اسی طرح ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان کو قدما کی کتابیں دست یاب نہیں ہوئیں، مگر ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرے ماخذ سے انہوں نے قدما سے استفادہ کیا ہے۔

تفسیر کے مراجع اس تفسیر کی ترتیب میں ملا جیون کے پیش نظر علم تفسیر اور دیگر علوم کی جو کتابیں رہی ہیں، ان کی فہرست انہوں نے مقدمہ میں درج کی ہے، فن تفسیر میں انوار التنزیل و مدارک التأویل (امام بیضاوی)، تفسیر حسینی (ملا واعظ حسین کاشفی)، تفسیر کشاف (زمخشری)، تفسیر غوری زاہدی اور اصول تفسیر میں اتقان فی علوم القرآن کو انہوں نے اپنا ماخذ بتایا ہے، فقہ میں شرح وقایہ مع حواشی، ہدایہ مع شروح اور فتاویٰ حمادیہ، اصول فقہ میں اصول بزدوی، کشف الاسرار، شرح بزدوی، حسامی، توضیح مع شرح تلوح تفتازانی اور مختصر ابن حاجب وغیرہ اور علم کلام میں شرح عقاید اور شرح مواقف سید شریف جرجانی ان کا مرجع رہی ہیں۔ (۲)

ماخذ کی اس فہرست میں فن حدیث کی کسی کتاب کا ذکر نہیں ہے، جس سے اس عہد کے

(۱) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۴-۵ (۲) ایضاً، ص ۵

ماحول کا اندازہ ہوتا ہے، جس میں حدیث پر فتنہ کو غلبہ حاصل تھا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ خود ملا جیون کو پیرانہ سالی میں سفر حجاز کے دوران صحیحین کے مطالعہ کا موقع ملا۔ (۱)

ذیل میں تفسیر احمدی کے بعض مباحث پیش کیے جاتے ہیں، ان سے اس کی خصوصیات اور ملا جیون کے طریقہ استدلال اور ان کی نکتہ آفرینی کا اندازہ ہوگا۔

انبیین کی لغوی تحقیق

سورہ بقرہ کی آیت:

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قَبْلَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَأُولَئِكَ
هُمْ الْمُتَّقُونَ - (البقرہ: ۱۷۷)

کچھ سارا کمال اس میں نہیں ہے کہ اپنا منہ
مشرق کو کر لویا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے
کہ کوئی شخص اللہ پر یقین رکھے اور قیامت
کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور
پیغمبروں پر..... یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔

کی روشنی میں ملا جیون نے ایمان مفصل اور احکام اسلام کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے:

”میرے خیال میں انبیین کو جمع مذکر سالم کے صیغہ میں ذکر کرنے

سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ کوئی عورت کبھی نبی نہیں ہوئی، بلکہ تمام انبیاء مرد تھے

اور اس سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے، جو چار عورتوں حواء، سائرہ،

ام موسیٰ اور ام عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں۔“ (۲)

ملا جیون نے آگے چل کر اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے:

یہ دلیل ایک زمانہ سے میرے دل میں رہ رہ کر گونجتی تھی مگر جب میں اس میں غور

و فکر کرتا تو اس بارے میں مزید الجھن پیدا ہوتی کیوں کہ اس کا احتمال ہے کہ جمع مذکر سالم

کا صیغہ بر بنائے تغلیب استعمال ہوا ہو جیسا کہ حضرت یوسف کے خواب کے واقعہ میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
مِثْلَ نَجْمٍ يَنْزِلُونَ - (سورہ یوسف: ۲۴)

میں نے گیارہ ستارے اور سورج و چاند کو
دیکھا کہ وہ سب مجھ کو سجدہ ریز ہیں۔

رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ - (سورہ یوسف: ۲۴)

(۱) شیخ احمد جیون، خودنوشت، ورق ۳۲-۳۳ (۲) التفسیرات الاحمدیہ ص ۴۱

اس میں لفظ شمس کسی بھی طرح مذکور نہیں ہے، نہ تو سماعی طور پر اور نہ تاویلاً درست ہے، کیوں کہ کو اکب تو حضرت یوسفؑ کے بھائی ہیں اور شمس و قمر یا تو ان کے والدین ہیں یا والد اور خالہ، مگر اس کے باوجود ان کو جمع مذکور سالم کا فرد بنایا گیا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے استدلال کیا جائے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا
نُوحِي إِلَيْهِمْ - (سورہ یوسف: ۱۰۹) لوگ جن پر ہم وحی بھیجتے ہیں۔

اس آیت میں کو سیاق کلام اس کا متقاضی ہے کہ کوئی فرشتہ نبی نہیں ہوا مگر اسی سے اشارتاً یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی عورت بھی نبی نہیں ہوئی۔ (۱)

مسئلہ قصاص میں حنفی مسلک کی تائید | ملا جیون مسلک حنفی تھے، اس لیے انہوں نے اپنی

تفسیر میں جا بجا اس مسلک کی تائید کی ہے، ذیل میں اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

قصاص کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے عوض غلام، مرد کے بدلے مرد اور عورت کے بدلے عورت ہی قتل کی جائے گی، ان حضرات کا استدلال اس آیت سے ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرْبِ بِالْحَرْبِ
الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأُنْثَى -
اے ایمان والو! تم پر مقتول کا قصاص فرض ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔
(البقرہ: ۱۷۸-۱۷۹)

اس کے برخلاف فقہائے احناف آزاد کے بدلے غلام اور مرد کے بدلے عورت کا قتل درست قرار دیتے ہیں، وہ مذکورہ بالا آیت کو سورہ مائدہ کی آیت النفس بالنفس (۲) سے منسوخ مانتے ہیں اور مشہور حدیث ”المسلمون تتكافأ دما نهم“ کو بہ طور دلیل پیش کرتے ہیں، چنانچہ ملا جیون اس مسئلہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ آیت وجوب قصاص میں برابری اور مساوات کے لیے عبارت النص

(۱) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۴۲ (۲) سورہ مائدہ: ۲۵

ہے اور مشروعیت قصاص یعنی مقتول کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیے جانے کے سلسلہ میں اشارۃ النص ہے اس کی صراحت گو کسی نے نہیں کی ہے، مگر میں نے اس کو امام زاہد کے اس بیان سے مستنبط کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلوں کے درمیان لڑائی ہوتی تھی تو طاقت ور قبیلہ (بنو نضیر) کے لوگ کمزور قبیلہ (بنو قریظہ) کے دو آزاد آدمیوں کو اپنے ایک آزاد کے بدلہ میں اور ان کے ایک آزاد کو اپنے ایک غلام کے عوض میں قتل کرتے تھے، اسی طرح ان کے ایک مرد کو اپنی عورت کے بدلہ میں قتل کیا کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس فعل کو حرام قرار دیا گیا، اس طور پر آیت کا صحیح مطلب یہ ہوگا کہ اے ایمان والو! تم پر مقتول کا قصاص یعنی اس میں مساوات و برابری فرض کی گئی ہے نہ کہ زیادتی، چنانچہ اس کے بعد الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی کی وضاحت کر دی گئی، یعنی ایک آزاد کے بدلہ میں ایک آزاد ہی قتل کیا جائے دو نہیں اور غلام کے بدلہ میں غلام ہی قتل کیا جائے آزاد نہیں اور عورت کے عوض عورت ہی قتل کی جائے مرد نہیں۔ (۱)

ملا جیون آیت قصاص کو سورہ مائدہ کی آیت "النفس بالنفس" سے منسوخ نہیں مانتے بلکہ اس کی خوبصورت توضیح کرتے ہوئے فقہائے احناف کی تائیدیوں کرتے ہیں:

”میرے نزدیک اس موقع کے لیے بہترین جواب یہ ہے کہ جب قصاص کا دار و مدار مساوات پر ہے تو جس نے قتل کیا ہے اسی کو قتل کیا جانا چاہیے، خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، کمسن ہو یا بڑا، صحت مند ہو یا مریض، آیت شریفہ میں الحر بالحر کی تعیین اس لیے کی گئی ہے کہ عرب صرف قاتل ہی کو قتل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ غلام کے بدلے آزاد اور آزاد کے بدلے میں دو آزاد اور عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کرتے تھے، پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آزاد نے اگر قتل کیا ہو تو اسے قتل کیا جائے اور اگر عورت قاتلہ ہو تو اسے قتل کیا جائے وغیرہ، اس طرح یہ آیت منسوخ ہوئے بغیر امام مالک اور امام شافعی

(۱) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۴۳

کے خلاف دلیل بن جائے گی۔ (۱)

ملا جیون کے اس قول کی تائید متاخرین علمائے احناف نے بھی کی ہے، مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

”اس میں اصل مقصود مساوات ہے، اس سے ان کے اس قول کی

تردید مقصود ہے کہ ہمارے ایک آدمی کے بدلے میں دو آدمی قتل کیے جائیں

گے، اس سے مرد اور عورت کے درمیان قصاص کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ (۲)

وَمَا أَهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ | سورہ بقرہ کی آیت

اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا

وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ لِغَيْرِ

جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔

اللہ - (البقرہ: ۱۷۳)

”اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ کسی بت مثلًا لات و عزی یا کسی نبی وغیرہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔“

پھر انہوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کے عہد میں جو جانور اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کے طور پر ذبح کیے جاتے ہیں، ان کا کھانا حلال ہے کیوں کہ ذبح کے وقت ان پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا ہے (۳)، ملا جیون کے اس قول پر صاحب تفسیر جواہر القرآن نے یہ اعتراض کیا ہے۔

”تفسیر احمدی میں دوسرے پارے کی تفسیر میں جو یہ لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا کھانا جائز ہے، مردود ہے الا آنکہ اس کی یہ تاویل نہ کی جائے کہ نذر کرنے والے کا مشرکانہ عقیدہ بدل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے۔“ (۴)

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس کو ذکر کر کے ملا جیون کا یوں دفاع کیا ہے:

(۱) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۴۴ (۲) مولانا اشرف علی تھانوی، تفسیر بیان القرآن، ج ۱، اشرف

المطالع، تھانہ بھون، ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء، ص ۹۹ (۳) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۳۹ (۴) مولانا

غلام اللہ خان، تفسیر جواہر القرآن (افادات مولانا حسین علی)، ج ۱، فیروز سنز لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ۵۱

”بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے جوشبہ ہوا ہے اس کا جواب

اس کے منہ سے ظاہر ہے کہ ملا صاحب نے ایصال ثواب کی بنا پر حلت کا حکم

لگایا ہے اور وہ بلا تاویل حلال نہیں کہتے ہیں۔“ (۱)

مشرک اور اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا حکم | سورہ بقرہ کی آیت

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ
يُؤْمِنَ (البقرہ: ۲۲۱) کہ وہ ایمان نہ لائیں۔

کی تفسیر میں انہوں نے مفسرین اور فقہاء کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی یہ رائے پیش کی ہے:

”میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”حتیٰ یؤمن“ کا مطلب

یہ ہے کہ یہاں تک کہ وہ کسی نبی کی تصدیق کریں اور کسی کتاب کا اقرار کریں،

مشرک اہل کتاب عورتوں کا بھی یہی حکم ہوگا۔“ (۲)

تفسیر آیات میں ربط و نظم کا اہتمام | ملا جیون نے اپنی تفسیر میں آیتوں کے درمیان باہمی

مناسبت بھی دکھائی ہے، سورہ بقرہ میں نہایت تفصیل سے روزہ کے احکام بیان ہوئے ہیں، مگر انہیں کے درمیان بعض ایسے امور بھی بیان کر دیئے گئے ہیں جن کا بہ ظاہر احکام صیام سے کوئی تعلق نہیں ہے، مثلاً ارشاد باری ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي
فَأِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا
لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُونَ -

(البقرہ: ۱۸۶)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہوں، منظور کر لیتا ہوں عرضی درخواست کرنے والے کی جب کہ وہ میرے حضور میں درخواست کرے، سو ان کو چاہیے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں، امید ہے کہ وہ لوگ رشد حاصل کر سکیں گے۔

اس آیت سے پہلے روزہ کے مفصل احکام بیان ہوئے ہیں اور اس کے بعد اس میں سرغزو

(۱) مولانا قحطانوی، حوالہ سابق، ص ۹۷ (۲) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۸۲

ہونے والی لغزشوں کا تذکرہ ہے، چنانچہ ملا جیون اس آیت کا ربط بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”یہ اس دعائے مغفرت کی قبولیت کا حکم ہے جو روزہ کے سلسلہ میں

ہونے والی لغزشوں کی بنا پر بندوں کی جانب سے کی جاتی ہے اور اس طور پر یہ

آیت اپنے ماقبل و مابعد سے مربوط ہو جاتی ہے۔“ (۱)

سورۃ بقرہ کی ایک ہی آیت میں دو علاحدہ حکم ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں، ارشاد باری ہے:

آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات

کرتے ہیں، آپ فرما دیجیے کہ وہ چاند آلہ

شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے

لیے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں

میں اس کی پشت کی طرف سے آیا کرو، ہاں

لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام سے

بچے اور گھروں میں اس کے دروازوں سے آؤ

اور خدائے تعالیٰ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ

تم کامیاب ہو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاِهْلَةِ قُلْ هِيَ

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ

الْبِرَّ بِاَنْ تَابَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ

ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اتَّقَى

وَاتَّبَعَ الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ -

(البقرہ: ۱۸۹)

ملا جیون نے آیت بالا میں دونوں علاحدہ حکموں کے درمیان ربط و تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں احکام میں باہم کیا رشتہ ہے اور یہ

دونوں بغیر کسی مناسبت کے ایک ہی آیت میں کیوں ذکر کیے گئے ہیں، تو ہمارا

جواب یہ ہوگا کہ یا تو یہ تعلق ہے کہ چاند کی منزلوں کو حج کا آلہ شناخت اوقات

بتایا گیا ہے اور ان کا یہ فعل یعنی گھروں میں دروازہ کے بجائے پشت کی طرف

سے داخل ہونا بھی زمانہ جاہلیت میں حج کا ایک فعل تھا، اس لیے ضمناً اس کا ذکر

بھی حج کے ساتھ کیا گیا ہے، یا یہ ان لوگوں نے ان دونوں احکام کے بارے

(۱) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۵۵۔

میں سوال کیا تھا، اس لیے دونوں کے جوابات دیے گئے ہیں یا یہ کہ انہوں نے وہ بات دریافت کی جس کا تعلق خود ان سے ہے، علم نبوت سے اس کا کوئی سروکار نہیں ہے اور انہوں نے وہ بات نہیں پوچھی جس کا تعلق علم نبوت سے ہے تو ان کے سوال کا جواب دینے کے بعد اس کو بھی تاکید کی طور پر ذکر کیا گیا کہ تمہارے لیے تو بہتر یہ تھا کہ تم اس طرح کی باتیں دریافت کرتے اور ان کو جاننے کی کوشش کرتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے ان کے اٹنے سوالات پر تنبیہ مقصود ہو اور ان کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہو جو گھر کا دروازہ چھوڑ کر اس کی پشت کی جانب سے اس میں داخل ہو۔ (۱)

ملا جیون کے مندرجہ بالا بیان سے اس اہتمام اور کد و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے جو انہوں نے آیات و احکام کی باہمی مناسبت بیان کرنے میں صرف کی ہے، سورہ قیامہ کی مندرجہ ذیل آیتوں کا سیاق و سباق سے بہ ظاہر کوئی ربط نہیں ہے مگر ملا جیون نے اس سلسلہ میں اپنی منفرد اور دل چسپ رائے بیان کی ہے، وہ آیتیں یہ ہیں:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَفْجَلَ
بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا
قُرْآنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ
عَلَيْنَا بَيَانَهُ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ
الْعَاسِجَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ -
(القیامہ: ۱۶ تا ۲۱)

اے پیغمبر! آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا
کیجیے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں ہمارے
ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا،
تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں تو آپ اس کے
تابع ہو جایا کیجیے، پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے
ذمہ ہے، اے منکرو! ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا
سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

ان آیتوں کی تفسیر میں ملا صاحب نے پہلے تو مفسرین کا یہ عام قول نقل کیا ہے کہ
حضور اکرم ﷺ وحی کی آمد کے وقت جلدی جلدی اسے یاد رکھنے کے لیے دہرایا کرتے تھے
تاکہ وہ محفوظ رہ جائے، پھر وہ لکھتے ہیں کہ اس صورت میں ان آیتوں کا تعلق ماقبل و مابعد کی آیتوں

(۱) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۶۴۔

سے منقطع ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اس کی دوسری تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان آیات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں متکبر انسان کی قیامت کے دن کی حالت بیان کی گئی ہے، جب اعمال نامہ اس کو پڑھنے کے لیے دیا جائے گا کہ اے انسان اس اعمال نامہ کو پڑھنے میں جلدی نہ کر بلکہ اس میں غور کر اور ٹھہر، ہم نے اسے جمع کیا ہے، پھر جب ہم اسے پڑھیں تو اسے اقرار و تامل کے ساتھ پڑھ، پھر ہم اس کا بدلہ واضح طور پر دیں گے، اسی طرح آگے کی آیتیں بھی انسان کی حالت کو بیان کرتی ہیں، اس صورت میں تمام سلسلہ کلام مربوط ہو جاتا ہے۔“ (۱)



شیخ علی اصغر قنوجی

نام و نسب اور خاندانی حالات | علی اصغر نام اور والد کا نام عبدالصمد تھا، ان کا تعلق شیخ عماد الدین کرمانی مولف فصول عمادیہ کے خاندان سے ہے اور سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

ان کے آبا و اجداد تلاش روزگار میں مدینہ طیبہ سے کرمان آکر بس گئے تھے، پھر وہاں سے شیخ عماد الدین کرمانی کے فرزند شیخ مبارک ہندوستان آئے اور قنوج میں اقامت گزری ہوئی، اسی وقت سے اس خاندان کے لوگ قنوج میں آباد ہیں۔ (۱)

ولادت | ۱۰۵۱ھ / ۱۶۴۱ء میں قنوج میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش و پرداخت ہوئی۔ (۲)

تعلیم | قنوج ہی کے ایک عالم سید محمد حسینی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر مزید تعلیم مولانا عصمت اللہ سہارن پوری، مولانا محمد زمان کاکوروی اور نواب دیانت خان سے پائی اور اخیر میں علامہ لطف اللہ کوڑوی سے آخری درجہ کی کتابیں پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی، یہیں کے درس میں ان کے ہم سبق مشہور عالم ملا جیون ایشھوی تھے۔ (۳)

راہ سلوک | شیخ علی اصغر کو تصوف و سلوک سے طبعی مناسبت تھی، اس لیے وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد براہ راست لکھنؤ کے لیے عازم سفر ہوئے اور وہاں انہوں نے شیخ پیر محمد لکھنوی سے بیعت کی اور ان کی خدمت میں رہ کر تصوف کے اوراد و اشغال سیکھے، پھر ان سے خلافت حاصل کر کے قنوج لوٹے اور اپنی پوری زندگی یہیں نہایت خاموشی اور یکسوئی سے گزار دی۔

درس و افادہ | قنوج میں انہوں نے تمام عمر درس و افادہ کا بازار گرم رکھا اور بے شمار لوگوں

(۱) آزاد، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۵۰ (۲) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۱۷۸ (۳) آزاد، ماثر الکرام،

محولہ بالا، نواب صدیق حسن خان نے ان کے اساتذہ کی فہرست میں مولانا لطف اللہ کوڑوی کا نام نہیں لیا

ہے، ملاحظہ ہوا بجد العلوم، مطبعہ صدیقیہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء، ص ۳۹۰۔

نے ان سے استفادہ کیا، آزاد بلگرامی کا بیان ہے:

”و مدت شصت سال درس گفت، خلقے

مسلل ساٹھ سال تک انہوں نے درس دیا

کثیر در حوزہ درس او منتہائے فضیلت

اور بہت سے لوگ ان کے درس سے عالم و

حاصل کردند۔ (۱)

فاضل بن کر نکلے۔

شیخ علی اصغر کے دائرہ تلمذ میں خود ان کے فرزند ارجمند شیخ رستم علی قنوجی جو صاحب

تصنیف مفسر گزرے ہیں شامل ہیں، ان کے علاوہ ان کے اہم تلامذہ میں مولوی محمد امجد بخشی

صدر اور مولوی فتح علی قنوجی کے نام سرفہرست ہیں۔ (۲)

اخلاق و عادات | شیخ علی اصغر بڑے برگزیدہ اور متقی بزرگ تھے، آزاد بلگرامی کو ان سے

ملاقات کا شرف حاصل ہے، وہ لکھتے ہیں:

”فقیر دوسہ صحبت مولوی را دریافت

فقیر کو دو تین مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے

ذات قدس معلیٰ بود۔ (۳)

بڑی برگزیدہ اور مقدس شخصیت کے مالک تھے۔

شیخ علی اصغر کے ہم وطن نواب صدیق حسن خان قنوجی بھی ان کی عظمت و بزرگی کے

معترف تھے، لکھتے ہیں:

”جامع بود میان علم شریعت و طریقت۔ (۴)

وہ شریعت و طریقت کے جامع بزرگ تھے۔

وفات | ۱۵ شعبان ۱۱۴۰ھ / ۲۶ مارچ ۱۷۲۸ء کو وفات پائی اور اپنی مسجد کے سامنے ہی

ایک چبوترہ پر دفن کیے گئے۔ (۵)

آزاد بلگرامی نے تاریخ وفات کہی ہے:

”شد نہاں آفتاب صبح علوم: ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۸ء۔“

اولاد | شیخ علی اصغر کے صرف دو صاحب زادوں کا ذکر تذکرہ کی کتابوں میں ملتا ہے، ان

(۱) آزاد، ماثر الکرام، دفتر اول، ص ۲۵۰ (۲) نواب صدیق حسن خاں، حوالہ سابق، ص ۳۲-۳۳-۳۴

(۳) آزاد ماثر الکرام، محولہ بالا (۴) نواب صدیق حسن خاں، تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار، مطبع

شاہ جہانی، بھوپال، ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء، ص ۱۸۹ (۵) آزاد، ماثر الکرام، ص ۲۵۱، و عبدالحی، نزہۃ الخواطر،

ج ۶، ص ۱۷۸۔

کے علاوہ ان کی ازواج و اولاد کا حال کچھ معلوم نہیں ہے۔

۱- مولانا محمد کامل (م ۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء) یہ غالباً بڑے صاحب زادے تھے، سلسلہ نقش بند یہ کے مشائخ میں ان کا شمار ہوتا ہے اور ان سے خود ان کے برادر خورد شیخ رستم علی قنوجی نے اس سلسلہ کی اجازت حاصل کی تھی۔ (۱)

۲- شیخ رستم علی (م ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۴ء) یہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ (۲)

تصنیفات | شیخ علی اصغر نے کئی کتابیں لکھیں اور ان کی اکثر کتابیں علم تصوف پر ہیں، انہوں نے ایک تفسیر ثواب التزویل کے نام سے لکھی جو ان کی آخری تصنیف ہے (۳)، نواب صدیق حسن خان کے بیان کے مطابق انہوں نے منظوم کتابیں بھی لکھیں (۴) جو فن شعر و شاعری سے ان کی واقفیت کی دلیل ہے، تاہم ان کا کوئی شعری مجموعہ دست یاب نہیں ہے، ان کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:

۱- اللطائف العلیہ فی المعارف الالہیہ : یہ کتاب فن تصوف میں شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے۔

۲- تبصرة المدارج : اس میں شیخ پیر محمد کے افادات جمع کیے گئے ہیں۔

۳- القصیدۃ المہمینۃ فی النفعۃ المحمدیۃ : یہ غالباً ان کا کوئی متصوفانہ منظوم رسالہ تھا۔

۴- النفائس العلیہ فی کشف اسرار المہمینۃ: یہ قصیدہ مہمینہ کی شرح ہے۔

۵- شرح فصوص الحکم : نواب صدیق حسن خاں کے بیان کے مطابق فصوص کی تلخیص بھی انہوں نے کی تھی۔ (۵)

تفسیر ثواب التزویل فی اشارۃ التاویل | یہ تفسیر جلالین کے انداز کی ایک مختصر اور جامع

تفسیر ہے جس کے بارے میں نواب صدیق حسن خاں کا بیان ہے کہ یہ جلالین سے زیادہ

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۸۷ (۲) نواب صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ص ۹۳۲ (۳) آزاد و ماثر

الکرام، ص ۲۵۱ (۴) نواب صدیق حسن خاں، تقصیر جیود الاحرار، ص ۱۸۹ (۵) ابجد العلوم، ص ۹۳۲۔

بلغ اور متین ہے (۱)، اس کا ایک ناقص قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رام پور میں محفوظ ہے (۲)، اس کے علاوہ اس کے کسی اور نسخہ کا علم نہیں ہے، اسی طرح ان کی دوسری کتابوں کا کہیں سراغ نہیں لگتا ہے۔

تفسیر ثواب التزویل کی چند خصوصیات | تفسیر ثواب التزویل کا جو نسخہ رام پور کے کتب خانہ میں ہے، اس میں صرف نوے صفحات ہیں جو سورہ فاتحہ کے آغاز سے سورہ بقرہ کی ابتدا تک خط نسغیلق میں لکھے ہوئے ہیں، اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے ”الحمد لله العليم الحكيم، الذي انزل على عبده كتابا فاتحته السبع المثاني والقران العظيم“ اور اختتام اس نامکمل عبارت پر ہوا ہے ”ذالك اشارة الى الم المذكور قبله بالمولف من هذه الحروف“۔

شیخ علی اصغر کی یہ تفسیر گونا گونا گوں نامکمل ہے تاہم اس سے بھی اس کی بعض نمایاں خصوصیات کا پتا چلتا ہے، جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ مکمل قرآن مجید کی سات ثواب میں تقسیم، شیخ علی اصغر نے اس تفسیر میں پورے قرآن مجید کو سات ثواب میں تقسیم کیا ہے، پہلے ثواب میں تنہا سورہ فاتحہ ہے، اس کے بعد سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کو دوسرے ثواب میں رکھا ہے، چوں کہ تفسیر ناقص ہے، اس لیے مزید ثواب کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں تک ہیں، یہ تصور انہوں نے سورہ فاتحہ کی سات آیات، سبع طوال اور حوامیم کی تعداد جو سات ہی ہے اس سے اخذ کیا ہے، جس سے ان کی ذہانت اور قرآن مجید سے شیفتگی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۲۔ عدد سات کا خاص اہتمام، سات کا عدد چوں کہ ان کے نزدیک قرآن مجید کی اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر اہم اور بابرکت ہے، اس لیے انہوں نے مسائل کی تشریح اور بحث و تحقیق میں بھی اس کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے، سورہ فاتحہ کی تفسیر کے بعد انہوں نے اعجاز قرآن کے موضوع پر بحث کی ہے اور اس میں بھی سات مسائل ذکر کیے ہیں۔

۳۔ سلاست بیان، شیخ علی اصغر کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا، جس کا اندازہ ان کے

(۱) نواب صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ص ۹۳۲ (۲) مولوی محمد نبی، فہرست کتب رام پور، ج ۱، ص ۲۶۔

طرز تحریر سے ہوتا ہے، حروف مقطعات پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”وليعلم ان المقطعات في اوائل
السور من المتشابهات لا يعلم
تاويله الا الله كما قيل ان لكل
كتاب سرا و سر القرآن فواتح
السور“۔ (۱)

جاننا چاہیے کہ سورتوں کے آغاز میں حروف
مقطعات متشابہات کی قبیل سے ہیں جن کا
علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، جیسا کہ مقولہ
ہے کہ ہر کتاب کا ایک راز ہوتا ہے اور قرآن
کا راز سورتوں کے ابتدائی حصے میں ہے۔

۴۔ روایات اور اقوال ائمہ سے استدلال، اس تفسیر کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے
کہ اس میں دلائل کے طور پر روایتیں اور ائمہ کے اقوال بھی ذکر کیے گئے ہیں، پھر ان میں محاکمہ
کر کے کسی ایک رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔

۵ کتب لغت و نحو سے مراجعت، الفاظ کی لغوی تحقیق میں اہم کتب لغت و نحو سے بھی
مدد لی گئی ہے، چنانچہ زجاج، سیبویہ، صاحب صراح اور تاج العروس کے حوالے اس میں بکثرت
ملتے ہیں۔

.....

(۱) شیخ علی اصغر، ثواب التزیل، ورق، ۴۳-۴۴

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی

نام و نسب اور خاندانی حالات | شاہ صاحب کا نام کلیم اللہ، پدر بزرگوار کا نام نور اللہ اور جد محترم کا احمد معمار تھا، ان کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے، تذکرہ کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ ان کا خاندان خجند ہوتا ہوا لاہور پہنچا اور اس خاندان کے لوگ شاہ جہاں کے دور حکومت میں دہلی آکر آباد ہوئے اور یہ لوگ معماری کا پیشہ کرتے تھے۔ (۱)

شاہ کلیم اللہ کے دادا شیخ احمد معمار اور ان کے بھائی شیخ حامد اپنے عہد کے بڑے کمال عمارت گر اور نقشہ نویس تھے، شاہ جہاں نے جب لال قلعہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو ان ہی دونوں بھائیوں نے اس کا نقشہ بادشاہ کے روبرو رکھا جس کے موافق اس قلعہ کی تعمیر ہوئی (۲)،

(۱) حاجی نجم الدین، مناقب المحبوبین، مطبع محمد حسن رام پور، ۱۲۸۹ھ ۱۸۷۲ء، ص ۴۵، حاجی نجم الدین نے شاہ کلیم اللہ کے دادا احمد معمار کو شیخ حامد کا فرزند بتایا ہے مگر مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق وہ ان کے بڑے بھائی تھے، ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی، تاج محل اور لال قلعہ کے معمار، مقالات سلیمان، ج ۱، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۶۶ء، ص ۳۰۰، ۳۰۱، پروفیسر نذیر احمد کی تحقیق یہ ہے کہ شیخ احمد معمار کے والد کا نام برخودار تھا، ملاحظہ ہو: پروفیسر نذیر احمد، استاد احمد معمار تاج محل کے بارے میں کچھ نئی معلومات، غالب نامہ، جولائی ۱۹۹۱ء، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ص ۱۸۱، حاجی نجم الدین نے شاہ صاحب کے خاندان کا اصل وطن خجند بتایا ہے، مگر شاہ صاحب کے تایا لطف اللہ مہندس نے اپنی کتاب منتخب الحساب کے دیباچہ میں یہ صراحت کر دی ہے کہ ان کے والد لاہور سے دہلی آئے تھے، مولانا سید سلیمان ندوی نے اس خاندان کے لاہوری ہونے کی متعدد دلیلیں پیش کی ہیں، ملاحظہ ہو: سید سلیمان ندوی، حوالہ سابق، ص ۲۹۶، ۳۱۶، ۳۲۱، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۳ (۲) منشی ذکاء اللہ دہلوی، تاریخ ہندوستان، ج ۸، ص ۴۰۔

محمد صالح کنبوہ کا کہنا ہے کہ یہ تعمیر شاہ صاحب کے دادا احمد معمار کی ہی نگرانی میں ہوئی (۱)، ان کا دوسرا ہم کارنامہ آگرہ میں ممتاز محل کے روضہ کی تعمیر ہے، ان کے علاوہ عہد شاہ جہانی کی دوسری عمارتیں بھی انہوں نے بنائیں جس کی بنا پر وہ معمار شاہ جہانی کہلاتے تھے اور ان کے ساتھ ان کے بھائی استاد حامد اور خود ان کے لڑکے ان کے تعمیری کاموں میں شریک رہتے تھے، تاج محل کی تعمیر ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء میں مکمل ہوئی اور لال قلعہ ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء سے شروع ہو کر ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء میں تکمیل کو پہونچا اور اسی کے دوسرے سال ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں شیخ احمد کا انتقال ہوا۔

۱۰۶۱ھ/۱۶۵۰ء میں دہلی کی جامع مسجد جب تعمیر ہوئی اس وقت شیخ احمد موجود نہ تھے، اس لیے اس کو بنانے میں ان کے بھائی استاد حامد اور شیخ احمد کے لڑکوں نے نمایاں حصہ لیا، کہا جاتا ہے کہ استاد حامد کے ساتھ ایک دوسرا عمارت گر استاد ہیرا ان کا شریک کار تھا، جامع مسجد میں بیرونی محرابوں کے اوپر دیوار میں مسجد بنائے جانے کی جو تاریخ فارسی عبارت میں بخط نسخ تحریر ہے وہ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے والد بزرگوار اور شیخ احمد کے سب سے چھوٹے فرزند حاجی نور اللہ کی باکمال انگلیوں کا اعجاز ہے اس کتبہ کے آخر میں بہت شال کتبہ نور اللہ احمد لکھا ہوا ہے۔

شاہ کلیم اللہ کے والد تین بھائی تھے: ۱- عطاء اللہ رشیدی نادر العصر، ۲- لطف اللہ مہندس، ۳- نور اللہ معمار یہ تینوں بھائی ہندسہ اور عمارت گری کے فن میں مہارت رکھتے تھے اور نور اللہ کو جو سب سے چھوٹے تھے، اس فن میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ معمار کا موروثی لقب صرف انہیں کو ملا، انہیں نظم و نثر میں بھی درک حاصل تھا، غرض پورا خاندان فن عمارت گری میں نمایاں اور ممتاز تھا اور اسی کے ساتھ علم و فن سے بھی بہرہ ور تھا۔ (۲)

شاہ کلیم اللہ کے والد حد درجہ خلیق اور ملن سار تھے، ان کا نکاح شاہی دربار کے ایک متوسل مولوی احمد علی کی صاحبزادی سے ہوا جن کے بطن سے یہ بدر منیر طلوع ہوا۔

ولادت | شاہ کلیم اللہ کی ولادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ/۱۴ جون ۱۶۵۰ء کو شاہ جہاں آباد (دہلی) میں ہوئی، اسی لیے وہ شاہ جہاں آبادی کہلائے۔

(۱) محمد صالح کنبوہ: عمل صالح، ج ۳، اردو ترجمہ از ڈاکٹر ناظر حسن زیدی، ص ۹۶ (۲) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: مقالات سلیمان، محولہ بالا۔

تعلیم و تربیت | شاہ صاحب ایک صاحب کمالات خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، اس لیے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی گئی اور خود انہوں نے نہایت جاں فشانی اور محنت سے حصول علم کیا، ان کے اساتذہ میں شیخ برہان الدین معروف بہ شیخ بہلول اور شیخ ابوالرضا برادر کلاں والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نام ملتے ہیں۔

حلقہ درس | تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے چند برس مطالعہ میں گزارے اور بعض درسیات کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے، پھر اپنے پدر بزرگوار کے حکم کی تعمیل میں زینت المساجد دہلی کے دالان میں باقاعدہ درس کا سلسلہ شروع کیا اور یہ سلسلہ تقریباً دس سال تک جاری رہا اور اس دوران بے شمار تشنگان علم نے اپنی پیاس بجھائی۔

تصوف و سلوک | درس و تدریس کے زمانہ میں شاہ صاحب کی ملاقات ایک مرد عارف سے ہوئی جس کے اثر سے وہ معلمی کا مشغلہ ترک کر کے تربیت و سلوک کی راہ پر گامزن ہوئے اور اس راہ میں بڑی مشقت و ریاضت برداشت کی اور دہلی کے ایک بزرگ محمد صادق خلیفہ میاں پیر محمد سلونی کی خدمت میں حاضری دینے لگے، انہوں نے جب ان کی طلب صادق دیکھی تو ان کو مشورہ دیا کہ وہ مزید حصول معرفت کے لیے مدینہ منورہ شیخ یحیی مدنی کے پاس جائیں۔

سفر حجاز | غرض وہ حجاز کے سفر پر روانہ ہوئے، پہلے مکہ معظمہ پہنچے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور وہاں کے مشائخ میں میر محترم سے نقشبندی طریقہ کی سند و اجازت حاصل کی اور شیخ محمد غیاث سے قادری سلسلہ میں بیعت ہوئے (۱) پھر مدینہ منورہ شیخ یحیی مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت ہوئے، مدینہ طیبہ میں وہ طویل عرصہ تک مقیم رہے اور شیخ یحیی مدنی کے علاوہ وہاں کے دوسرے بزرگوں سے بھی کسب فیض کیا (۲)۔

مراجعت وطن | سرزمین حجاز میں حصول علم و معرفت کے بعد وہ دہلی واپس ہوئے اور جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان بازار خانم میں سکونت پذیر ہوئے، جو اس وقت دہلی کا سب سے بارونق بازار تھا، تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ یہ جگہ ان کے خاندان کو شاہ جہاں نے عطا کی تھی کیوں کہ لال قلعہ اور جامع مسجد کے معماروں کے لیے وہی موزوں ترین جگہ تھی، مولانا

(۱) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۲۴۰-۲۴۱ (۲) آزاد، مآثر الکرام، دفتر اول، ص ۴۲۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”دہلی کے ایک قدیم معزز خاندان کے ایک واقف کار (سید مرتضیٰ صاحب ہیڈ کلرک دفتر کمانڈر ان چیف دہلی) کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ استاد حامد اور استاد احمد (جد شاہ کلیم اللہ) دونوں بھائی تھے، استاد حامد کے نام سے کوچہ استاد حامد دہلی میں اب تک دریہ اور جامع مسجد کے درمیان موجود ہے اور ان کی اولاد دہلی میں سکونت پذیر ہے اور لاہور والے کہلاتے ہیں اور آج کل سادہ کاری کا کام کرتے ہیں۔“ (۱)

شاہ کلیم اللہ نے اپنے آبائی مکان میں درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جس کی شہرت بہت جلد اکناف ملک میں پھیل گئی اور دور دور سے طلبہ تحصیل علم کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے، یہ تمام طلبہ شاہ صاحب کے گھر ہی پر مقیم رہ کر اپنے اسباق پڑھتے تھے، البتہ ان کو خوراک اور لباس حکومت مہیا کرتی تھی۔

شاہ صاحب علم ظاہر اور علم باطن دونوں کے جامع تھے، اس لیے جو طلبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ان میں سے بعض علم باطن سے بھی مالا مال ہوتے تھے، شاہ صاحب کو درس حدیث سے خاص شغف تھا، مرزا مظہر جان جاناں ایک مرتبہ ان سے ملنے آئے تو دیکھا کہ صحیح بخاری کے درس میں مشغول ہیں۔ (۲)

دعوت و ارشاد | شاہ کلیم اللہ جب دہلی میں مسند علم پر جلوہ افروز ہوئے، اس وقت اورنگ زیب عالم گیر کی حکومت کا آخری زمانہ تھا اور اس وقت ملک کے عام سیاسی حالات نہایت ابتر تھے، اسی طرح ملک کی مذہبی و اخلاقی حالت بھی اچھی نہ تھی، ان حالات میں شاہ صاحب نے رشد و اصلاح کا فریضہ انجام دیا، چنانچہ انہوں نے اپنے باکمال خلفا کو مختلف مقامات پر اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے روانہ فرمایا، جن میں سرفہرست ان کے عزیز ترین خلیفہ شیخ نظام الدین تھے، جن کو دکن روانہ فرمایا تھا، وہ شاہی لشکر کے ہمراہ دکن گئے اور کچھ مدت تک لشکر ہی میں کام کرتے رہے، جس کے نتیجہ میں لشکر کے لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے، پھر بیجاپور اور برہان پور میں وہ مقیم

(۱) سید سلیمان ندوی، حوالہ سابق، ص ۳۰۱ (۲) حافظ محمد حسین مراد آبادی، انوار العارفین، ص ۴۳۰۔

ہے اور آخر میں اورنگ آباد جا کر مستقل سکونت اختیار کی اور وہاں خانقاہ نظامیہ قائم کی۔
شاہ صاحب کے تربیتی خطوط | شاہ صاحب اپنے خلفا کو برابر تربیتی ہدایت نامے بھیجا کرتے
 تھے، جن کے مطالعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے اہم معاشرتی حالات سے حد درجہ
 کبیدہ خاطر تھے، اس لیے برابر وہ اپنے خلفا کو دعوت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی تلقین کرتے
 تھے، اپنے خلیفہ شیخ نظام الدین کو لکھتے ہیں:

”تم کو اللہ تعالیٰ نے دکن کی ولایت عطا فرمائی ہے، تم یہ کام پورے
 طور پر انجام دو، میں نے اس سے پہلے تم کو لکھا تھا کہ لشکر میں جاؤ لیکن اب یہ حکم
 ہے کہ جہاں کہیں ہو اعلائے کلمۃ الحق میں مصروف رہو اور اپنے جان و مال کو
 اسی میں ہی صرف کردو۔“ (۱)

شاہ صاحب لوگوں کی مادیت پسندی دیکھ کر بہت رنجیدہ رہتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”بندگان خدا کے دل سے دنیا کی محبت ختم کر دینا چاہیے۔“

اے دوست دنیا نفس پروری اور تن آسانی کی جگہ نہیں ہے..... (۲)

اشاعت اسلام | شاہ صاحب اشاعت اسلام کے فرض سے بھی غافل نہیں تھے، وہ اپنے
 مریدوں کو بھی اس کے لیے کمر بستہ رہنے کی دعوت دیتے تھے، ایک مرتبہ شیخ نظام الدین نے
 ایک شخص کے لیے خلافت کی سفارش کی تو ان کو لکھا کہ:

”جب تک اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کمر ہمت نہ باندھی جائے،

خلافت سے کیا فائدہ۔“ (۳)

غرض اس باب میں شاہ صاحب کی عام تعلیم یہ تھی:

”..... دینی و دنیاوی فیض دنیا کو پہنچاؤ، اپنا عیش و آرام لوگوں پر قربان

کر دو..... ہر حال میں اعلائے کلمۃ الحق کے لیے کوشش کرتے رہو اور اسلام کی

آواز مشرق سے مغرب تک پہنچا دو،..... اعلائے کلمۃ الحق میں کوشش کرتے رہو

اور اس کام کو معمولی خیال مت کرو، کیوں کہ خدا اسی کام سے خوش ہوگا، لوگوں کی

(۱) محمد قاسم کلیسی، مکتوبات کلیسی، مطبع یونیورسٹی، دہلی، ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۲ء، ص ۲۶ (۲) ایضاً، ص ۵۹ و ۱۹ (۳) ایضاً ص ۳۹۔

اصلاح میں لگے رہو، انبیاء بھی اسی کام کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔“ (۱)
ایک مکتوب میں اپنے مرید محمد علی کو لکھتے ہیں:

”اعلائے کلمۃ الحق ہمارے پیروں کا مسلک ہے، تم بھی اس میں
کوشش کرتے رہو۔“ (۲)

اور اپنے تمام مریدوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

”اسلام کی اشاعت میں خوب کوشش کرو۔“ (۳)

غرض شاہ صاحب کی رہنمائی و توجہ اور ان کے خلفاء کی سعی و محنت سے بہت سے غیر مسلم
حلقہ بگوش اسلام ہوئے، شیخ نظام الدین کی تبلیغ و تلقین سے دکن میں کئی غیر مسلم خاندان مسلمان
ہوئے (۴)، اس کی اطلاع جب شاہ صاحب کو ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور ان کو تحریر فرمایا کہ:
”بہر حال مقصد و نیا والوں کو فیض محمدی پہنچانا ہے، یہ کام جس طرح

بھی ہو سکے سرانجام دینا چاہیے۔“ (۵)

نو مسلموں میں بعض اسلام کے اظہار و اعلان میں تامل کرتے تھے، اس کی اطلاع
جب شاہ صاحب کو ہوئی تو شیخ نظام الدین کو لکھا ہے کہ:

”میرے بھائی، اس بات کی کوشش کرو کہ آہستہ آہستہ یہ بات ہو جائے

کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کو مخفی نہ رکھا جائے، ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد

لوگ ان سے وہ معاملہ کر بیٹھیں جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔“ (۶)

طریقہ تربیت | شاہ صاحب نے اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کا بھی عمدہ انتظام کیا تھا،
وہ ان کے اعمال و اشغال اور اخلاق و اطوار کی مکمل نگرانی کرتے تھے اور دہلی میں رہنے کے
باوجود ان تمام خلفاء سے باخبر رہتے تھے جو بیرون دہلی دعوتی و تبلیغی کام پر مامور تھے، ان کی معمولی
کو تاہیوں پر ان کو متنبہ فرماتے تھے اور سب کو یہ تاکید کر رکھی تھی کہ وہ اپنے حالات سے ان کو مطلع
کرتے رہیں اور ان کے تمام مرید اس کی پابندی کرتے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی قدم

(۱) محمد قاسم کلیدی، مکتوبات کلیدی، ص ۶۰ و ۶۲ (۲) ایضاً، ص ۸۸ (۳) ایضاً، ص ۶۰ (۴) شبیر احمد چشتی،

حیات کلیم، آستانہ بک ڈپو، دہلی، ص ۳۸ (۵) محمد قاسم کلیدی، حوالہ سابق، ص ۶۶ (۶) ایضاً، ص ۶۶۔

میں اٹھاتے تھے، شاہ صاحب وقت کی پابندی پر خاص زور دیتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ:

”جو شخص وقت کا پابند نہیں وہ خسرا لدنیا والا آخرۃ کے مصداق ہے۔“ (۱)

وہ اپنے مریدوں کو تساہل اور تن آسانی سے بھی منع کرتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں:

”تم اپنے کام میں اور زیادہ سرگرم ہو جاؤ، یہاں تک کہ جو شخص

تمہارے پاس پہنچے وہ بھی تمہارا کام کرنے لگے۔“ (۲)

وہ اپنے خلفا کو اپنے سلسلہ کی اشاعت کی بھی تلقین کرتے تھے، تاکہ یہ سلسلہ رشد و

اصلاح آئندہ بھی جاری رہے۔

اتباع شریعت کی تاکید | شاہ صاحب برابر اپنے تمام مریدین و خلفا کو اتباع شریعت کی

تلقین فرماتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ شریعت کو نظر انداز کر کے کسی شخص کو روحانی ترقی حاصل نہیں

ہو سکتی، ایک مکتوب میں اپنے خلیفہ شیخ نظام الدین کو تحریر فرماتے ہیں:

”سب داخل سلسلہ لوگوں کو تاکید کرنی چاہیے کہ ظاہر کو شریعت سے

آراستہ اور باطن کو عشق مولیٰ سے پیرا ستہ رکھیں۔“ (۳)

ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

”اے بھائی، اگر کسی فقیر کا درجہ و مرتبہ معلوم کرنا چاہو تو دیکھو کہ وہ

شریعت کا کس حد تک پابند ہے، فقیر کی شناخت کا معیار شریعت ہی ہے، اسی

کسوٹی پر کھرے کھوٹے کو پہچانا جاسکتا ہے۔“ (۴)

شاہ صاحب شریعت پر عمل نہ کرنے والے اصحاب طریقت کو گمراہ بتاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”جو شخص شریعت میں راسخ نہیں وہ ناقص ہے، اس کے بغیر اس کی

طریقت یا حقیقت کا اثاثہ بے قیمت ہے، مرد کامل وہ ہے جو شریعت، طریقت

اور حقیقت تینوں کا جامع ہو۔“ (۵)

وفات | شاہ صاحب کو اخیر عمر میں نفرس اور وجع المفاصل کے امراض لاحق ہو گئے تھے (۶)،

(۱) محمد قاسم کلیسی، مکتوب ۲۲ (۲) ایضاً، ص ۵۴ (۳) ایضاً، ص ۱۹ (۴) ایضاً مکتوب ۱۲۹ (۵) ایضاً

(۶) ایضاً، ص ۹۳

اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا اور اپنی مسکونہ حویلی میں مدفون ہوئے (۱)، ان کی تاریخ وفات ۲۴ ربیع الاول ہے، البتہ سن وفات میں اختلاف ہے، صاحب نزہۃ الخواطر نے ۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء بتایا ہے (۲)، اس کی تائید ان کے ایک مرید کی اس تاریخ وفات سے ہوتی ہے:

کلیم اللہ عارف صاف بودہ
باقلیم بقا شوقش ربودہ
پرسیدم چوں تاریخ وفاتش
خرد گفتا کہ ذات پاک بودہ (۳)
۱۱۶۳۱ھ / ۱۷۲۸ء

اس کے برخلاف آزاد بلگرامی نے ان کا سال وفات ۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء بتایا ہے اور یہی ان کے مزار پر بھی کندہ ہے:

فضل و کمال خویش بود
مرہم قلب ریش بود
سال وفاتش گفتہ ہاتف
قطب زمانہ خویش بود (۴)
۱۱۴۳ھ / ۱۷۳۰ء

اولاد | شاہ کلیم اللہ کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، لڑکوں کے نام خواجہ محمد، حامد سعید، محمد فضل اللہ اور محمد احسان اللہ تھے اور بچیوں کے نام یہ تھے، بی بی رابعہ، فخر النساء، زینب جو بی بی مصری کے نام سے مشہور تھیں، ان کی اولاد میں خواجہ محمد شاہ صاحب کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔

اخلاق و عادات | شاہ کلیم اللہ متواضع، خلیق، سادگی پسند، متحمل المزاج اور حلیم الطبع بزرگ تھے، وہ دشمنوں اور مخالفوں سے بھی کبھی ناراض نہیں ہوئے، ان سے انتقام لینا تو درکنار وہ ہمیشہ ان کے لیے دعا گو رہتے تھے، اپنے مریدوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے کہ لوگوں کی جفا اور درشتی

(۱) آزاد، مآثر الکرام، دفتر اول، ص ۴۳ (۲) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶ ص ۲۴۱ (۳) پروفسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، اشوکا پریس، دہلی، ۱۹۵۳ء، ص ۴۲۱، بحوالہ شجرۃ الانوار، جلدی (۴) آزاد، مآثر الکرام، ص ۴۳

کو پروا نہ کرے، ان کا کہنا تھا کہ ہمارا کام دلوں کو جوڑنا ہے، اس راہ میں جتنی مشکلات پیش آئیں ان کو خندہ پیشانی سے انگیز کرنا چاہیے، دکن میں ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا جس سے ان کے عزیز شاگرد شیخ نظام الدین کو دکھ ہوا اور انہوں نے اس کی اطلاع شاہ صاحب کو دی تو اس کے جواب میں ان کو لکھا کہ:

”کوئی شخص ہم کو برائی سے یاد کرتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ، ہم تو

اس سے بھی زیادہ برے کہے جانے کے مستحق ہیں، یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس

نے ہم کو کم برا بھلا کہا، ہم نے اسے معاف کیا، تم بھی اسے معاف کر دو۔“ (۱)

استغنا و بے نیازی | شاہ کلیم اللہ بڑے غیرت مند اور بارعب تھے، اپنے مکان کا ایک

حصہ کرایہ پر دے رکھا تھا اور اسی معمولی رقم پر گزر اوقات کرتے تھے، کبھی کبھی مقروض بھی ہو

جاتے مگر کسی کے آگے دست سوال دراز کرنا گوارا نہ تھا، امرا و سلاطین کے ہدیے بھی قبول نہیں

کرتے تھے، فرخ سیر نے کئی دفعہ ان کی مالی مدد کرنی چاہی مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے

انکار کر دیا، اس نے خواہش کی کہ اس کو ان کی خدمت میں حاضری کی اجازت دی جائے تو کہلا

بھیجا کہ یہ بات ہمارے لیے اذیت کا باعث ہوگی، شاہ صاحب جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے

جب جامع مسجد جاتے تو وہاں بادشاہ بھی ہوتا تھا مگر اجازت کے بغیر اس کو بات کرنے کی ہمت

نہ ہوتی تھی۔ (۲)

تصنیفات | شاہ کلیم اللہ نے متعدد مفید اور اہم کتابیں یادگار چھوڑیں، ان کی تعداد بتیس

بتائی گئی ہے (۳) لیکن ان کی اکثر کتابیں ناپید ہیں جن کتابوں کا سراغ ملتا ہے، ان کا مختصر تعارف

حسب ذیل ہے:

۱- عشرہ کاملہ : یہ تصوف کے موضوع پر ہے، اس میں تصوف کے دس مسائل کی

تشریح کی گئی ہے، یہ کتاب عربی میں ہے اور چھپ چکی ہے۔

(۱) محمد قاسم کلیمی، حوالہ سابق (۲) پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۸۸، بحوالہ خواجہ گل

محمد احمد پوری، مکملہ سیر الاولیاء، ص ۸۵ (۳) ایضاً، ص ۳۹۰، بحوالہ احمد اختر مرزا، مناقب فریدی، مطبع احمدی،

دہلی، ص ۳۴۔

۲- سواء السبیل : یہ بھی تصوف کے موضوع پر اور عربی میں ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رام پور میں ہے، حیات کلیم کے مرتب نے اس کے منتخب اقتباسات کا اردو ترجمہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب علمی انداز میں لکھی گئی ہے اور اس میں تصوف و عقاید کے دقیق مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔

۳- کشکول : یہ کتاب فارسی میں ہے اور ان کی سب سے مشہور و مقبول تصنیف سمجھی جاتی ہے، ۱۱۰۱ھ / ۱۶۸۹ء میں بعض احباب کی فرمائش پر یہ لکھی گئی اور فن تصوف میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ متاخرین صوفیا اپنے مریدوں کو خرقہ خلافت کے ساتھ یہ کتاب بھی دیتے تھے، یہ کتاب طبع ہو چکی ہے اور اس کا سلیس اردو ترجمہ حیات کلیم کے مولف نے کیا ہے جو ان کی کتاب میں شامل ہے۔ (۱)

۴- مرقع : یہ بھی فارسی میں ہے اور اس کی حیثیت کشکول کے ضمیمہ کی ہے، یہ کتاب مطبوعہ ہے اور اس کا بھی اردو ترجمہ حیات کلیم میں موجود ہے۔ (۲)

۵- تسنیم : یہ کتاب بھی صوفیا کے حلقہ میں بڑی مقبول تھی، قاضی محمد عاقل بڑے والہانہ انداز میں اس کو پڑھاتے تھے، ان کے ایک مرید مولانا عبداللہ نے اس کی شرح بھی لکھی ہے مگر یہ کتاب دست یاب نہیں ہے۔ (۳)

۶- رسالہ تشریح الافلاک عاملی محشی بالفارسیہ : یہ رسالہ علم ہیئت میں ہے، شاہ صاحب کے خاندان میں اس علم کا عام رواج تھا، اس کا ایک نادر نسخہ نذیریہ پبلک لائبریری دہلی میں موجود ہے۔ (۴)

۷- شرح القانون : ابن سینا کی کتاب القانون کی شرح ہے، مولانا عبدالحی کے بیان کے مطابق اس کا واحد نسخہ رام پور کے کتب خانہ حامد یہ میں ہے۔ (۵)

۸- مکتوبات : یہ شاہ صاحب کے ایک سو بتیس مکتوبات کا مجموعہ ہے، جو فارسی میں

(۱) شبیر احمد چشتی، حیات کلیم، ص ۱۱۳ تا ۱۸۰ (۲) ایضاً، ص ۱۹۵ تا ۲۴۶ (۳) پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص ۳۹۲ بحوالہ گل محمد، تاملہ سیر الاولیا، ص ۱۵۶ (۴) ایضاً، ص ۳۹۵ (۵) عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۲۴۱۔

ہے، محمد قاسم کلیمی نے ان کو مطبع یوسفی دہلی سے ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء میں طبع کرایا ہے، اس مجموعہ میں سو سے زائد خطوط شیخ نظام الدین کے نام ہیں، باقی دوسرے مریدوں کے نام ہیں، اس سے شاہ صاحب کے عہد کے سیاسی و معاشرتی حالات کے علاوہ ان کی علمی و دعوتی سرگرمیوں کا بھی پتا چلتا ہے۔

۹- ملفوظات : شاہ صاحب کے ملفوظات کا بھی مجموعہ تھا، جس کو حیات کلیم کے

مرتب نے اردو کا جامہ پہنایا ہے، اس کا اسلوب و انداز مکتوبات ہی جیسا ہے۔ (۱)

تذکرہ کی کتابوں میں ان کی بعض اور کتابوں کے نام ملتے ہیں، مثلاً الہامات کلیمی،

التکسیر، رد و افض وغیرہ، اسی طرح علم منطق میں بھی ان کا ایک رسالہ بتایا جاتا ہے۔ (۲)

تفسیر قرآن القرآن بالبیان | یہ شاہ صاحب کی سب سے اہم تصنیف ہے جو عربی میں

قرآن مجید کی مختصر تفسیر ہے، یہ تفسیر جلالین کی ہم پایہ سمجھی جاتی ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ

جلالین میں شافعی مسلک کی رعایت کی گئی ہے اور یہ تفسیر حنفی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے، اس کا ایک

قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ (۳)

یہ تفسیر ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء میں لکھی گئی، یہ دراصل قدیم اہم تفسیروں کی ایک جامع

تلخیص ہے، شاہ صاحب اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”یہ علمائے ملت حنفیہ بیضاء کی تفسیروں سے ماخوذ ہے، اس کا نام

قرآن القرآن بالبیان رکھا ہے، میں کلیم اللہ جہاں آبادی مذہباً حنفی اور مشرباً

صوفی ہوں، یہ تصنیف ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء میں مکمل ہوئی۔“ (۴)

۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں میرٹھ کے مطبع احباب سے شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ

قرآن مجید کے حاشیہ پر یہ تفسیر طبع ہوئی ہے، اس کے علاوہ غالباً یہ تفسیر الگ سے شائع نہیں ہوئی،

مطبع احباب کے نسخہ پر مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کہی ہوئی یہ تاریخ بھی درج ہے۔

کار فرمائے مطبع احباب

(۱) شبیر احمد چشتی، حوالہ سابق، ص ۹۶ تا ۱۰۶ (۲) حاجی نجم الدین، حوالہ سابق، ص ۲۶ (۳) سید تصدق

حسین، فہرست کتب خانہ آصفیہ، ج ۱، ص ۵۲-۵۳ (۴) محمد سالم، ہندوستانی مفسرین، ص ۹۱-۹۲۔

شیخ عرفان حق جوان دبیر
اور مختار ہاشمی مطبع
کون ہاشم علی با تدبیر
چھاپا ہو کر کے جمع دونوں نے
ایسا مصحف نہیں ہے جس کی نظیر
بچ میں ترجمہ ہے اور اوپر
ایک تفسیر کی نئی تحریر
وہ تو فیض شہ رفیع الدین
محر موج فیض خیر کثیر
اور یہ فیض شہ کلیم اللہ
تھے طریقت میں جو کہ بدر منیر
چھپ چکا جب کہ یہ سب حرز جان
ہاتف غیب نے پئے تشہیر
کر کے آواز کو بلند کہا
چھپا قرآن بمعنی و تفسیر
۱۸۷۳ء / ۱۲۹۰ھ

اس کے علاوہ مولانا محمد قاسم صاحب نے یہ تاریخ بھی کہی تھی:

کیا خوب واہ کیا خوب کیا خوب چھاپا کیا خوب ختم المصاحف
۱۸۷۳ء / ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء / ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء / ۱۲۹۰ھ (۱)

ماخذ تفسیر | اس تفسیر میں اہم قدیم تفسیروں سے مدد لی گئی ہے، شاہ صاحب کی وضاحت
کے مطابق ان کے نام یہ ہیں، بیضاوی، مدارک، جلالین اور تفسیر حسینی، مجموعی حیثیت سے یہ عمدہ
اور بہتر تفسیر ہے، اس کی ترتیب جلالین کے انداز پر ہے اور اختصار کا حال یہ ہے کہ بعض مقامات
پر محض دو تین جملے اشارتاً لکھے گئے ہیں، سبب نزول کی وضاحت قدرے تفصیل سے کی گئی ہے،
مسائل میں احادیث سے بھی استنباط کیا گیا ہے، البتہ الفاظ و لغت کی بحثیں کم ہیں۔



(۱) پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص ۹۱-۳۹۲۔

حصہ دوم



شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ان کے
خانوادہ علمی اور تلامذہ
کی تفسیری خدمات

تمہید

سرزمین ہند پر ایک طویل عرصہ تک مسلمان سلاطین حکم ران رہے اور ان کے عہد اقتدار میں اس سرزمین سے بے شمار علما، مفسرین و محدثین، فقہاء اور صوفیہ پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کے اس عہد میں علم تفسیر پر کیا کچھ کام ہوا، اس کی ایک جھلک اس کتاب کے پہلے حصہ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سترہویں صدی عیسوی کے آغاز میں شہنشاہ ہند اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد مغل سلطنت آپسی خانہ جنگی اور انتشار کا شکار ہوئی، جس کے نتیجہ میں سلطنت مغلیہ کا جاہ و جلال ختم ہو گیا، ایک طرف انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ ان پر تسلط جمایا اور دوسری طرف نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی نے ان پر حملے کر کے ان کی قوت کم زور کر دی، بالآخر ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد اس عظیم سلطنت کا ڈھانچہ بکھر کر رہ گیا، ایسے نازک دور میں بظاہر علم و فن کی ترقی کا امکان نظر نہیں آتا، مگر قدرت کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ برصغیر ہند میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا نقطہ آغاز یہی دور ظلمت ہے، ڈاکٹر عبدالغنی نے اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی ہے:

”حکومت مغلیہ کے زوال و انحطاط، عام امرا کی تعیش کوشی اور اسی

دور میں انگریزوں کے روز افزوں تسلط کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید

اسلامیان ہند اپنی توانائی کھو چکے تھے، لیکن جب معاشرہ کی مجموعی زندگی پر نگاہ

ڈالی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ دور دراصل ان کی دینی، فکری اور سیاسی نہضت

کا دور ہے، اس کے آغاز میں ہم حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی (۱۶۵۰ -

۱۷۲۹ء) کو مدرسہ خانم بازار دہلی میں احیائے دین کی کوششوں میں مصروف

دیکھتے ہیں، یہیں سے تصوف کی وہ عوامی تحریک شروع ہوئی جو بالآخر تمام برصغیر

میں پھیل گئی..... شاہ عبدالرحیم (۱۶۴۴-۱۷۱۸ء) کا دہلی میں مدرسہ رحیمیہ بھی اسی دور کے آغاز میں اپنے عروج پر نظر آتا ہے، اس مدرسے میں احسان و سلوک کے علاوہ علم ظاہر پر زور دیا جاتا تھا اور یہیں سے قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک زبردست انقلابی تحریک شروع ہوئی۔“

(تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۵، ص ۲۱)

اس دور نہضت کے گل سرسبد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں جو مدرسہ رحیمیہ کے تعلیم یافتہ اور شاہ عبدالرحیم کے فرزند ارجمند ہیں، شاہ صاحب نے اپنی مجتہدانہ علمی بصیرت سے اسلامی علوم و فنون میں ایک نئی روح پھونکی اور اس کو مستقل ایک علمی تحریک کی صورت دی۔ علم تفسیر میں شاہ ولی اللہ کا یہ بڑا اہم کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس ملک میں پہلی مرتبہ اصول تفسیر کے موضوع پر کتاب لکھی اور ایک معتدل و متوازن ترجمہ قرآن کر کے عوام الناس کو قرآن مجید سے جوڑا، شاہ صاحب کے فرزند ان عالی مرتبت مقام اور ان کے تلامذہ نے ان کے اس مشن کی مکمل آبیاری کی جس سے پورے ملک کی فضا میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی اور قرآن و سنت سے استفادہ کا مذاق پیدا ہوا۔

کتاب کے اس حصہ میں شاہ ولی اللہ کی قرآنی تحریک اور ان کے تلامذہ و متبعین کی قرآنی خدمات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔



شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ

امام المفسرین والحمد للہ شہ ولی اللہ محدث دہلوی (ولادت ۱۱۱۴ھ وفات ۱۱۷۶ھ) ان نابغہ روزگار افراد میں ہیں، جو گردش لیل ونہار کے خرچ کہن میں خال خال نظر آتے ہیں، شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

”ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انہی کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں کہ اسلام کا نفس واپس تھا، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔“ (۱)

شاہ صاحب کی ہشت پہل شخصیت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس لیے ان کی شخصیت اور کمالات کا تذکرہ کیے بغیر صرف ان کی قرآنی خدمات کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔

ترجمہ قرآن مجید | شاہ ولی اللہ کا بے مثال اور تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کا ایک جامع اور متوازن فارسی ترجمہ کیا جس نے ترجمہ قرآن کے باب میں بحث و اختلاف کا خاتمہ کر دیا، ان کے ترجمہ سے قبل متعدد ترجمے ہو چکے تھے، مگر اس کے باوجود انہی کو مترجم اول کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے، ہمارے خیال میں یہ بات غلط بھی نہیں ہے کیوں کہ شاہ صاحب ہی کو یہ اولیت حاصل ہے کہ انہوں نے غایت درجہ احتیاط کے ساتھ قرآنی الفاظ کے بقدر فارسی کے منتخب الفاظ کا استعمال کیا ہے اور ترجمہ کی ایک معتدل شاہراہ قائم کی ہے۔ مولانا یوسف بنوری لکھتے ہیں:

”اس ترجمہ کے ذریعہ شاہ صاحب نے ہندی النسل مسلمانوں کو اختلاف و افتراق

(۱) علامہ شبلی نعمانی، علم الکلام، دارالمصنفین ۱۹۹۳ء، ص ۱۰۵ و ۱۰۶۔

سے بچا لیا ہے ورنہ ہندوستان میں بھی ترجمہ کے جواز پر ایسی ہی گرم

بازاری قائم رہتی، جیسی کہ مصر میں ہے۔ (۱)

شاہ ولی اللہ نے اپنے ترجمہ قرآن کا آغاز ۱۱۴۳ھ میں اپنے درس قرآن سے کیا، سورہ بقرہ و آل عمران کا ترجمہ ابھی مکمل ہوا ہی تھا کہ حج کا سفر پیش آ گیا اور چند برسوں کے لیے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، سفر حجاز سے واپسی کے بعد ۱۱۴۵ھ میں اس کو دوبارہ شروع کیا، بالآخر ۱۱۵۱ھ میں یہ ترجمہ پایہ تکمیل کو پہنچا، شاہ صاحب نے اس کا ”فتح الرحمن“ نام رکھا اور اس کا ایک مختصر اور جامع مقدمہ بھی تحریر کیا، جس کا ایک مخطوطہ دارالمصنفین میں محفوظ ہے۔

فتح الرحمن کی خصوصیات | فتح الرحمن کا سب سے نمایاں وصف اس کے حزم و احتیاط کا پہلو ہے جس کے سبب سے اس کو قبول عوام و خواص حاصل ہوا، شاہ صاحب اس کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قرآنی مفہوم کے بہ قدر ترجمہ میں فارسی الفاظ لائے گئے ہیں، مگر ان کے ساتھ ہی مراد و منشا کی وضاحت اور لطافت تعبیر کا بھی خیال رکھا گیا ہے..... متن کے اصل الفاظ سے جو بات زیادہ ہے اگر وہ دو ہی ایک کلمے کی حد تک ہے تو یعنی یا اسی طرح کے کسی اور لفظ سے اس کو متمیز کر دیا گیا ہے اور اگر کلام تام کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے شروع میں مترجم می گوید اور آخر میں اللہ اعلم کے لفظ سے اس کو نشان زد کر دیا گیا ہے۔“ (۲)

شاہ ولی اللہ نے فتح الرحمن کے مقدمہ میں ترجمہ کے اصول اور اس کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے ترجمہ کے حسب ذیل امتیازات گنائے ہیں:

(۱) قرآن مجید کے بعض ترجموں میں عبارت میں جو اطناب، رکاکت، اغداق اور تعقید پائی جاتی ہے، اس سے بہ قدر امکان احتراز کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے ترجموں میں متعلق قرآنی قصوں کو یا تو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے یا ان پر

(۱) مولانا محمد یوسف بنوری، یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن، ج ۱، پریس دہلی، ۱۳۵۷ھ، ص ۲۷ (۲) مقدمہ

فتح الرحمن (قلمی) بحوالہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی ”مقدمہ فتح الرحمن بہ ترجمہ القرآن“، قرآن مجید کی تفسیریں

چودہ سو برس میں، خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۵ء

طویل اور مفصل بحث کی گئی ہے، اس ترجمہ میں اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ جس مقام پر آیت کا مفہوم قصہ کی تفصیل کا متقاضی ہے وہاں منتخب الفاظ میں اس کی توضیح کر دی گئی ہے، ورنہ اس کو ترک کر دیا گیا ہے۔

(۳) مختلف اور بہ کثرت توجیہات میں سے صرف اس توجیہ کو اختیار کیا گیا ہے جو زبان سے ہم آہنگ اور حدیث و فقہ سے قریب تر ہو۔

(۴) اعراب قرآن کے وجوہ کی وضاحت اور محذوف ضما کی نشان دہی کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۵) قرآن کے ترجمے یا تو تحت اللفظ ہیں یا ترجمانی پر مشتمل ہیں مگر یہ ترجمہ ان دونوں طریقوں کا جامع ہے۔ (۱)

مقدمہ فتح الرحمن | مقدمہ فتح الرحمن پندرہ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں فتح الرحمن کے

امتيازات کے ساتھ ترجمہ قرآن کی ضرورت، طلبہ اور مبتدیوں کے لیے اس کی افادیت اور عوام الناس کو اس کی طرف راغب کرنے کی ہدایات بھی دی گئی ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”اگر انصاف سے دیکھو تو قرآن کا نزول موعظت و ہدایت ہی کے لیے

ہوا ہے، اس کے الفاظ کا پڑھنا بھی غنیمت ہے گو وہ فی نفسہ مقصود نہیں ہے، اس

شخص کے حصہ میں بھلا کیا اسلام کی حقیقت آئے گی جو قرآن مجید کے مفہوم کو نہ

سمجھے اور اس کو کیوں کرحلاوت مل سکتی ہے جو اس کے مضمون سے ناواقف ہو۔“ (۲)

مقدمہ فتح الرحمن میں ترجمہ قرآن کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر کتابوں کو بھی حد درجہ احتیاط کی وصیت کی گئی ہے، شاہ صاحب نے ان کو یہ تاکید کی کہ:

”قرآن کی عبارت کو جلی حروف میں لکھیں اور اسے سرخ روشنائی سے

لکھیں تاکہ وہ ترجمہ سے ممتاز رہے اور اس کی احتیاط کریں کہ ترجمہ کے الفاظ

سے کسی طرح کی کوئی تحریف راہ نہ پائے، اشتباہ کے موقع پر کلام تام کو سرخ نقطہ

دیں تاکہ وہ مابعد سے جدا اور نمایاں رہے اور ترکیب اضافی و توصیفی میں

(۱) مقدمہ فتح الرحمن (قلمی) بحوالہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی حوالہ مذکور (۲) ایضاً۔

مضاف و موصوف پر بھی زیر کا نشان لگادیں تاکہ مبتدیوں کے لیے یہ چیزیں روشن اور واضح رہیں۔ (۱)

شاہ ولی اللہ دہلوی کے اسی محتاط نہج کی پیروی ان کے فرزند ان عالی مرتبت مقام نے کی اور قرآن مجید کے اردو ترجمے کیے اور اس طرح فہم قرآن کا فیضان عام ہوا۔

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر خدمت قرآن کے باب میں شاہ صاحب کا دوسرا بڑا اور

اہم کارنامہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کی تالیف ہے، یہ کتاب اصول تفسیر کے موضوع پر ہے اور فارسی زبان میں لکھی گئی ہے، برصغیر ہند و پاک میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے اور اس کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مصر کے ایک عالم محمد منیر الدین دمشقی نے اس کو عربی کے قالب میں منتقل کیا اور یہ کتاب مختلف مدارس عربیہ کے نصاب میں بھی داخل ہے۔

الفوز الکبیر کو شاہ صاحب نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے، آخری یعنی پانچواں باب ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تفسیری اقوال کا مجموعہ ہے جس میں تفسیر و تاویل کے ساتھ سبب نزول کی وضاحت بھی کی گئی ہے، چنانچہ شاہ صاحب نے اس باب کو علاحدہ کتابی صورت دی ہے اور اس کا نام ”فتح النجیر بمالابدن حفظہ فی علم التفسیر“ رکھا ہے۔

الفوز الکبیر کے پہلے باب میں یہ صراحت کی ہے کہ قرآن مجید کے تمام مضامین کو پانچ علوم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ علم احکام یعنی عبادات، معاملات، معاشرت اور سیاست سے متعلق واجب، مستحب، مباح یا مکروہ و حرام کا علم جن کی تفصیل فقہاء کا کام ہے۔

۲۔ علم مخاصمہ یعنی یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے مزعومات باطلہ کی تردید اور یہ موضوع متکلمین اسلام کا ہے۔

۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ آسمان و زمین اور نظام کائنات کی تخلیق کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان۔

۴۔ علم تذکیر بایام اللہ اطاعت گزار قوموں پر کیے گئے احسانات اور نافرمانوں پر بھیجے

(۱) مقدمہ فتح الرحمن (قلمی) محولہ بالا۔

گئے عذاب کی تفصیل۔

۵۔ علم تذکیر بالموت موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حشر و نشر، حساب و کتاب اور جنت و جہنم کا ذکر، موخر الذکر تینوں علوم سے متعلق آیتیں اور اس مضمون کی احادیث و اقوال و اعظین قوم کے مقصد کی چیز ہیں۔ (۱)

شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن مجید میں یہ علوم پنج گانہ متاخرین ادبا کے طرز تحریر کے مطابق علاحدہ علاحدہ فصلوں میں ذکر نہیں کیے گئے ہیں بلکہ یہ قدمائے عرب کے نہج و اسلوب کے موافق باہم دگر مخلوط ہیں، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ علوم فی نفسہ مقصود نہیں ہیں بلکہ نزول قرآن کا اصل مقصد انسانی نفوس کی تہذیب، عقائد باطلہ کی تردید اور اعمال فاسدہ کی بیخ کنی ہے۔ (۲)

علم خاصہ کی تفصیل شاہ صاحب نے نہایت اہتمام سے کی ہے اور اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ معاندین اسلام پر ان ہی مسلمات کی روشنی میں حجت پوری کی گئی جن کے وہ قائل تھے اور اسی سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ مختصمت کی آیتیں مخصوص اقوام و ملل کے لیے ہی نازل نہیں ہوئی ہیں بلکہ ہر عہد و قوم میں اس کی تطبیق ممکن ہے اور یہی اس کا مقصد ہے، چنانچہ وہ اپنے عہد کے مطابق مختصمت کی آیتوں کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر تم کو مشرکین کی حالت زار اور ان کے عقائد و اعمال کے بارہ

میں کچھ توقف ہو تو موجودہ زمانہ کے جاہل عوام پر ایک نظر ڈال لو اور خاص طور پر ان لوگوں کا معائنہ کرو جو دارالسلطنت دہلی کے اطراف و نواح میں آباد ہیں کہ ان کے نزدیک ولایت و بزرگی کا کیا تصور ہے، انہوں نے ماضی کے بزرگوں کو کیا کچھ بنا رکھا ہے اور اپنے لیے نیکی و تقویٰ کی ضرورت بالکل نہیں سمجھتے بلکہ صرف ان ہی بزرگوں کی قبروں پر حاضری دیتے اور ان کے آثار کو متبرک خیال کرتے ہیں، غرض مختلف النوع شرک میں یہ لوگ مبتلا ہیں، دیکھو! ان کے اندر تشبیہ و تحریف کی بیماری کس قدر سرایت کر گئی ہے، حدیث صحیح میں

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر، مکتبہ سلفیہ، ۱۹۵۱ء، ص ۱۰۲۔ (۲) حوالہ مذکور، ص ۲۔

آیا ہے کہ تم لوگ اپنے پیش روؤں کی اقتدا قدم بہ قدم کرو گے، آخر کون سی ایسی برائی نہیں ہے جس میں قوم بتلانہ ہو اور اس کا اعتقاد نہ رکھتی ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔“ (۱)

اسی طرح شاہ صاحب نے علمائے یہود کے بارہ میں قرآنی آیات مختصت کو اپنے زمانہ کے علما سو پر منطبق کیا ہے، نیز مشائخ کے ساتھ فرط عقیدت اور غلو کو وہ افراط انصاری سے مشابہ قرار دیتے ہیں (۲)، اس بحث کے خاتمہ میں وہ لکھتے ہیں:

”خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کی تلاوت کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ یہ مختصت محض گزری ہوئی قوموں سے ہے، پچھلے زمانہ کی کون سی خرابی ایسی ہے جو بطریق مثال آج موجود نہیں ہے، ان آیتوں کا اصل مقصد مفاسد کی کلیات کو پیش کرنا ہے، قوموں کی حکایات مقصود نہیں ہے۔“ (۳)

علم تذکیر بآلاء اللہ کے ذیل میں شاہ صاحب نے یہ لکھا ہے کہ اس علم میں عام و رائج نشانیوں کا ذکر ہے تاکہ ہر شخص اس کو بہ آسانی سمجھ سکے، مخصوص افراد کے قلبی واردات اور تاثرات کو موضوع نہیں بنایا گیا ہے کیوں کہ اس کا ادراک محدود ہے، اسی طرح تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں ان کا یہ کہنا ہے کہ واقعات کے تذکرہ میں اہل عرب کی واقفیت کو مد نظر رکھا گیا ہے کیوں کہ اگر ان کے سامنے نئے نئے اور نادر واقعات پیش کیے جاتے تو وہ اسی میں الجھ کر رہ جاتے اور اصل مقصد تذکیر فوت ہو جاتا۔ (۴)

علم الاحکام کے ذیل میں شاہ صاحب نے تفصیلات کے بجائے محض اشاروں پر اکتفا کیا ہے، چوں کہ اس موضوع پر ان کی مایہ ناز کتاب ”حجتہ اللہ البالغہ“ موجود ہے اس لیے ممکن ہے کہ انہوں نے اس سے صرف نظر کیا ہو، تاہم انہوں نے یہ صراحت کی ہے کہ علم الاحکام کے ذریعہ ملت حنفی کے تحفظ و بقا کا سامان فراہم کیا گیا ہے اور اہل عرب کا تزکیہ کر کے دراصل اقوام عالم کے تزکیہ کی راہ ہموار کی گئی ہے۔ (۵)

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر، ۱۹۵۱ء، ص ۵ (۲) ایضاً، ص ۹-۱۱ (۳) ایضاً، ص ۱۲ (۴) ایضاً، ص ۱۳ و ۱۴ (۵) ایضاً، ص ۱۵۔

الفوز الکبیر کا دوسرا باب بھی نہایت اہم اور معرکہ الآراء ہے، اس میں انہوں نے متعدد فصلوں میں علم تفسیر کی مشکلات کو بیان کیا ہے اور ان کا حل بھی بتایا ہے۔

علم تفسیر میں پہلی مشکل وہ یہ بتاتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعض غریب الفاظ کی تحقیق اور اس کے مفہوم کی تعیین میں مفسر کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کا حل یہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور اہل زبان و بیان کے بیان کردہ معانی کا تتبع و تفحص کیا جائے۔ (۱)

شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ علم تفسیر کی دوسری مشکل ناسخ و منسوخ کی پہچان ہے، بالعموم مفسرین نے نسخ کو لغوی معنی میں بیان کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ہر وہ آیت جس کا کوئی وصف دوسری آیت سے مقید یا مخصص بھی ہوتا ہے، منسوخ شمار ہوتی ہے اور اس طرح تقریباً پانچ سو آیتوں کو انہوں نے منسوخ قرار دیا ہے متقدمین میں قاضی ابوبکر بن العربی صاحب احکام القرآن نے نسخ کے اصطلاحی مفہوم کی تعیین کر کے ان آیتوں پر غور کیا تو ان کے نزدیک صرف بیس آیتیں منسوخ قرار پائیں، جن کو امام سیوطی نے الاتقان میں نقل کیا ہے، شاہ صاحب نے ان آیتوں کو اور ان کی ناسخ آیات کو ترتیب وار ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں محض پانچ آیتیں منسوخ قرار پاتی ہیں بقیہ میں تاویل و توجیہ کی گنجائش ہے۔ (۲)

علم تفسیر کی تیسری مشکل انہوں نے شان نزول کی معرفت کو بتایا ہے، اس سلسلے میں ان کا یہ قول خاص طور قابل ذکر ہے کہ ہر آیت کو مخصوص واقعہ کے پس منظر میں دیکھنا صحیح نہیں ہے بلکہ بعض اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ واقعات کو آیت کے پس منظر میں دیکھا گیا ہے اور اس کو شان نزول سے تعبیر کیا گیا ہے وہ لکھتے ہی۔

والذی یرمى من استقراء کلام	صحابہ و تابعین کے اقوال کے تتبع و استقراء
الصحابۃ و التابعین انہم لا	سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزولت فی کذا
یستعملون نزولت فی کذا لمحض	کا استعمال ان کے نزدیک عہد نبوی کے
قصة کانت فی رمنہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small>	صرف کسی واقعہ ہی تک محدود نہیں تھا جس
وہی سبب نزول الایۃ	کو سبب نزول کہا جائے بلکہ بعض اوقات وہ

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر، ص ۱۷۱ (۲) ایضاً ص ۲۲۵-۲۲۶

بل ربما یذکرون بعض ما صدقت علیہ الایۃ ما کان فی زمنہ ﷺ او بعدہ و یقولون نزلت فی کذا ولا یلزم ہناک انطباق جمیع القیود بل یکفی انطباق اصل الحکم فقط (۱)

ان واقعات کے ذکر میں بھی اس کو استعمال کرتے تھے جو عہد نبوی میں یا اس کے بعد پیش آئے اور ان پر آیت کا اطلاق درست ہوتا تھا، اس سے تمام قیدوں کی تطبیق مراد نہیں ہوتی تھی بلکہ اصل حکم کا انطباق مقصود ہوتا تھا۔

شاہ صاحب نے اسی اصول کی بنیاد پر شان نزول کے متعلق یہ متوازن رائے قائم کی کہ جن آیتوں میں متعین واقعات کی نشان دہی موجود ہے، مثلاً غزوہ احد و احزاب وغیرہ کا ذکر ان واقعات کی مختصر تفصیل ضرور کی جانی چاہیے، لیکن شان نزول کے عنوان سے غیر مقصود بالذات واقعات کی تفصیل کرنا اور اس کے لیے اسرائیلی مرویات کا سہارا لینا لا طائل اور تضحیح وقت ہے۔ (۲)

علم تفسیر کی چوتھی مشکل انہوں نے اسلوب کلام میں خطاب کی تبدیلی، حذف ضمائر تقدیم و تاخیر اور مجاز و کنایہ کے استعمال کو بتایا ہے اور متعدد مثالوں کے ذریعہ اس کی نشان دہی بھی کی ہے۔

الفوز الکبیر کا تیسرا باب بھی نہایت اہم ہے، اس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کے اسلوب بیان پر بحث کی ہے، ان کے نزدیک قرآن مجید کی معنوی ترتیب مجموعہ فرامین کی طرح ہے جس کا ہر فرمان رعایا کے نام مناسب حال مثالوں پر مشتمل ہوتا ہے اور لفظی و صوتی انداز و اسلوب میں وہ عربی شاعری کے مماثل ہے، مگر اس سے مختلف اور بلند تر اسلوب بیان ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک ہر فرمان مستقل بالذات ہے اس لیے اس کے مجموعہ میں باہم ربط و تعلق کی تلاش و جستجو لا حاصل ہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک سورت کے اندر آیتوں کی ترتیب و توقیفی کہی جاسکتی ہے مگر خود سورتوں کی ترتیب عہد صحابہ میں انجام پائی ہے۔ (۳)

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر، ص ۲۲ (۲) ایضاً ص ۳۵ و ۳۶ (۳) ایضاً، ص ۳۳

شاہ صاحب کے اس نقطہ نظر سے بعض اہل علم نے اختلاف کیا ہے جن میں سرفہرست خود ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی تفسیر ”فتح العزیز“ میں ربط آیات و سور کا خاص اہتمام کیا ہے، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

البتہ آیتوں کے آہنگ و اسلوب بیان کے بارہ میں شاہ صاحب نے اس کی عربی شاعری سے جو مماثلت و مغایرت ثابت کی ہے، وہ نہایت اہم اور لائق توجہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ اہل عرب کے شعری و نثری سرمایہ میں جس قدر اسالیب موجود ہیں ان سے بلند تر اور دل پذیر اسلوب بیان قرآن مجید کا ہے۔

اس باب میں انہوں نے قرآن مجید کے لفظی و معنوی وجوہ اعجاز بھی بیان کیے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کا ماضی کے واقعات کی تصدیق کرنا اس کا ایک اہم معنوی اعجاز ہے، کیونکہ نبی امی ﷺ بدون واقفیت اس کو بیان نہیں کر سکتے، اسی طرح اس کا مستقبل کے واقعات کی پیشین گوئی بھی ایک اہم اعجاز ہے، چنانچہ ہر نئی تحقیق اس کے اس اعجازی پہلو کو نمایاں کرتی ہے، لفظی اعتبار سے اس کا اعجاز یہ ہے کہ ادبائے متقدمین و متاخرین متفق اللفظ ہیں کہ سلاست بیان، حسن ترکیب، لطافت کلام اور سادگی میں کوئی انسانی کلام اس کی ہم سری نہیں کر سکتا ہے۔ (۱)

الفوز الکبیر کا چوتھا باب فنون تفسیر کی تفصیل پر مشتمل ہے، جس میں شاہ صاحب نے یہ دکھایا ہے کہ مفسرین نے اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق تفسیریں لکھی ہیں اور ان کی یہ کوشش قابل قدر ہیں تاہم انہوں نے کچھ اہم ہدایتیں اور مشورے بھی دیے ہیں، مثلاً شان نزول کے متعلق انہوں نے یہ ہدایت دی ہے کہ غیر مقصود بالذات واقعات کا احاطہ غیر مناسب اور فضول ہے (۲)، اسی طرح قرآن مجید کے غریب الفاظ کی شرح و توضیح کے متعلق ان کی اس ہدایت کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ اس کے لیے اقوال صحابہ و تابعین کا تتبع از بس ضروری ہے، اس موقع پر انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اگر کوئی غریب کلمہ متعدد معانی پر مشتمل ہو اور اقوال صحابہ بھی اس کے مفہوم کی تعیین میں مختلف ہوں تو مفسر کو چاہیے کہ اہل عرب کے استعمال کی میزان میں اس کو پرکھے اور یہ بھی دیکھے کہ کون سا قول از روئے سند قوی اور مضبوط ہے۔ (۳)

(۱) الفوز الکبیر، ص ۴۱ و ۴۲ (۲) ایضاً، ص ۴۵ (۳) ایضاً، ص ۴۶۔

فتح النجیر

یہ الفوز الکبیر کا پانچواں باب ہے اور علاحدہ رسالہ بھی ہے، چنانچہ شاہ صاحب نے اس کی تمہید فارسی میں لکھی ہے، مگر موضوع کی مناسبت سے رسالہ کا خطبہ عربی میں لکھا ہے، یہ دراصل الفوز الکبیر کے باب دوم کی فصل اول کی شرح ہے، اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن مجید کے غریب الفاظ کے مفہوم کی تعیین کے لیے وہ اقوال صحابہ و تابعین کو مرجع اول قرار دیتے ہیں، اس بارہ میں ان کا یہ کہنا ہے کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے جو اقوال بہ روایت ابن ابی طلحہ صحیح بخاری میں منقول ہیں، سب سے زیادہ مستند اور لائق اعتنا ہیں، اس کے بعد ان کے وہ اقوال ہیں جو ضحاک کی روایت سے مروی ہیں، تیسرے نمبر پر ان کے وہ تفسیری جوابات ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نافع بن ارزقؓ کے سوالات کے جواب میں دیئے ہیں اور ان تینوں طرق سے مروی اقوال کو امام سیوطی نے الاتقان میں جمع کر دیا ہے، اس کے بعد امام بخاری کی دیگر تفسیری روایات پھر دیگر مفسرین کی بیان کردہ مرویات تفسیر کا درجہ ہے۔ (۱)

فتح النجیر میں شاہ صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تینوں طرق سے مروی اقوال کو یکجا کر دیا ہے اور بعض مقامات پر منتخب اقوال بھی نقل کیے ہیں، نیز امام بخاری، امام ترمذی اور امام حاکم کی وہ تفسیری مرویات بھی نقل کی ہیں جو شان نزول سے متعلق ہیں، اس رسالہ کی تالیف سے شاہ صاحب کے پیش نظر یہ تھا کہ یہ تفسیری مرویات ہر مفسر کو از بر یاد ہونی چاہیے، جیسا کہ رسالہ کے نام سے بھی ظاہر ہے اور اسی لیے انہوں نے ان مرویات کی سندوں کو نقل کرنے کے بجائے صرف متن کو یکجا کر دیا ہے تاکہ حفظ و استفادہ میں سہولت رہے۔

مختصر یہ کہ الفوز الکبیر مع فتح النجیر علم تفسیر کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے، بہ ظاہر کمیت کے اعتبار سے یہ کتاب مختصر معلوم ہوتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اپنی معنویت اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے یہ علم تفسیر کا مغز ہے جس نے فن تفسیر کے فروغ میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے اور آج بھی اس سے مفسرین مستغنی و بے نیاز نہیں ہیں۔



شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ - ۱۸۲۳ء)

نام و نسب | عبدالعزیز نام اور سراج الہند لقب تھا، ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ اور جد محترم شاہ عبدالرحیم تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کی مہر پر یہ نسب نامہ یوں ثبت تھا، ہو
العزیز الولی الرحیم۔ (۱)

ولادت | ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ / ۱۰ اکتوبر ۱۷۴۶ء کو بہ وقت سحر پیدا ہوئے،
والد بزرگوار نے عبدالعزیز نام رکھا، ”غلام حلیم“ سے سن ولادت نکلتا ہے۔ (۲)
تعلیم | والد ماجد ہی کی خدمت میں ان کی اصل تعلیم و تربیت ہوئی، البتہ بعض امہات
کتب کا درس اپنے والد کے ممتاز تلامذہ سے بھی لیا جس کی تفصیل انہوں نے خود اس طرح بیان
کی ہے۔

”باید دانست کہ ایس فقیر ایس علم و جمیع علوم را
از خدمت والد ماجد خود اخذ کرده است و
بعضے کتب ایس علم را مثل مصابیح و مشکوٰۃ و
مسوی شرح موطا کہ از تصانیف ایشانست و
حسن حصین و شمائل ترمذی از خدمت ایشان
قرآۃ و سماع تحقیق و تفتیش اخذ نموده، قدرے
از اوائل صحیح البخاری نیز بطریق درایت از
ایشان شنیدہ و صحیح مسلم و دیگر صحاح ستہ
جاننا چاہیے کہ اس فقیر نے اس علم (حدیث)
کو اور تمام ہی علوم کو والد ماجد کی خدمت میں
رہ کر حاصل کیا لیکن فن حدیث کی بعض کتابیں
مثلاً مصابیح السنہ، مشکوٰۃ، مسوی شرح موطا جو
والد ماجد ہی کی ایک تصنیف ہے، حسن حصین
اور شمائل ترمذی کو قرآۃ و سماع نہایت تحقیق کے
ساتھ ان سے پڑھا، صحیح بخاری کا کچھ ابتدائی
حصہ بطریق درایت سنا، صحیح مسلم اور دوسری

(۱) مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے کچھ غیر مطبوعہ فتاویٰ اور ایک دستاویز،
معارف جون ۱۹۷۹ء، ص ۴۳۶ (۲) مولانا محمد رحیم بخش دہلوی، حیات ولی، مکتبہ سلفیہ، لاہور، ص ۵۸۷۔

را برایشاں سماع غیر منتظم دارد نحو کہ بہ حضور
ایشاں طلبہ می خواند و ایں فقیر ہم حاضری
بود و تحقیقات و تنقیحات ایشاں را می شنید
تا آن کہ ملکہ معتد بہادر فہم معانی احادیث
و ادراک دقائق اسانید بفضلہ تعالیٰ حاصل
شد بعد ازاں بنا بر رسم اجازت از یاراں
عمدہ ایشاں مثل شاہ محمد عاشق پھلتی ہو خواجہ
محمد امین ولی اللہی نیز حاصل کردہ۔ (۱)

صحاح ستہ کی باضابطہ سماعت تو نہ کر سکا، البتہ
جب طلبہ ان کتابوں کو ان سے پڑھتے تھے تو میں
بھی اس مجلس میں حاضر رہا کرتا تھا اور حضرت
والد کی تحقیقات و تنقیحات کو ان سے سنتا تھا، اس
طرح حدیث کے معنی اور اسناد کی باریکیوں کو
سمجھنے کا قابل اعتماد ملکہ بہ فضلہ سبحانہ پیدا ہو گیا
بعد ازاں رسا روایت کی اجازت حضرت والد
کے ممتاز اصحاب شاہ محمد عاشق پھلتی ہو خواجہ
محمد امین ولی اللہی سے حاصل کی۔

والد ماجد کی وفات اور امراض کا ہجوم | شاہ عبدالعزیز صاحب جب سترہ سال کے ہوئے
تو ان کے پدر بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات ہوئی (۲)، پچیس برس کی
نوعمری ہی میں وہ متعدد موذی امراض کے شکار ہو گئے اور آخر عمر تک اس میں گرفتار رہے،
صاحب زہمتہ الخواطر نے لکھا ہے:

وقد اعترته الامراض المؤلمة وهو
ابن خمس و عشرين سنة فادت
الی المراق والجدام والبرص
والعمی حتی عد منها اربعة عشر
مرضا مفجعا۔ (۳)

پچیس برس کی نوعمری ہی میں ان پر متعدد
موذی بیماریوں کا حملہ ہوا جس کے نتیجہ میں
ان کو مراق، جذام اور برص ہو گیا اور بصارت
بھی جاتی رہی، غرض چودہ قسم کے موذی مرض
میں وہ مبتلا تھے۔

درس و تدریس | اوائل عمر ہی میں کثرت امراض کے باوجود شاہ صاحب نے مدۃ العمر درس
و افادہ کا بازار گرم رکھا اور اپنے والد کے جانشین مقرر ہوئے، بیماریوں سے نڈھال ہو کر مدرسہ
کی ذمہ داری اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے سپرد کر دی مگر

(۱) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، عجالہ نافعہ، کراچی، ۱۹۶۴ء، ص ۱۷۱ و ۱۸۱ (۲) مرزا محمد بیگ دہلوی، دیباچہ
فتاویٰ عزیزیہ، مطبع مجتہائی دہلی، ۱۳۴۱ھ، ص ۴ (۳) مولانا عبدالحی، زہمتہ الخواطر، ج ۷، ص ۲۷۰۔

خود بھی اس سے وابستہ رہے، صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے:

من ذلک السبب فوض تولیۃ
التدریس فی مدرستہ الی صنویہ
رفیع الدین و عبد القادر ومع ذلک
کان یدرس بنفسہ النفیسة ایضا
و یصنف ویفتی ویعظ (۱)

(پیار یوں) کے سبب سے اپنے مدرسہ میں
درس و تدریس کا باضابطہ مشغلہ اپنے دونوں
بھائیوں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر
کے سپرد کر دیا، مگر خود بھی درس و تدریس،
تصنیف و تالیف اور وعظ و افتا میں مشغول
رہتے تھے۔

طلبہ کے علاوہ عوام الناس کے افادہ کے لیے ہفتہ میں دو مرتبہ سہ شنبہ اور جمعہ کو درس گاہ
میں مجلس وعظ منعقد فرماتے تھے، جس میں بے شمار شائقین شریک ہوتے تھے۔ (۲)

شاہ عبد العزیز صاحب کو قرآن مجید کے درس سے خاص شغف تھا، ان کے نواسے
اسحاق بن افضل روزانہ ایک رکوع قرآن مجید ان کی مجلس میں تلاوت کرتے تھے، جس کی تفسیر
شاہ صاحب بیان کرتے تھے، درس قرآن کا یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ صاحب سے چلا آ رہا تھا،
مقالات طریقت کی روایت کے مطابق شاہ ولی اللہ کا آخری درس سورہ مائدہ کی آیت ”اعدلوا
ہو اقرب للتعوی“ پر تھا، وہیں سے شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنا درس شروع کیا اس کا
اختتام سورہ حجرات کی آیت ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ پر ہوا، ان کی وفات کے بعد
اس سلسلہ کو ان کے نواسے اسحاق بن افضل نے مکمل کیا۔ (۳)

غرض شاہ عبد العزیز صاحب کے حلقہ درس سے بے شمار فضلا پیدا ہوئے اور ملک کے
 گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔

وفات | شاہ صاحب کو اپنے تمام بھائیوں کے مقابلہ میں لمبی عمر نصیب ہوئی، اسی برس کی
عمر میں ۹ شوال ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء کو یکشنبہ کے روز وفات پائی، مختلف شعرا نے تاریخ وفات
کہی جن میں حکیم مومن خاں دہلوی کا قطعہ تاریخ فن کی ایک نادر مثال ہے۔ (۴)

(۱) مولانا عبدالحی حسنی حوالہ سابق (۲) غلام رسول مہر و ادارہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۵ء

ج ۱۱، ص ۶۳۵ (۳) مولانا عبدالحی حسنی، ص ۲۶۹ (۴) مرزا محمد بیگ دہلوی، ص ۱۰۔

دست بیداد اجل سے بے سرو پا ہو گئے فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

ق ی ض ن ط ر ل م
۹ ۳ ۲ ۱

حلیہ | تذکرہ نگاروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا قد لمبا، جسم کم زور، رنگ گندمی، آنکھیں نیلگوں اور داڑھی خوب گھنی تھی۔

اولاد | شاہ صاحب کے کوئی زینہ اولاد نہ تھی، صرف تین بچیاں تھیں جو سب صاحب اولاد تھیں، لیکن شاہ صاحب کی زندگی ہی میں انتقال کر گئیں، بڑی صاحب زادی شاہ صاحب کے برادر خورد شاہ رفیع الدین صاحب کے فرزند مولوی محمد عیسیٰ سے منسوب تھیں اور منجھلی شیخ محمد افضل کے نکاح میں تھیں، جن کے بطن سے مولانا محمد اسحاق صاحب تولد ہوئے جو بعد میں شاہ صاحب کے جانشین قرار پائے اور تیسری صاحب زادی مولوی عبدالحی صاحب کے عقد نکاح میں تھیں، جن کو حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی معیت و رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ (۱)

اخلاق و عادات | شاہ عبدالعزیز صاحب تسلیم و رضا اور صبر و شکر کے مجسم پیکر تھے، اوائل عمری سے وہ مختلف امراض و علل میں مبتلا ہو گئے تھے، مگر اس کے باوجود طلبہ کی تعلیم و تربیت میں برابر مشغول رہے، ان کی زندگی میں ان کے تینوں برادران خورد فوت ہوئے جن کی تعلیم و تربیت خود شاہ صاحب کے ہاتھوں انجام پائی تھی، ان کا غم ہی کیا کم تھا کہ اس پر مزید ان کی تینوں صاحب زادیاں ان کے سامنے سپرد خاک کی گئیں مگر ان تمام حوادث کے باوجود شاہ صاحب نے طلبہ و عوام کے افادہ کا سلسلہ مستقل جاری رکھا اور نہایت بشاشت اور وسیع القلبی کے ساتھ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی میں مدۃ العمر مشغول رہے۔

تصنیفات | شاہ عبدالعزیز صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، امراض کی شدت اور آنکھوں کی بصارت زائل ہو جانے کے سبب بعض کتابوں کو انہوں نے املا کرایا (۲)، ان کی اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱- تحفہ اثنا عشریہ : فارسی زبان میں رد شیعیت میں بے مثال کتاب ہے، جس کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کا عربی زبان میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱) مولانا محمد رحیم بخش دہلوی، ص ۲۱۵-۲۱۷ (۲) مولانا عبدالحی، ص ۳۷۳۔

۲- بستان المحدثین : محدثین کے حالات کا ایک جامع مجموعہ ہے، فارسی میں ہے اور متداول ہے، اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

۳- العجانة النافعة : فن حدیث کے متعلقات پر ایک اہم رسالہ ہے، یہ بھی فارسی میں ہے اور اس کا بھی اردو ترجمہ مع تعلیقات و حواشی چھپ چکا ہے۔

۴- فتاویٰ : شاہ صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ اہل علم میں کافی مقبول اور متداول ہے، اس کا بھی اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔

۵- تفسیر فتح العزیز : یہ ان کی مشہور تفسیری تصنیف ہے، جس کی صرف تین جلدیں ایک اول کی اور دو آخر کی ملتی ہیں، یہ بھی فارسی میں ہے۔

ان کے علاوہ بلاغت، کلام، منطق اور فلسفہ کے موضوعات پر بھی شاہ صاحب نے متعدد رسالے اور حاشیے فارسی اور عربی زبان میں لکھے (۱)

تفسیر فتح العزیز | یہ تفسیر نامکمل صورت میں پائی جاتی ہے، سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی ایک سو چوراسی آیتوں کی تفسیر پہلی جلد میں ہے اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر علاحدہ علاحدہ جلدوں میں ہیں اور یہ جلدیں متعدد بار شائع ہو چکی ہیں۔

تفسیر کے مقدمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب کے کوئی شاگرد شیخ مصدق الدین عبد اللہ تھے، جن کی تحریک پر یہ تفسیر لکھی گئی اور ان ہی کو شاہ صاحب نے اس کا املا کرایا تھا اور یہ سلسلہ ۱۲۰۸ھ / ۱۷۹۳ء میں مکمل ہوا۔ (۲)

تفسیر فتح العزیز کی عدم تکمیل کی بحث | عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر نامکمل رہ گئی تھی اور اس کا جس قدر حصہ طبع ہوا ہے، وہی لکھا گیا تھا لیکن صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے کہ یہ تفسیر کئی ضخیم جلدوں میں تھی جس کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا، وہ لکھتے ہیں:

وہو فی مجلدات کبار ضاع
یہ تفسیر کئی ضخیم جلدوں میں تھی جس کا زیادہ
معظمہا فی ثورۃ الہند وما بقی منها
ترجمہ ہندوستان کے غدر میں تلف ہو گیا

(۱) مولانا عبدالحی، ص ۲۷۳-۲۷۴ (۲) شاہ عبد العزیز صاحب، تفسیر فتح العزیز، مطبع حیدری بمبئی،

۱۲۹۳ھ - ۱۲۹۴ھ

الا مجلدان من اول و آخر (۱) اور صرف اول و آخر کی دو جلدیں باقی بچیں۔
ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ کے پروفیسر ڈاکٹر عضد الدین خاں نے بھی اپنے مقالہ میں صاحب نزہۃ الخواطر کے خیال کی تائید کی ہے، انہوں نے اس کے ثبوت میں فتاویٰ عزیزی سے متعدد اقتباسات بھی پیش کیے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

”شاہ عبدالعزیز صاحب نے جیسا کہ مقدمہ سے ظاہر ہے غالباً پہلے سورہ فاتحہ اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر شیخ مصدق الدین کو املا کرائی مگر بعد میں لوگوں کے اصرار پر یہ خیال ہوا ہوگا کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے چنانچہ انہوں نے سورہ بقرہ سے اس کو شروع کیا اور اٹھائیسویں پارہ کے آخر تک پوری تفسیر لکھوا دی، پھر مختلف عوارض نے اس کام پر نظر ثانی کرنے اور اس کو آخری شکل دینے کی مہلت نہ دی اور معاملہ آج کل پر ٹلتا رہا مگر تفسیر کا پہلا مسودہ تیار ہو چکا تھا اس لیے اپنے خطوط میں اپنے احباب کو اس کا حوالہ دیتے رہے، جیسا کہ فتاویٰ کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ شاہ رفیع الدین مراد آبادی نے بھی یہی لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے تفسیر لکھی مگر مسودہ بیاض تک نہیں پہنچا، یعنی آخری شکل میں نہیں آیا، مگر مسودہ پورا ہو چکا تھا، اس لیے شاہ صاحب اس کے اقتباسات اپنے احباب کو عند الضرورت لکھ دیتے تھے لیکن مسودہ آخری شکل میں نہیں آیا تھا، اس لیے سب لوگوں تک یہ کتاب نہیں پہنچ سکی اور اس کی مختلف کاپیاں نہ ہو سکیں، غالباً شاہ صاحب کا خیال رہا ہوگا کہ اگر طبیعت سنبھل گئی تو اس پر نظر ثانی کر کے آخری شکل دے دیں گے مگر اس کا موقع نہیں مل سکا اور یہ مسودہ آخری وقت تک اسی شکل میں پڑا رہا اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو سکا اسی لیے اکثر تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف چند لوگوں کو ہی اس کا علم تھا اسی دوران میں غالباً یہ بھی ہوا کہ شاہ صاحب کی وفات اور پھر شاہ اسحاق صاحب اور شاہ محمد یعقوب صاحب کی ہجرت کے بعد اصل مسودہ کسی

طرح ضائع ہو گیا اور اس کا صرف اتنا ہی حصہ مل سکا جو آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔“ (۱)

ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ ہی کے ایک دوسرے فاضل ڈاکٹر محمد سالم قدوائی جنہوں نے ہندوستان کے مفسرین اور ان کی عربی تفسیروں پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا ہے اس تحقیق کی تائید کی ہے، وہ شیخ رفیع الدین مراد آبادی کی تصنیف ”افادات عزیزہ“ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

”تفسیر فتح العزیز جسے عام طور پر نامکمل ہی سمجھا جاتا ہے، مکمل ضرور

ہو گئی تھی اس لیے کہ (افادات عزیزہ) میں جا بجا اس قسم کے حوالے ملتے ہیں

من فتح العزیز فی سورہ النمل یا ایضا من تفسیر سورۃ

النساء یا من تفسیر فتح العزیز تحت قوله تعالیٰ فی سورۃ

المؤمنین وغیرہ“ (۲)

راقم کے خیال میں یہ بات محل نظر اور محتاج تحقیق ہے کہ فتح العزیز کی جلدیں غدر میں تلف ہو گئیں کیوں کہ اس تفسیر کی اشاعت غدر (۱۸۵۷ء) سے کافی پہلے شاہ عبدالعزیز صاحب کے انتقال کے محض دس سال بعد ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۲ء میں کلکتہ سے ہو چکی تھی، اس اڈیشن کے آخری دو اجزا جو ایک جلد میں ہیں اور انتیسویں اور تیسویں پارہ کی تفسیر پر مشتمل ہیں، کتب خانہ دارالمصنفین میں موجود ہیں، تیسویں پارہ کی تفسیر کے آخری صفحات غائب ہیں مگر انتیسویں پارہ کی تفسیر مکمل محفوظ ہے جس کے آخر میں ترجمہ بھی ہے، جس سے سن اشاعت کی واقفیت کے ساتھ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تیسویں پارہ کی تفسیر اس سے پہلے طبع ہو چکی تھی، ترجمہ کی عبارت یوں ہے:

بعد طبع تفسیر پارہ سی ام عم ینساء لون	تیسویں پارہ یعنی عم یتساء لون کی
مسمی بفتح العزیز پارہ بست ونہم تبارک	تفسیر بنام فتح العزیز کی طباعت کے بعد
الذی از تفسیر موصوف بتاریخ غرہ شہر	انتیسویں پارہ تبارک الذی کی تفسیر کی

(۱) دیکھیے معارف، ستمبر ۱۹۶۷ء، ص ۲۱، ۲۳۲ (۲) ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی

تفسیر میں، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۷۳ء ص ۲۵۵۔

ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ از فضل حق سبحانہ و تعالیٰ
 بہ طفیل جناب سید الانبیا شافع روز جزا
 وائمہ ہدی و خلفای مقتدی علیہ السلام در مطبع
 احمدی واقع شہر چمرہ متعلقہ ضلع ہوگلی بہ تصحیح
 ایں ذرہ بے مقدار بل لاشی فی الاعتبار
 اعمیٰ خیر خواہ خلق اللہ خاکسار عبد اللہ ولد
 سید بہادر علی مرحوم بہ طبع رسید..... (۱)

اشاعت ماہ ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ میں بفضلہ
 سبحانہ سید الانبیا شافع روز جزا..... کے
 طفیل میں شہر چمرہ متعلقہ ضلع ہوگلی کے مطبع
 احمدی میں ناچیز عبد اللہ ولد سید بہادر علی
 مرحوم کی تصحیح سے ہوئی۔

فتاویٰ عزیزی اور افادات عزیزیہ کے اقتباسات سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی تحریروں میں فتح العزیز کے غیر مطبوعہ مسودات کے حوالے دیئے ہیں مگر فتاویٰ کی ایک عبارت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ مسودات خود شاہ صاحب کی دست رس سے باہر تھے وہ لکھتے ہیں:

وایں فقیر در تحت آیت ”اولا ٹک
 یؤتون اجرہم مرتین“ (سورہ قصص)
 تحقیق نفیس نوشتہ کہ ایں وقت نقل
 آں بسبب دور افتادن مسودات متعذر
 اس فقیر نے سورہ قصص کی آیت ”اولا ٹک
 یؤتون اجرہم مرتین“ کے ذیل میں
 عمدہ تحقیق لکھی ہے مگر اس وقت مسودات
 کے دور افتاد ہونے کے باعث اس کو نقل
 کرنے سے معذوری ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ مسودات آخر کہاں تھے، جہاں تک خود شاہ صاحب کی رسائی ممکن تھی؟ تفسیر فتح العزیز کے مقدمہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا تو صحیح ہے کہ شاہ صاحب نے پہلے سورہ فاتحہ اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر مصدق الدین کو املا کرائی اور بعد میں لوگوں کے اصرار پر سورہ بقرہ کی تفسیر شروع کی مگر یہ کہنا کہ شاہ صاحب نے اٹھائیسویں پارہ کے آخر تک پوری تفسیر لکھوا دی محل نظر ہے کیوں کہ مقدمہ میں سورہ بقرہ کے آغاز کا ذکر تو ملتا ہے مگر اسی میں آگے چل کر شاہ صاحب کے دعائیہ الفاظ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس وقت تک بہر حال تفسیر مکمل نہیں ہوئی تھی، دعا کے

(۱) تفسیر فتح العزیز، مطبوعہ ہوگلی، پارہ ۲۹، ص ۳۲۷ (۲) فتاویٰ عزیزیہ، ج ۲، ص ۶۲۔

الفاظ ملاحظہ ہوں:

وانا ایضا اسئل من فضله ان
یوفقنی لا تمامہ کما وفقنی
لختامہ (۱)

اور میں بھی اللہ تعالیٰ کا فضل چاہتا ہوں کہ مجھ
کو اس کام کے مکمل کرنے کی توفیق عنایت کرے
جس طرح اس کے خاتمہ کی سعادت بخشی۔

علاوہ ازیں تفسیر فتح العزیز کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ صاحب نے گواہی
تفسیر کو مکمل نہیں کیا تھا مگر وہ اس کے آرزو مند ضرور تھے، سورہ بقرہ میں حضرت موسیٰ کے تفصیلی
ذکر کے درمیان لکھتے ہیں:

حز قیل کہ از جملہ قبطیان بشرف ایمان
مشر ف شدہ بود و حال او در سورہ حم المؤمن
انشاء اللہ مذکور خواہد شد (۲)

حز قیل جو قبطیوں کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے،
مشر ف بہ ایمان ہو گئے تھے اور ان کا حال
انشاء اللہ سورہ مؤمن میں بیان ہوگا۔

شاہ صاحب کی تحریروں میں تفسیر کے غیر موجود حصوں کے حوالے سے یہ دھوکہ نہیں
ہونا چاہیے کہ وہ حصہ ضبط تحریر میں آ ہی چکا تھا کیوں کہ مصنفین کا عام دستور یہ ہے کہ وہ آئندہ جو
کچھ لکھنے والے ہوتے ہیں، ان کا حوالہ پہلے ہی دے دیتے ہیں مگر پھر عمر کے وفانہ کرنے یا کسی
اور مانع کے سبب وہ حصہ لکھنے سے رہ جاتا ہے، اس کی مثالیں اکثر قدیم اور بڑے مصنفین کے
یہاں ملتی ہیں۔

تکمّلہ تفسیر فتح العزیز | تفسیر فتح العزیز کے ناقص رہ جانے کا احساس اہل علم کو شروع ہی
سے رہا ہے، مقالات طریقت کی روایت کے مطابق نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال کو اس کی تکمیل کا
خیال پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے اس اہم کام کے لیے شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک شاگرد (۳)
مولوی حیدر علی کو مامور کیا، جنہوں نے علاحدہ علاحدہ پاروں کی صورت میں ستائیس جلدوں
میں اس کا تکمیل لکھا (۴) چوں کہ تفسیر فتح العزیز کی اشاعت علاحدہ علاحدہ پاروں کی صورت
میں ہوئی تھی، اسی لیے غالباً تکمیل میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا گیا، مگر اس کی صرف چار جلدیں

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، بمبئی، ص ۴ (۲) ایضاً، ص ۲۹۴ (۳) مولانا عبدالحی، ص ۱۵۴-۱۵۵ (۴) معارف

ستمبر ۱۹۶۵ء، ص ۱۹۳۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں (۱)، ان کے علاوہ بقیہ جلدوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔

تفسیر فتح العزیز کی نمایاں خصوصیات | شیخ رفیع الدین مراد آبادی نے تفسیر فتح العزیز کی اہم خصوصیات یہ گنائی ہیں:

۱- ہر سورت کا عنوان اور اجمالاً مضمون سورت کا بیان، ۲- ربط آیات، ۳- نظائر قرآن کا ذکر، ۴- قصص و احکام کے اسرار کا بیان، ۵- لطائف نظم قرآن۔ (۲)
واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبد العزیز صاحب کی تفسیر گونا گونا گوں میں یہ تمام خصوصیات بہ درجہ اتم پائی جاتی ہیں، ذیل میں اسی ترتیب کے موافق بہ طور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

سورتوں کے عنوان اور اجمالاً مضمون کی وضاحت | سورہ بقرہ کی تلخیص شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل پانچ نکات میں کی ہے:

۱- اثبات وجود صانع، ۲- اثبات نبوت، ۳- ثبوت استقامت، ۴- ثبوت مجاہدہ، ۵- اثبات معاد، ان کی تشریح کے بعد وہ لکھتے ہیں:

وہمیں پنجم است کہ خلاصہ مطالب این یہی پانچ نکتے اس سورہ کے مطالب کا خلاصہ
سورہ است و باقی امور متممات و مقدمات ہیں اور بقیہ چیزیں ان ہی کے متممات و
ایں امور پنج گانہ اند (۳) مقدمات ہیں۔

اس کے بعد شاہ عبد العزیز صاحب نے قرآن مجید میں سورہ بقرہ کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہوئے اس سورہ کے بنیادی موضوع کی بھی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

باید دانست کہ در مسند امام احمد و دیگر کتب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مسند احمد اور دوسری
معتبرہ حدیث دارد شدہ کہ آنحضرت ﷺ حدیث کی معتبر کتابوں میں حضور ﷺ کا یہ
فرمودہ اند کہ سورہ بقرہ بہ منزلہ کوہان قرآن ارشاد نقل ہوا ہے کہ قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی

(۱) مجموعہ مقالات، خدا بخش اور نیشنل پبلک لائبریری، ”قرآن مجید کی تفسیریں چودہ سو برس میں“، پٹنہ، ۱۹۹۵ء،

ص ۲۰۴ (۲) ہندوستانی مفسرین، ص ۲۵۵۔ (۳) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۷۸-۷۹۔

است..... و ازیں حدیث معلوم می شود کہ آیت الکرسی بہ منزلہ دل ایں سورہ است و فی الواقع بعد از تامل و امعان نظر دریافتہ شود کہ جمیع مطالب ایں سورہ گردا گرد ہمیں آیت دوراں می کنند آنچہ بہ منزلہ جان است لفظ الحی القیوم است کہ در آیت الکرسی واقع است و جمیع آیات سورہ شیون و مظاہر ایں کلمہ اند چنانچہ جمیع اعضای انسان مظاہر و شیون جان پاک اند۔ (۱)

حیثیت کوہان کی ہے..... اور اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کا دل آیت الکرسی ہے اور فی الحقیقت غور و تدبر کے بعد یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس سورہ کے تمام مضامین آیت الکرسی کے ارد گرد گردش کرتے نظر آتے ہیں اور آیت الکرسی میں بھی لفظ الحی القیوم کو جان کا مرتبہ حاصل ہے اور پوری سورہ اسی کلمہ کا مظہر ہے، جس طرح انسان کے تمام اعضا و جوارح جان کے مظہر ہوا کرتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے حیات و قومیت کے مرکزی عنوان کے تحت پوری سورہ کے مضامین کا تجزیہ کیا ہے اور یہ حصہ خاص اہمیت کا حامل ہے، جس کا اندازہ خود شاہ صاحب کے اس جملہ سے ہوتا ہے:

”بطریق نمونہ چیزے نوشتن ضرور است بغور باید شنید“۔ (۲)

ذیل میں شاہ صاحب کی اس بحث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

”یہ عالم آب و گل اللہ تعالیٰ کی حیات و قومیت کے رنگ برنگ مظاہر کا جلوہ ہے، اس کو ابتدائے سورہ میں عام انسانی افراد کے ضمن میں یوں بیان فرمایا ”کنتم امواتا فاحیاءکم“ (۲۸:۲) پھر انسانوں کی اجتماعی صورت میں اس احسان عظیم کو ابوالآبا حضرت آدمؑ کی خلقت اور منصب خلافت پر ان کی سرفرازی کے ذریعہ یوں تعبیر فرمایا ”واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ“ (۲:۳۰)، اس کے بعد خاندان کی حیات و قومیت کا ذکر کیا اور اس کے لیے بہ طور مثال ایسے خاندان کا انتخاب کیا جو نزول

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۷۹ (۲) ایضاً، ص ۸۰۔

قرآن مجید کے وقت اپنی عظمت و وجاہت میں ممتاز ترین خاندان تھا، یعنی خاندان بنی اسرائیل اور تقریباً پہلے پورے پارہ میں اسی خاندان کا مفصل تذکرہ ہے اور اس کی تفصیلات میں بھی حیات و قیومیت کا خاص اہتمام ہے، پہلے تو واقعہ فرعون کا ذکر ہے جس نے اس خاندان کی جسمانی زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو حیات و قیومیت عطا ہوئی، پھر اس خاندان کو روحانی زندگی عطا کیے جانے کا تذکرہ تورات دئے جانے کی صورت میں ہوا، جب کہ اس خاندان کے نا سمجھ لوگ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو کر اپنی روحانی زندگی کا خاتمہ کر چکے تھے، پھر ایک ایسی جماعت کا تذکرہ ہوا جس نے ”حتی نری للہ جہرۃ“ (۵۵:۲) کا مطالبہ کر کے اپنی تباہی کا سامان کر لیا، مگر حضرت موسیٰ کی دعا سے اس کو زندگی عطا ہوئی، اس کے بعد وادی تہ کا ذکر ہے، جہاں اس خاندان کو اپنا وجود برقرار رکھنا بظاہر مشکل تھا، مگر رحمت خداوندی نے ابو کے سایہ سے اور من و سلویٰ کی نعمت نازل کر کے غیب سے حیات و قیومیت کا سامان فراہم کیا، آخر کار اس خاندان کے لوگوں نے معاصی کا ارتکاب کر کے جب اپنی زندگی کو معرض خطر میں ڈال لیا تو اللہ نے مسخ کے ذریعہ ان سے حیات طیبہ چھین لی اور اس واقعہ کو دوسروں کی عبرت کے لیے بیان کیا تاکہ پھر کوئی خاندان اس نوع کے معاصی کا مرتکب ہو کر اپنی حیات و قیومیت کا خاتمہ نہ کر لے، قصہ بقرہ میں بھی اس خاندان کی قساوت قلبی، نفاق پروری اور عہد و میثاق کی خلاف ورزی کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا کہ یہ ساری چیزیں ہلاکت و بربادی کی موجب تھیں مگر عنایت الہی نے ان کو تباہی سے بچایا، واقعہ ہاروت و ماروت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہجر اور دوسرے مبنی بر کفر اشغال روحانی حیات کے منافی ہیں، اس کے بعد آیت ”واذا بتلیٰ امراہیم ربہ بکلمات“ (۱۲۴:۲) سے دوسرے سربراہ آورده خاندان بنو اسماعیل کا تذکرہ شروع ہوا، جس میں سب سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر اور سرزمین مکہ کا ذکر اور خانہ کعبہ کی تقدیس و عظمت کا بیان ہے جس کی

یہ بتانا مقصود ہے کہ خاندان بنو اسماعیل کی حیات و بقا کا انحصار بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور عبادت الہی میں ہے۔

ان دو خاندانوں کے تذکرہ کے بعد بعض ایسے امور کا بیان ہوا ہے جو بظاہر حیات و بقا کے منافی ہیں مگر حیات و قومیت کا تعلق ان ہی سے ہے، ان میں پہلی چیز شہادت فی سبیل اللہ ہے کہ فرمایا ”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ“ (۲: ۱۵۴)، چنانچہ شہادت کو بہترین زندگی سے تعبیر فرمایا، اسی طرح حکم قصاص ہے ”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِيَ اللَّالِبَابِ“ (۲: ۱۷۹) کہ بظاہر قاتل کی زندگی کا خاتمہ دکھائی دیتا ہے مگر یہ درحقیقت ایک عالم کی زندگی کا سامان ہے، حیات روح انسان کو روزہ کی حالت میں بھوکے اور پیاسے رہ کر حاصل ہوتی ہے، حیات دین کا حصول اعداء اللہ سے جہاد و قتال کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، حیات ملت جس کا مظہر شعائر حج ہے، انفرادی حیات کے حصول و بقا کے لیے نکاح و طلاق اور حیض وغیرہ کے احکام بیان کیے گئے، حیات مال کا ذکر میت کی وصیت کو بلا تبدل و تغیر نافذ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

ان امور سے فراغت کے بعد بعض ایسے واقعات کا بیان ہوا ہے جن میں غیب سے حیات و قومیت کے انتظام کا ذکر ہے اور یہ واقعات کلمہ الحی القیوم سے پہلے بھی آئے ہیں اور اس کے بعد بھی تاکہ اس کلمہ کی اہمیت کا ادراک ممکن ہو سکے، قبل آیت دو واقعے ذکر کیے گئے: ۱۔ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی اجتماعی موت پھر حضرت حزقیل کی دعا سے ان کا دوبارہ زندہ ہو جانا، ۲۔ واقعہ حضرت شموئیلؑ و طالوتؑ جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ خاندان بنی اسرائیل کے زوال کے بعد ان دونوں کے ہاتھوں اس خاندان کو حیات نو ملی اور حضرت داؤدؑ کے ذریعہ جب ان کو تابوت سکینہ حاصل ہوا تو ان کی قومیت پوری طرح جلوہ گر ہوئی۔

آیت کے نزول کے بعد کے واقعات متعدد ہیں: ۱۔ قصہ نمرود، جس

میں بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنی ناتجبی سے حیات و موت کا مصدر خود کو سمجھ لیا تھا،
 ۲- واقعہ حضرت عزیرؑ، جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک ویران آبادی کی ازسرنو
 زندگی ان کو مستبعد معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے خود ان پر اور ان کی سواری پر اس
 عمل کو دہرا کر ان کو شرح صدر بخشا، ۳- واقعہ حضرت ابراہیمؑ، جس میں یہ بتایا گیا
 ہے کہ مردوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر ان کو جب استعجاب ہوا تو اللہ تعالیٰ
 نے سر و بدن کٹے پرندوں میں جان ڈال کر ان کے اطمینان قلب کا سامان فراہم
 کیا، یہ سلسلہ آیت ”مثل الذین ینفقون اموالہم.....“ (۲۶۱:۲) سے
 پہلے تک بیان ہوا ہے۔

اس کے بعد مال کے حیات و قیام کا بیان شروع ہوا ہے، جس میں
 سب سے پہلے اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس کے اضافہ و استحکام کا بظاہر
 ربو اسے رشتہ نظر آتا ہے مگر درحقیقت یہ اس کا اتلاف ہے، اس کے برعکس
 انفاق و صدقہ اس کے بقا و استحکام کا ضامن ہے، پھر مال کی قیومیت و بقا کے
 متعدد اصول بیع، قرض وغیرہ کے احکام بیان ہوئے ہیں اور اسی پر سورہ کے
 سلسلہ مضامین کا اختتام ہوا ہے۔

سورہ کے مرکزی خیال کی وضاحت کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

پس معلوم شد کہ مطالب این سورہ ہمہ	پس معلوم ہوا کہ اس سورہ کے تمام ہی مضامین
شرح وسط حی و قیوم اند و این کلمہ بہ منزلہ	حی و قیوم کی شرح و تفصیل ہیں اور یہ کلمہ اس
جان این سورہ است و آیت الکری بمشابه	سورہ کی جان کا درجہ رکھتا ہے اور آیت الکری
قلب این سورہ و تمام این سورہ بہ منزلہ	کی حیثیت دل کی ہے اور باقی سورہ اعضاء
اعضاء و جوارح و اللہ اعلم۔ (۱)	جوارح کے درجہ میں ہیں۔

ربط آیات و سور | شیخ رفیع الدین مراد آبادی نے تفسیر فتح العزیز کی دوسری خصوصیت ربط آیات
 کو بتایا ہے، تفسیر فتح العزیز کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے یہاں اس

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۸۰ تا ۸۲۔

کا خاص اہتمام تھا، وہ آیتوں کے ربط کے ساتھ ساتھ سورتوں کے درمیان بھی ربط و مناسبت کے قائل تھے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے توقیفی ہونے میں علما کا اختلاف ہے، یعنی سورتوں کی ترتیب حضور ﷺ کے فرمان کے بہ موجب ہوئی ہے یا یہ صحابہؓ کے اجتہاد سے انجام پائی ہے، جنہوں نے اپنی فہم سے اس کو ترتیب دیا ہے، ان دونوں صورتوں میں سورتوں کا ربط ضروری ہے، کیوں کہ اگر یہ ترتیب توقیفی ہے اور شارعؐ کے حکم کے بہ موجب عمل میں آئی ہے تو اس کی حکمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ حکیم و دانای کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا ہے اور اگر یہ بات ہے کہ صحابہؓ نے اپنے اجتہاد سے اس کو ترتیب دیا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کس مناسبت سے ایک سورہ کو دوسری سورہ کے بعد رکھا ہے اور اگر اس کو محض یوں ہی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات بے بنیاد ہوگی کیوں کہ صحابہؓ کی زندگی بھی حکمت سے خالی نہ تھی اور اس سے دین میں ایک لاطائل کام کے اضافہ کی بات لازم آئے گی جو صحیح نہیں ہے۔“ (۱)

شاہ صاحب نے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے درمیان ربط کی ایسی دل نشیں وضاحت

کی ہے جس سے ربط آیات اور ربط سورتوں ہی کی بہ خوبی وضاحت ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

سورہ فاتحہ بر سبیل اجمال متضمن جمیع معانی	سورہ فاتحہ مجمل طور پر قرآن مجید کے تمام معانی
قرآن است و سورہ بقرہ ابتدائے تفصیل	پر محیط ہے اور سورہ بقرہ سے اس اجمال کی
آں و نیز در سورہ فاتحہ بآیت ”اھدنا الصراط المستقیم“ (۶:۱) بندہ را طلب	تفصیل کا آغاز ہوتا ہے، سورہ فاتحہ میں آیت
ہدایت تعلیم نمودہ اند و در سورہ بقرہ بآیت	اھدنا الصراط المستقیم میں بندہ کو
”ھدی للمتقین“ (۲:۲) تا ”اولئک علی ھدی من ربہم“ (۵:۲) بیان فرمودہ	ہدایت طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے تو سورہ
	بقرہ میں ھدی للمتقین سے لے کر اولئک
	علی ھدی من ربہم تک یہ وضاحت کی گئی

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۸۶۔

اند کہ دولت ہدایت کرا میسر شدہ و ایں نعمت کہ یافت و ایں سعادت کہ دریافت و نیز در آخر سورہ فاتحہ ذکر زمرہ مومنوں و دو فرقہ کافراں بود و در آغاز سورہ بقرہ نیز ذکر زمرہ مومنوں و دو فرقہ کافراں از مجاہداں و منافقاں ارشاد شدہ و نیز در سورہ فاتحہ اول از صفات الہیہ ربوبیت مذکور است و دریں سورہ نیز اول شرح ربوبیت اوتعالیٰ است نسبت بہ نوع انسانی کہ ”کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاءکم“ (۲۸:۲) و در ”یا ایہا الناس اعبدوا ربکم“ (۲۱:۲) ایں معنی را بطریق تمہید تفصیل مستتبع نمودہ اند باز در سورہ فاتحہ انواع رحمت دینی و دنیوی است بدو اسم الرحمن الرحیم ارشاد شدہ و دریں سورہ تفصیل انواع رحمت دینی و دنیوی است کہ نسبت بدو فرقہ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل از پیش گاہ حضور خداوندی عنایت شدہ باز در سورہ فاتحہ بمقدمہ جزاء باوردن ”مالک یوم الدین“ (۳۱) ارشاد فرمودہ اند و دریں سورہ در ذکر بنی اسرائیل مقابل ہر کفران و عصیان ایشان مجازات ایشان بعقوبات دنیوی مذکور شدہ باز در سورہ فاتحہ بیان عبادت و استعانت است و دریں

ہے کہ دولت ہدایت سے کس قسم کے لوگ سرفراز ہوتے ہیں، سورہ فاتحہ کے اخیر میں مومنین کی جماعت کے ساتھ کافروں کے دو فرقوں کا ذکر ہوا ہے، چنانچہ سورہ بقرہ میں مومنین کی تفصیل کے ساتھ کفار کے دو طبقے بغض و عناد میں کھلے ہوئے اور منافقین کی تفصیل مذکور ہے، سورہ فاتحہ میں صفات الہی میں ربوبیت کا ذکر سب سے پہلے ہوا ہے، سورہ بقرہ میں آیت ”کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاءکم“ میں اس کی تفصیل ذکر کی گئی اور آیت ”یا ایہا الناس اعبدوا ربکم“ سے اس کی تمہید کا آغاز ہوا ہے، سورہ فاتحہ میں الرحمن الرحیم دو اسماء کے ذریعہ رحمت دینی و دنیوی کو مجمل طور پر بیان کیا گیا اور سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل بنی اسرائیل اور بنو اسماعیل کے واقعات سے کی گئی کہ ان کو حضور خداوندی میں کیسے بلند رتبے ملے، سورہ فاتحہ میں حساب و کتاب کا ذکر مالک یوم الدین سے ہوا ہے اور اس کی تفصیل سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے کفران و عصیان کے بدلہ میں سزا و عقاب کے ذکر سے کی گئی ہے، سورہ فاتحہ میں عبادت و استعانت کا بیان ہے، سورہ بقرہ میں آیت ”فاذکرونی اذکرکم“

سورہ از آیت ”فاذکرونی اذکرکم و اشکروالی ولا تکفرون“ (۱۵۲/۲) تا آخر مسائل جہاد و حج شرح انواع عبادت است و از آیت ”ویستلونک عن الیتامی“ (۲۲۱/۲) تا آخر مسائل صدقات و ربوا تفصیل اقسام استعانت است و در آیت ”آمن الرسول“ (۲۸۵/۲) بیان صراط مستقیم است کہ در حقیقت بر طلب آل مطالب سورہ فاتحہ منتهی شدہ پس ایں سورہ کی شرح ہے۔

حکم شرح سورہ فاتحہ دارد۔ (۱)

شاہ عبدالعزیز صاحب نے آیتوں کے درمیان ربط و مناسبت کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، وہ بھی دل چسپ ہیں، سورہ فاتحہ کی آیات ”اهدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیہم“ کے درمیان ربط کی وضاحت ان کے قلم سے ملاحظہ ہو:

”جب بندہ کو یہ تعلیم دی کہ راہ راست طلب کرے تو اس کا تقاضا تھا کہ راہ یابوں کا بھی تذکرہ کر دے تاکہ نیک و بد راہ میں امتیاز کر سکے، ورنہ ہر مذہب کے لوگ اس کے مدعی ہیں کہ ہم راہ راست پر ہیں..... چنانچہ راہ راست کی تفصیل صراط الذین انعمت علیہم کے ذریعہ بیان کی یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر انعام و اکرام ہوا اور اس کی تفسیر سورہ نساء کی اس آیت سے ہوتی ہے، ”ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقاً“ (۶۹/۴) معلوم ہوا کہ راہ راست ان ہی چار طبقوں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ ہے اور بندہ کو خدا سے التجا کے وقت ان ہی کو نظر میں رکھنا چاہیے

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۹۰۔

اور ان ہی کی معیت طلب کرنی چاہیے، اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ اھل صراط المستقیم راہ حق کی جو یابی پر اور صراط النذین انعمت علیہم طلب رفیق کے موضوع پر مشتمل ہے۔ (۱)

سورۃ الملک اور سورہ تحریم کے درمیان ربط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وجہ ربط یہ ہے کہ سورہ تحریم میں گھریلو زندگی کے حدود و آداب مذکور

ہیں کہ آدمی کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کرنی چاہیے اور ان کی

رعایت میں معاصی کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے اور سورہ ملک میں اللہ رب العزت

کی بندگی کے قواعد و آداب کی تعلیم دی گئی ہے، گویا پہلی سورہ میں ایک گھر کے

انتظام کا ذکر ہے اور دوسری میں کائنات کے نظام کا تذکرہ ہے اور اس بنا پر

اسلوب کا تقاضا ہے کہ پہلے نسبتاً کم درجہ کی چیز کو بیان کیا جائے، اس کے بعد

اعلا درجہ کی چیز کا ذکر کیا جائے۔ (۲)

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اکثر سورتوں کے درمیان اسی انداز سے وجوہ مناسبت

تحریر کیے ہیں اور ان کے مضامین کی یکسانی دکھائی ہے، کہیں کہیں انہوں نے متعدد سورتوں کو ہم

مضمون ثابت کیا ہے، چنانچہ سورہ جن کا ربط ماقبل سورتوں سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ووجہ ربط ایں سورہ با سورہ نوح و ماقبلش

آنت کہ در سورہ نون مذکور است کہ

کافران مکہ آنحضرت ﷺ را با وصف کمال

قرب نسب و وقوف بر احوال آنجناب ﷺ

و اخلاق کریمہ آں عالی قباب شناختند و

مجنون گفتند و در سورہ حاقہ مذکور است کہ

آں اشقیاء باوجود ادعای عقل و دانش

قرآن مجید را گاہے قول شاعر و گاہے قول

سورہ جن کا ربط سورہ نوح اور اس سے ماقبل

سورتوں سے یہ ہے کہ ابتدا سورہ نون میں یہ

ذکر کیا گیا کہ کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے نبی

تعلق رکھنے اور آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ

سے واقف ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی

عظمت و بزرگی کے قائل نہ ہوئے بلکہ نعوذ باللہ

آپ ﷺ کو مجنوں کہنا شروع کیا، پھر سورہ حاقہ

میں یہ بیان کیا گیا کہ یہ بد بخت عقل و دانش

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۱۱-۱۲ (۲) ایضاً، پارہ تبارک الذی، مطبوعہ ہوگلی، ص ۲۔

کا ہن وگا ہے افترا پیغمبری گفتند تا آنکہ در سورہ معارج صریح تعنت و مکابرہ ایشاں را مذکور فرمودند کہ از راہ کمال جہل عذاب در خواست می کنند و در سورہ نوح برائے تسلی آنحضرت ﷺ قصہ دعوت بالغہ حضرت نوح در مدت ہزار سال قوم خود را با انواع ترغیب و ترہیب فہمائیدن حالا دریں سورہ ارشادی شود کہ تماشا ئے قدرت الہی بہ میں و بداں کہ مقلب القلوب و ہادی حقیقی اوست قوم تو با وجود ایں اطلاع بر احوال تو و با وصف قرب نسب و جنسیت و لغت دانی و عربیت و استعداد معرفت اعجاز قرآن بادی تا مل ایں قدر گمراہ اند و مکابرہ و تعنت می کنند و جماعہ از جن کہ نہ ہم جنس تو اند و نہ تعبیر بشری را نیک می فہمند نہ ترا دیدند و نہ صحبت تو رسیدند چہ قدر لبریز نشہ ہدایت شدند و بچہ رنگ معتقد قرآن مجید گشتند“۔ (۱)

کے مدعی ہیں مگر قرآن مجید کو یا تو شاعر و کاہن کا کلام بتاتے ہیں یا آپ کا طبع زاد بتلاتے ہیں پھر سورہ معارج میں ان کی صریح سرکشی اور ضد کا ذکر ہوا ہے کہ یہ لوگ اپنی حد سے بڑھی ہوئی جہالت کے سبب عذاب کی تمنا کرتے ہیں، پھر سورہ نوح میں حضور ﷺ کی تسلی کے لیے حضرت نوح کا واقعہ بیان کیا گیا کہ کس طرح انہوں نے ہزار سال تک اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے دعوت دی اب سورہ جن میں یہ بتایا گیا کہ قدرت الہی کا تماشا دیکھو کہ کفار تو آپ ﷺ کے ہم وطن و ہم قوم و ہم زبان ہیں اور قرآن مجید کے اعجاز کو زیادہ سمجھ سکتے ہیں مگر اس کے باوجود ان پر جہالت و گمراہی کا پردہ پڑا ہوا ہے، اس کے برعکس جنوں کی ایک جماعت جس کو نہ آپ ﷺ سے نسبی تعلق ہے اور نہ ٹھیک سے انسانوں کی زبان کو سمجھ سکتی ہے اور نہ آپ ﷺ کو دیکھا اور صحبت اٹھائی ہے، ان سب کے باوجود کس قدر نشہ ہدایت سے سرشار اور قرآن مجید کے گرویدہ ہیں۔

نظارہ قرآن | تفسیر فتح العزیز کی تیسری خصوصیت شاہ رفیع الدین صاحب نے یہ بتائی ہے کہ اس میں قرآن مجید کے نظائر بہ کثرت پیش کیے گئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب

(۱) تفسیر فتح العزیز، پارہ تبارک الذی، ص ۱۵۳-۱۵۴۔

القرآن یفسر بعضہ بعضا کے قائل تھے اور اپنی تفسیر میں انہوں نے اس کا خاص اہتمام کیا ہے، قرآن مجید کو وہ اصل محکم سمجھتے تھے اور شریعت کے تمام مآخذ کا سررشتہ اسی سے جوڑتے تھے، وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

پس در حقیقت اصل محکم کہ بر ہر کس از پیغمبر و امت و مجتہد و عامی لازم الاتباع است ہمیں قرآن است و بس (۱)
در حقیقت اصل محکم جس کی پیروی ہر شخص پر واجب ہے خواہ وہ پیغمبر ہو یا امت کے افراد مجتہد ہوں یا عام لوگ بس یہی قرآن ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے قرآن مجید کے علاوہ شرعی احکام کے دوسرے مآخذ سنت اجماع اور قیاس کی مفصل تشریح کی ہے اور ان کو بھی کتاب اللہ کا تابع بتایا ہے۔
تفسیر فتح العزیز میں قرآنی نظائر کے استعمال کی ایک مثال ملاحظہ ہو، لفظ تقویٰ کی تعریف اور اس کے استعمالات کے تحت وہ لکھتے ہیں:

”شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ کے کئی معانی ہیں:

۱- ایمان: جیسا کہ آیت میں ہے ”والزمهم کلمۃ التقویٰ“

(فتح ۲۶:۳۸)

۲- توبہ: جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں ہے ”ولو ان اهل القری

آمنوا واتقوا“ (اعراف ۷:۹۶)

۳- طاعت: اس کا استعمال اس آیت میں ہے ”ان انذروا انہ

لا الہ الا انا فاتقون“ (نحل ۱۶:۲)

۴- ترک گناہ: جس کا استعمال اس آیت میں ہوا ہے ”واتوا الیوت

من ابوابہا واتقوا اللہ“ (بقرہ ۲:۱۸۹)

۵- اخلاص: جیسا کہ آیت میں ہے ”فانہا من تقوی القلوب“

(حج ۳۲:۳۲)

قرآن مجید میں تقویٰ کی فضیلت ان آیتوں میں بیان ہوئی ہے:

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۱۰۳

”ان الله مع الذين اتقوا“ (نحل ۱۶: ۱۲۸) ”وتزودوا فان
خير الزاد التقوى“ (بقرہ ۲: ۱۹۷) ”ان اكرمكم عند الله اتقاكم“
(حجرات ۳۹: ۳۱)۔

احادیث میں بھی تقویٰ کی فضیلت بہ کثرت وارد ہیں۔ (۱)

سورہ بقرہ کی آیت ”ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم

غشاوة“ کی تفسیر میں وہ رقم طراز ہیں:

اس آیت کے سلسلہ میں پہلا سوال تو یہ ہے
کہ علی سمعہم کا عطف قلوبہم پر ہے، اس لیے
وہ ختم سے متعلق ہے یا جملہ کا جملہ پر عطف ہے
یعنی بصر کے ساتھ مل کر غشاوہ سے متعلق ہے،
اس کا جواب یہ ہے کہ القرآن یفسر بعضہ
بعضا، چنانچہ قرآن مجید نے ایک دوسرے
مقام پر سمع کو غشاوہ کے بجائے ختم سے متعلق
کیا ہے، وہ آیت یوں ہے و ختم علی سمعہ

سوال اول آنکہ علی سمعہم معطوف بر قلوبہم
است پس داخل در تحت ختم باشد یا عطف
جملہ بر جملہ است پس ہمراہ بصر داخل در
حکم غشاوہ است جواب ازین سوال
آنکہ القرآن یفسر بعضہ بعضا در جائے
دیگر قرآن مجید سمع را در داخل حکم ختم
فرمودہ اند نہ داخل حکم غشاوہ در آیت
و ختم علی سمعہ و قلبہ وجعل علی

و قلبہ وجعل علی بصرہ غشاوة ۔

بصرہ غشاوہ ۔ (۲)

فصل واحکام کے اسرار | تفسیر فتح العزیز کی چوتھی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں

واقعات اور احکام کے اسرار و رموز بھی بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب نے
مختلف واقعات کے اسرار بیان کیے ہیں، خاص طور پر بنی اسرائیل کے واقعات ان کے بحث و
تحقیق کا موضوع رہے ہیں، اسی طرح قرآن مجید کے احکام کو بھی انہوں نے دقت نظر سے لکھا
ہے، سورہ بقرہ کی تفسیر میں ”و یقیمون الصلوۃ“ کے تحت وہ لکھتے ہیں:

و یقیمون الصلوۃ یعنی و ہر پائی دارند نماز را دریں جا باید فہمید کہ نماز گزاردن
و یقیمون الصلوۃ کے یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ نماز کو برپا کرتے ہیں، یہاں یہ بات

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۱۱۰ (۲) ایضاً، ص ۱۲۳۔

چیزیںست و برپاداشتن چیزی دیگر است.....
 پس معنی اقامت صلوٰۃ آنت کہ نماز
 را از ہر خلل و کجی محافظت نمایند خواہاں آن
 خلل و کجی در کار دل باشد یا در کار زباں یا
 در کار جوارح و اعضا خواہاں محافظت در
 فرائض باشد یا در شروط یا در سنن یا در
 مستحبات۔ (۱)

سمجھنے کی ہے کہ نماز پڑھ لینا ایک الگ چیز ہے
 اور برپا کرنا دوسری چیز ہے..... اقامت صلوٰۃ
 کے یہ معنی ہیں کہ نماز کو ہر قسم کے خلل اور کجی
 سے محفوظ رکھا جائے، خواہ اس کا تعلق دل
 سے ہو، زبان سے ہو یا اعضا و جوارح سے
 اور یہ حفاظت تمام نمازوں میں کرنی چاہیے،
 خواہ فرائض ہوں یا سنن و مستحبات۔

اسی طرح شاہ صاحب نے سورۃ فاتحہ کے تمام مطالب کی حکیمانہ تشریح بھی کی ہے، وہ
 لکھتے ہیں:

”یہ جانتا چاہیے کہ انسان کے دل میں شیطان تین راہوں سے
 داخل ہوتا ہے، شہوت، غضب اور ہوا، شہوت کو بہمیت، غضب کو سبعت اور ہوا
 کو شیطنت کہتے ہیں اور ان میں بھی غضب شہوت کے مقابلہ میں اور ہوا غضب
 کے مقابلہ میں زیادہ قبیح ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ انسان شہوت کے سبب اپنے آپ
 پر اور غضب کی بنا پر دوسروں پر اور ہوا کے باعث خدا پر ظلم کرتا ہے..... اس تمہید
 کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں جو تین اسمائے الہی مذکور
 ہیں، ان سے یہ تینوں امراض ختم ہوتے ہیں اور سورۃ فاتحہ کی ساتوں آیتیں ان
 سے پیدا ہونے والی بد اخلاقیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہیں، اس اجمال کی
 تفصیل یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کو پہچان لے گا، ہوا کی شیطانت سے محفوظ رہے گا
 اور جس کو رحمانیت کا علم نصیب ہو گا وہ غضب سے اپنے کو دور رکھے گا اور جس کو
 رحیمیت کی بصیرت حاصل ہوگی وہ اپنے نفس پر ظلم کرنا پسند نہ کرے گا۔

بندہ الحمد للہ کہنے کے بعد مرتبہ شکر کو پالیتا ہے، چنانچہ وہ اپنے
 حال پر قانع و مطمئن ہوتا ہے اور شہوت سے اپنے آپ کو پاک و صاف رکھتا ہے،

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۱۱۶۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین کا فائدہ یہ ہے کہ پہلے جملہ سے تکبر اور

دوسرے سے عجب و فخر کا خاتمہ ہوتا ہے اور اھدنا الصراط المستقیم

کہنے کے بعد وہ کفر و بدعت سے نجات پا جاتا ہے۔ (۱)

اسی طرح شاہ صاحب نے سورہ بقرہ میں ہدی للمتقین کے مفہوم کی وضاحت کرتے

ہوئے انسانوں کے انجام کار کے اعتبار سے سات مرتبے بتائے ہیں، ان میں دو بد بخت اور پانچ

نیک بخت ہیں، پھر انہوں نے قرآنی نظائر پیش کر کے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں اور قرآن مجید

کی ہدایت کو طبقہ سعید کے پانچ فرقوں کے لیے خاص بتایا ہے۔ (۲)

لطف نظم قرآن | اس تفسیر کی پانچویں خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں نظم و ربط کے

لطف بھی بیان ہوئے ہیں جو قدم قدم پر ملتے ہیں، سورہ فاتحہ کی آخری آیت غیر المفضوب

علیہم ولا الضالین کے تحت وہ رقم طراز ہیں:

یہ جاننا چاہیے کہ مفضوب علیہم کو

ضالین سے پہلے جو رکھا گیا ہے، اس میں

یہ اشارہ ہے کہ یہ طبقہ زیادہ بدتر اور آخرت

میں ضالین کے مقابلہ میں زیادہ رسوا ہوگا،

چنانچہ تفسیر میں مفضوب علیہم کی بد بختی

کے غلبہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ قرآنی ترتیب

کی خلاف ورزی نہ ہو۔

نیز باید دانست کہ تقدیم مفضوب علیہم

بر ضالین اشعاری دارد بآں کہ حالت

آں ہاتباہ تر در آخرت آنہا رسوا تر انداز

نسبت ضالین پس در تفسیرات رجحان

جانب مفضوب علیہم را در بدامالی

رعایت باید نمود تا خلاف نظم قرآنی لازم

نیاید۔ (۳)

حروف مقطعات پر بحث | مذکورہ بالا خصوصیات کے علاوہ اس تفسیر میں حروف مقطعات پر

بھی عمدہ بحث کی گئی ہے اور شاہ صاحب نے ان کے مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے، سورہ بقرہ

کی پہلی آیت الم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الم اس خالص فیض سے کنایہ ہے جو عالم ناسوت میں عرف و

علوم انسانی کے مطابق جلوہ گر ہے اور اس نے تذکیر کے ذریعہ قساوت قلبی کا اور

(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۷۴ (۲) ایضاً، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰ (۳) ایضاً، ص ۶۰۔

تحدی اور چیلنج کے در بعد فاسد اقوال اور غلط افعال کا مقابلہ کیا اور پوری سورہ اسی اجمال کی شرح و تفصیل ہے۔ (۱)

شاہ صاحب نے اس بحث کے اخیر میں خود اپنی رائے یوں پیش کی ہے:

السم یعنی اصل لازم الاتباع محکم
 کہ منکراں را معجزہ است و متدلاں
 را مفید کہ مطالب عالیہ را بکج روشن
 ثبت است و شبہات و اہیہ را مزیل
 و ماحی۔ (۲)

السم کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصل محکم جس کی
 پیروی ضروری ہے اور جو منکروں کے لیے
 معجزہ اور ماننے والوں کے لیے مفید اور
 واضح دلائل سے روشن ہے اور غلط قسم کے
 شبہات اور وسوسے زائل و محو کر دیتی ہے۔

تفسیر فتح العزیز میں ہندی کے بعض مروجہ الفاظ مثلاً چیلہ، پوکھر، چودہری وغیرہ کا استعمال بھی جا بجا ملتا ہے۔ (۳)

شاہ عبد العزیز صاحب کو فن حدیث میں غیر معمولی شہرت حاصل ہے اور وہ اس فن کے
 امام تسلیم کیے جاتے ہیں، مگر ان کی تفسیر کے مطالعہ سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ امام احمد ثن
 کے پہلو بہ پہلو امام المفسرین بھی کہلائے جانے کے بجا طور پر مستحق ہیں۔



(۱) تفسیر فتح العزیز، ج ۱، ص ۹۵ (۲) ایضاً، ص ۱۰۲ (۳) ایضاً، ص ۳۴۵، ۳۱۹۔

شاہ رفیع الدین دہلوی (المتوفی ۱۲۳۳ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند دوم شاہ رفیع الدین دہلوی نے بھی اپنے والد بزرگوار اور برادر اکبر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرح درس و تدریس اور افتاء و ارشاد کے ساتھ قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کی خدمت انجام دی، تاہم ان کی تفسیری کاوش عوام الناس کو قرآن مجید سے متعارف کرانے تک محدود تھی، ذیل میں شاہ صاحب کے مختصر حالات زندگی درج کیے جاتے ہیں، پھر ان کی تفسیری خدمات کا ذکر ہوگا۔

مختصر حالات زندگی | شاہ رفیع الدین ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے، ابھی ابتدائی تعلیم حاصل کر ہی رہے تھے کہ ان کے والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، چنانچہ ان کے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول کی، شاہ ولی اللہ صاحب کے تلمیذ و عزیز شیخ محمد عاشق پھلتی جن سے شاہ عبدالعزیز نے تکمیل تعلیم کی تھی، ان کے بھی مرشد و مربی قرار پائے، غرض بیس برس کی نوعمری میں تعلیم سے فراغت حاصل کر لی اور اپنے والد کے مدرسہ میں درس و تدریس اور افتاء کی ذمہ داری سنبھال لی، ان کے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز صاحب نے اشتداد عوارض کی بنا پر جب تدریس کا سلسلہ موقوف کر دیا تو ان کے اسباق بھی پڑھانے لگے اور تقریباً نصف صدی سے زائد عرصہ تک درس و افتاء کا بازار گرم رکھا اور ہزاروں تلامذہ ان سے مستفید ہوئے۔

۱۲۳۳ھ میں دہلی میں ہیضہ کی وبا پھیلی جس کی زد میں وہ بھی آئے، بالآخر اسی مرض میں ۶ شوال ۱۲۳۳ھ کو وفات پائی، شاہ عبدالعزیز صاحب اس وقت باحیات تھے، انہوں نے اس موقع پر فرمایا کہ ہم چاروں بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی ہے، سب سے پہلے سب سے چھوٹے مولوی عبدالغنی گئے، ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر، اس

کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین، اب میری جوان سب سے بڑا تھا باری ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ان سے میرے چار رشتے تھے۔
۱- حقیقی بھائی تھے، ۲- والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے، ۳- میری دایہ کا انہوں نے بھی دودھ پیا تھا، ۴- شاگرد تھے۔

خاندان ولی اللہ میں شاہ رفیع الدین کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ دینیات کے ساتھ معقولات پر بھی غیر معمولی دست رس رکھتے تھے، نیز شعر و شاعری سے بھی ان کو شغف تھا، جس میں انہوں نے فلسفیانہ اسرار و رموز کو نظم کیا ہے، انہوں نے متعدد کتب و رسائل تصنیف کیے، ان کی ایک کتاب ”اسرار الحجبہ“ کے بارہ میں محسن ترہتی نے لکھا ہے کہ ”شاید ہی کسی اور مصنف نے اس موضوع کو اس آب و تاب کے ساتھ لکھا ہو، قدما میں ابونصر فارابی اور ابوعلی سینا کے بارہ میں یہ ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے اس موضوع کو اپنایا ہے لیکن ان کی کتابیں دست یاب نہیں ہیں۔ (۱)
تفسیری خدمات | شاہ رفیع الدین کا ایک تفسیری کارنامہ آیت نور کی تفسیر ہے جس کو شاہ عبدالعزیز نے بھی نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس کے بارے میں یہ کہا کہ:

ولعمری لقد اتی فی هذا الباب
بالعجب العجاب و میز القشر
عن اللباب و نور مصابیح
زجاجات القلوب و روح الارواح
ببدیع الاسلوب۔ (۲)
بجز اس باب میں مصنف نے حیرت انگیز کمالات دکھائے ہیں، گووے سے چھلکے کو الگ کر کے آئینہ قلوب کو روشن اور روح کو سرور کیا ہے اور لطیف پیرایہ بیان کا استعمال کیا ہے۔

تفسیر آیت نور ۱۹۶۴ء میں مولانا عبدالحمید سواتی کی کوشش سے گوجرانوالہ پاکستان سے شائع ہو چکی ہے، اس میں حقائق اشیاء سے بحث کرنے والے حکما کے اقوال و آرا کا ذکر کر کے شاہ ولی اللہ کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے، مولانا عبید اللہ سندھی کے بقول یہ رسالہ

(۱) شاہ رفیع الدین کے حالات کے لیے دیکھیے عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۱۸۲ تا ۱۸۶ اور مولانا حکیم محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص ۱۵۶ تا ۱۶۳، مجلس اشاعت اسلام، لاہور ۱۹۷۶ء (۲) عبدالحی حسنی، حوالہ سابق، ص ۱۸۳۔

شاہ ولی اللہ کے سطعات کی تکمیل ہے۔ (۱)

شاہ رفیع الدین کا دوسرا تفسیری کارنامہ ان کی تفسیر سورہ بقرہ ہے، جو ”تفسیر رفیعی“ کے نام سے شائع ہوئی ہے، اس کو ان کے ایک شاگرد سید نجف علی المعروف بفوج دار خاں نے دوران سبق قلم بند کیا تھا اور شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی اس کو ملاحظہ فرمایا تھا، اس تفسیر کو سید نجف علی کے فرزند میر سید عبدالرزاق نے ۱۲۷۲ھ میں مطبع نقش بندی سے طبع کرایا اور اس کے حاشیہ پر مولانا یعقوب چرخ کی تفسیر فارسی بھی شائع کرائی، میر سید عبدالرزاق کے بقول ”ان کے والد نے شاہ رفیع الدین سے تمام کلام اللہ کی تفسیر اسی طرح لکھی جس میں سورہ بقرہ کا حصہ زیادہ مفصل اور مشرح تھا“، غالب گمان یہ ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ قرآن جو مطبوع و متداول ہے، ان ہی سید نجف علی کا قلم بند کیا ہوا ہے اور اسی کا ایک حصہ تفسیر ہے، یہ تفسیر ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے، جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ عوام الناس ہی کو مد نظر رکھ کر یہ تفسیر املا کرائی گئی ہے، تاہم بعض بعض مقامات پر مفید اور اہم علمی بحثیں بھی آگئی ہیں، سطور ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

نمونہ تفسیر | سورہ بقرہ کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے، اس کے بارے میں شاہ رفیع الدین صاحب نے جمہور مفسرین کی طرح یہ ذکر کیا ہے کہ ان کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، مگر اسی کے ساتھ انہوں نے بعض اقوال بھی نقل کیے ہیں جو دل چسپی سے خالی نہیں ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

”اور لوگ کچھ مناسبت سے کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی صفتیں، جن کے

سرے پر یہی حروف آئیں، جیسے الف انعام اللہ کا اور لام لطف اس کا اور میم

ملک اس کا یا اللہ نے جبریلؑ کے ہاتھ محمد ﷺ پر قرآن بھیجا“۔ (۲)

سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں ایسے معاند کفار کا ذکر ہے، جن کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر

ہے، ارشاد باری ہے:

(۱) مولانا عبید اللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص ۱۲۱، کتاب خانہ پنجاب، لاہور ۱۹۴۲ء

(۲) تفسیر رفیعی، ص ۵۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ
أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ
لَا يُؤْمِنُونَ (بقرہ: ۶)

بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو
تو ڈرائے یا نہ ڈرائے، وہ ایمان نہ لائیں
گے۔

مفسرین نے لکھا کہ اس سے مراد ابو جہل اور ابولہب جسے سرکش اور ہٹ دھرم کفار
ہیں، جن کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے، مگر شاہ رفیع الدین صاحب نے اس کی بہت لطیف تفسیر کی
ہے، ان کا کہنا ہے کہ ہر حال میں کفار کو ڈرانا اور سمجھانا چاہیے، یہ کفار جن کا ذکر اس آیت میں
ہے، ان کا علم اللہ کو ہے، بندوں کو نہیں، چنانچہ وہ فائدہ کے تحت لکھتے ہیں:

”یعنی جو خدا کے علم میں کافر مقرر ہوئے، ان کو کسی طرح سمجھاؤ

ایمان نہیں لاتے۔“

اس کے بعد وہ انذار کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان کے سمجھانے میں فائدہ یہ ہے کہ اول ان کا کفر ثابت ہو جائے

کہ بن حکم کے نافرمانی کیوں کر ہوتی اور دوسرے کارخانہ جزا والوں کو حکمت
معلوم ہو جاوے کہ ان کو یہ عذاب کیا چاہیے، تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو ڈر ہو کہ حکم

نہ ماننے سے یہ خرابی ہوتی ہے۔“ (۱)

اسی طرح اس کے بعد کی آیت:

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ

وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (بقرہ: ۲)

مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان
کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔
کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے اس اشکال کو موضوع بحث بنایا ہے کہ جب قلوب کو مہر بند کر
دیا گیا تو گویا اس سے قبول حق کی استعداد سلب کر لی گئی، پھر اس پر عذاب کے کیا معنی؟ شاہ
رفیع الدین صاحب نے اس اشکال کو خود پیش کیا ہے اور اس کو نہایت خوبصورتی سے حل کیا
ہے، وہ لکھتے ہیں:

”کہتے ہیں، جو خدا نے آپ ہی مہر کردی اور پردے ڈال دیے، پھر

(۱) تفسیر رفیعی، ص ۶۔

کفر پر کیوں عذاب کرتا ہے، جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے سرے سے مہر نہیں رکھی تھی، بلکہ جب خدا کے احکام سن کر نہ مانا اور کد زیادہ کی، پیچھے کر مہر رکھ دی، یہ مہر بھی ثمرہ کفر کا ہے، ایسی مہر عذر واسطے دفع عذاب کے نہیں ہوتی۔“ (۱)

نظم کلام کا اہتمام | تفسیر رفیعی کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ اس میں نظم کلام کی مکمل رعایت کی گئی ہے اور اس کے لحاظ سے جا بجا لطیف نکتے بھی تحریر کیے ہیں، مثلاً ابتدائے سورہ میں انسانوں کے تین گروہ مومن، کافر اور منافق کے ذکر کے بعد سارے انسانوں کو عبادت رب کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد انعامات خداوندی کا ذکر ہے، شاہ رفیع الدین صاحب اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کا جو حکم مانتا ہے تین واسطے ہوتا ہے یا واسطے پہلے احسان کے یا واسطے سکونت کے یا واسطے معاش کے، اسی کے عمل میں حق تعالیٰ نے بتلادیا کہ یہ تینوں کام تم کو مجھ ہی سے ہیں، الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ پہلی بات ہے، الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا دوسری بات ہے، وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً تیسری بات ہے۔“ (۲)

شاہ رفیع الدین صاحب نے سورہ بقرہ کے مضامین کی تقسیم بھی کی ہے اور اصل موضوع دعوت توحید کو قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”جن لوگوں پر خطاب تھا تین طرح کے تھے، ظاہر اور باطن سے ماننے والے وہ مومن تھے اور ظاہر و باطن سے انکار کرنے والے وہ کافر تھے اور ظاہری اقرار کرنے والے اور باطن سے انکار کرنے والے وہ منافق تھے، جب تینوں کا احوال بیان کیا سب لوگوں کو حکم کیا کہ میری بندگی کرو اور میرے کلام میں شک نہ لاؤ اور جو یہ نہ کرو گے تو آگ کا عذاب دوں گا اور جو مانو گے تو بہشت دوں گا۔“ (۳)

شاہ رفیع الدین صاحب نے سورہ بقرہ کے ابتدائی چار رکوع کا نظم یوں بیان کرنے کے بعد آیت **يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ** (بقرہ: ۴۰) کی تفسیر

(۱) تفسیر رفیعی، ص ۶ (۲) ایضاً، ص ۱۰ (۳) ایضاً۔

میں لکھا ہے:

”یہاں سے تا اِذَا بُتِلَ اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهُ (بقرہ: ۱۲۴) بحث یہود سے ہے، جب نبی صاحب مدینہ میں آئے ہجرت کر کر وہاں یہود بہت تھے، کئی ان میں سے ایمان لائے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفیق اور باقیوں نے کفر اختیار کیا، کہتے تھے کہ تم پیغمبر ہو عربوں کے کہ جاہل ہیں اور ہم سب کچھ جانتے ہیں، ہم کو پیغمبر نہیں چاہیے، حق تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور ان کی سرکشی اور گمراہی بیان کی اور کہا کہ ان برائیوں پر تم لائق مہربانی کے نہیں اگر پیغمبر کا کہنا مانو گے نعمتیں اپنی تم پر برقرار رکھوں گا نہیں تو دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب کروں گا۔“ (۱)

شاہ رفیع الدین صاحب کا کہنا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۴ سے آیت ۱۶۲ تک حضرت ابراہیمؑ کی بشارت اور دعا کا ذکر ہے جس کا ثمرہ آنحضرت ﷺ کا وجود گرامی ہے۔ (۲) اس کے بعد آیت وَالْهٰكُمُ الْاِلٰهُ وَاَحَدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (بقرہ: ۱۶۳) سے وحدانیت کا موضوع شروع ہوتا ہے اور یہ مضمون آیت ۱۶۷ تک چلا گیا ہے، اس کے بعد آیت يَا اَيُّهَا النَّاسُ كُلُّوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا (بقرہ: ۱۶۸) سے توحید فی الطاعت کا مضمون بیان ہوا ہے، شاہ رفیع الدین صاحب لکھتے ہیں:

”یہاں سے بیان ہے کہ جس طرح عبادت میں خدا کو لا شریک سمجھے، حرام اور حلال کے بھی حکم کرنے میں اسی کو لا شریک سمجھے۔“ (۳)

اس کے بعد سورہ کے اختتام تک مختلف النوع احکام مثلاً قتال، روزہ، حج، انفاق، نکاح و طلاق، نماز، وصیت وغیرہ کے احکام مذکور ہیں، شاہ رفیع الدین صاحب کا کہنا ہے کہ انفاق کے بیان میں یوم آخرت کا ذکر ہاں طور آیا ہے کہ اس دن نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ سفارش، چنانچہ اسی مناسبت سے اس موقع پر آیت الکریٰ رکھی گئی کیوں کہ اس میں بھی یہی مضمون ہے، وہ لکھتے ہیں:

(۱) تفسیر رفیعی، ص ۲۱ (۲) ایضاً، ص ۶۶ (۳) ایضاً، ص ۹۱

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ
يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ
هُمُ الظَّالِمُونَ۔ (بقرہ: ۲۵۴) یہاں سے حکم خرچ کرنے کا بیج راہ خدا کے
شروع ہوا ہے..... لیکن جب اس میں بیان ہوا وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ
آیت الکرسی کو کہ اس میں بھی بیان ہے مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا
بِإِذْنِهِ۔ (۱)

شاہ رفیع الدین صاحب کا کہنا ہے کہ آیت الکرسی کے بعد مذکور تین واقعات الْحَيُّ
الْقَيُّومُ کی تفسیر و شرح ہیں، اس کے بعد اصل مضمون انفاق پھر شروع ہو گیا ہے، لکھتے ہیں کہ:
”اور آیت الکرسی میں ہے الْحَيُّ الْقَيُّومُ تو حیات بخشے کی کیفیت
تین قصوں میں بیان کی ہے پھر شروع کیا احکام خرچ کرنے کا۔“ (۲)

ناسخ و منسوخ کی بحث | شاہ رفیع الدین صاحب نے ناسخ و منسوخ کے موضوع پر بھی
عمدہ بحث کی ہے، سورہ بقرہ کی آیت:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ
أَرْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَرْوَاجِهِمْ مَتَاعًا
إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ
خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ
فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اور جو لوگ تم میں سے مر جاویں اور چھوڑ
جاویں اپنی عورتیں تو وہ وصیت کر دیں اپنی
عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک
بغیر نکالنے کے گھر سے پھر اگر وہ عورتیں
آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس
میں کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات

(بقرہ: ۲۴۰) اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

کے بارے میں مفسرین متفق اللفظ ہیں کہ یہ حکم اول تھا اور جب عورت کی عدت چار مہینے دس
دن ٹھہرا دی گئی جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۴ میں ہے اور آیت میراث بھی نازل ہوئی تو
اس وقت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا، شاہ رفیع الدین صاحب نے دونوں حکموں کو جدا جدا کر کے

(۱) تفسیر رفیعی ص ۱۶۵ (۲) ایضاً۔

اس کے نسخ سے انکار کیا ہے اور نہایت دل چسپ توجیہ و تاویل کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”اس آیت میں حکم ہوا کہ جن عورتوں کے خاوند مر جاویں اپنے وارثوں کو وصیت کر دیویں کہ اس عورت کو برس دن تلک گھر سے نکالو مت جو اپنی خوشی سے چلی جائے مختار ہے اور پہلی آیت میں حکم ہوا تھا کہ چار مہینے دس دن تلک انتظار کریں بعد اس کے دوسری نکاح کو مختار ہے، بعض لوگوں نے سمجھا کہ پہلی آیت پیچھے اتری ہے اور نسخ ہے اور دوسری آیت پہلے اتری ہے اور منسوخ ہو گئی کہ اس کا حکم عدت برس دن تلک تھا اور یہ بات بے تحقیق ہے، اس میں حکم عدت کا عورتوں کو نہیں ہے بلکہ حکم خاوندوں کو ہے کہ وصیت کریں گھر سے نہ نکال دینے کا نہ عورتوں کو نکاح سے منع کرنے کا، بلکہ فرما دیا ہے کہ اگر واسطے نکاح کے چلی جاویں مختار ہیں۔“ (۱)

اس آیت میں دو حکم مذکور ہیں، ایک یہ کہ عورتیں ایک سال کی مدت تک اپنے متوفی شوہروں کے گھروں سے نہ نکالی جائیں، دوسرے یہ کہ اس مدت میں ان کو نان و نفقہ بھی متوفی کے ورثہ دیتے رہیں، شاہ رفیع الدین صاحب کا کہنا ہے کہ آیت میراث کے نزول نے یقیناً عورتوں کو مستحق وراثت بنا دیا ہے، جس کے بعد یہ ظاہر حاجت وصیت باقی نہیں رہتی مگر اس کے باوجود وہ آیت کے حکم کی منسوخی کے قائل نہیں ہیں اور اس کی تاویل یوں کرتے ہیں:

”بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، ساتھ اس حدیث کے کہ لا وصیۃ لوارث یہ بات بھی بے تحقیق ہے، اس واسطے کہ وصیت جو وارث کو نہیں وصیت تملیک ہے، یہ کہ اس کا حق کم زیادہ نہ کر ڈالیں یہ وصیت تملیک کی نہیں ہے بلکہ اباحت عاریت کی ہے اگر چاہے رہنا اور وصیت کرنا وارث کو واسطے تاکید ادائی حق کے یا واسطے ادائی قرض کے منع نہیں ہے۔“ (۲)

ان چند مثالوں سے بہ خوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تفسیری ذوق اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کے مانند تھا، ضرورت اس بات کی ہے کہ تفسیر رفیعی کو از سر نو مرتب کر کے شائع کیا جائے، کیوں کہ ایک تو اس کی زبان نہایت قدیم ہے جس سے قاری کو الجھن پیش آتی ہے، دوسرے اس کے نسخے محدود کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

(۱) تفسیر رفیعی، ص ۱۴۹ (۲) ایضاً۔

شاہ عبدالقادر دہلوی (المتوفی ۱۲۳۰ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر اپنے مقبول و مستند ترجمہ قرآن کی بہ دولت محتاج تعارف نہیں ہیں، اردو زبان کا سب سے پہلا ترجمہ قرآن مجید ان ہی نے کیا اور آج بھی باوجودیکہ اس ترجمہ پر دو صدی کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس عرصے میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں مگر اس کے بعد بھی شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی اہمیت و افادیت پر کوئی حرف نہیں آیا ہے، بلکہ تمام مترجمین و مفسرین بجا طور پر اسی کو ماخذ اول کی حیثیت دیتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ قرآن کے ساتھ ان کے تفسیری فوائد ”موضح القرآن“ کے نام سے شائع ہوئے ہیں، یہ فوائد بھی ترجمہ قرآن کے مانند اہل علم کے درمیان مقبول و متداول ہیں، پہلے شاہ صاحب کے مختصر حالات زندگی ملاحظہ فرمائیں پھر موضح القرآن کے چند اقتباسات نقل کیے جائیں گے جس سے ان کی نکتہ رسی و دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوگا۔

مختصر حالات زندگی | شاہ عبدالقادر ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں

والد ماجد کی وفات ہوئی، چنانچہ بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز کے سایہ عاطفت میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی، ان کے ماموں اور والد بزرگوار کے صحبت یافتہ بزرگ عالم شاہ محمد عاشق پھلتی نے ان کے بڑے بھائیوں کی طرح ان کو بھی آخری درجہ کی کتابیں پڑھائیں، پھر شیخ عبدالعدل دہلوی سے رشتہ سلوک قائم کیا، طبعاً خاموش مزاج اور گوشہ نشین تھے، اس لیے مدۃ العمر خاموشی و یکسوئی کے ساتھ محلہ اکبر آباد کی مسجد کے ایک حجرہ میں معتکف رہے، کبھی کبھی اعزہ سے ملاقات کے لیے گھر بھی جایا کرتے تھے مگر زیادہ وقت مسجد کے حجرہ ہی میں بسر کرتے تھے، اسی کیفیت میں بارہ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۲۰۵ھ میں اپنا ترجمہ قرآن مکمل کیا۔

شاہ عبدالقادر نے شادی کی مگر ان کے کوئی زینہ اولاد نہ تھی، صرف ایک بیٹی تھیں جو

منجھلے بھائی شاہ رفیع الدین کے بیٹے سے منسوب تھیں، ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں اپنے دونوں بڑے بھائیوں کی حیات ہی میں وفات پائی اور والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (۱)

ترجمہ و تفسیر موضح القرآن شاہ عبد القادر کے ترجمہ قرآن کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پچھلی دو صدیوں کے ہر دور کے ارباب نظر علماء و مفسرین نے اس کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس کو ایک الہامی کارنامہ قرار دیا ہے، اسی طرح ہر دور کے علما نے موضح القرآن کو بھی مصدر و ماخذ کے طور پر استعمال کیا ہے، بعض علمی حلقوں میں موضح القرآن کی تعلیم سبقاً و سنداً بھی ہوتی تھی (۲)، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اپنا ترجمہ قرآن شاہ عبد القادر صاحب ہی کے ترجمہ قرآن و فوائد کی تسہیل و تیسیر کی غرض سے مرتب کیا ہے، جس کو اس درجہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ مملکت سعودی عربیہ نے اس کے لاکھوں نسخے چھاپ کر مفت تقسیم کیے، شیخ الہند کے شاگرد مولانا شبیر عثمانی نے اپنے تفسیری حواشی میں موضح القرآن ہی کو اسوہ و رہنما بنایا ہے، اسی طرح یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن مروریام کے سبب سے مختلف مطابع میں چھپتا رہا اور اس کے بعض نسخوں میں تغیر و تبدل بھی ہو گیا، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی اہل علم کی جانب سے ستائش کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ قرآن و فوائد کو از سر نو ایڈٹ کر کے ایک مستند نسخہ تیار کیا مگر شاید اس کے چند ہی اجزا چھپ سکے، بہر حال مولانا اخلاق حسین قاسمی کی تحقیق کے مطابق تاج کمپنی لاہور کا مطبوعہ نسخہ دیگر نسخوں کے مقابلہ میں زیادہ مستند اور بہتر ہے، اس لیے موضح القرآن کے اقتباسات اسی سے لیے گئے ہیں۔

موضح القرآن کے چند نمونے | سورہ بقرہ کی آیت:

بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ آخَا طَلَتْ	کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس
بِهٖ خَطِيئَتُهُ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ	کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں لوگ دوزخ
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (بقرہ: ۸۱)	کے، وہ اسی میں رہ پڑے۔

(۱) شاہ صاحب کے حالات کے لیے دیکھیے مولانا محمد رحیم بخش دہلوی، حیات ولی اور حکیم محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان (۲) مولانا اخلاق حسین قاسمی، محاسن موضح القرآن، ادارہ رحمت عالم دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۲۸۔

میں آحَاطَتْ بِہِ خَطِیئَتُہِ کی تشریح کرتے ہوئے شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں،
گھیر لیا گناہ نے یعنی گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا۔ (۱)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا
تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ
اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (آل عمران: ۹۲)
ہرگز نہ پہنچو گے نیکی کی حد کو جب تک نہ
خرچ کرو کچھ ایک جس سے محبت رکھتے ہو
اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے۔

میں بہ ظاہر عمومی خطاب ہے مگر یہ آیت ذکر یہود کے سیاق میں آئی ہے، چنانچہ شاہ عبد
القادر صاحب نے اس کی تشریح یوں کی ہے:

”یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہو اس کا خرچ کرنا بڑا درجہ ہے اور
ثواب ہر چیز میں ہے، شاید یہود کے ذکر میں یہ آیت اس واسطے فرمائی کہ ان کو
اپنی ریاست بہت عزیز تھی جس کے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب
وہی نہ چھوڑیں اللہ کی راہ میں درجہ ایمان نہ پاویں۔“ (۲)

سورہ آل عمران کی آیت:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى
الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران: ۱۰۴)
اور چاہیے کہ رہیں تم میں ایک جماعت
بلا تے نیک کام پر اور حکم کرتے پسند بات کو
اور منع کرتے ناپسند کو اور وہی پہنچے مراد کو۔

میں شاہ عبدالقادر صاحب فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا دائرہ صرف مسلمانوں
کی دینی اصلاح تک محدود نہیں سمجھتے بلکہ وہ اس کو نوع انسانی کی رشد و اصلاح کا منصب تصور
کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے
جہاد کرنے کو اور دین کا تقید رکھنے کو تا خلاف دین کوئی نہ کرے اور جو اس کام
پر قائم ہوں وہی کامیاب ہیں اور یہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے، موسیٰ بدین خود

(۱) موضح القرآن، ص ۱۸ (۲) ایضاً، ص ۹۹۔

عیسیٰ بدین خود، یہ راہ مسلمانی کی نہیں۔ (۱)

پھر اس کے آگے آیت کا حصہ:

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْغَالِمِينَ اور اللہ ظلم نہیں چاہتا جہاں والوں پر۔

(آل عمران: ۱۰۸)

کے تحت اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”یعنی جہاد اور امر معروف کا جو حکم فرمایا یہ ظلم نہیں خلق پر ان کی تربیت

ہے۔“ (۲)

سورۃ آل عمران میں غزوہ اُحد کی تفصیلات مذکور ہیں اور اس کے بعد مسلمانوں کو سود سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے، شاہ عبدالقادر صاحب نے ان دونوں کے درمیان نہایت لطیف مناسبت بتائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”شاید سود کا ذکر یہاں اس واسطے فرمایا کہ اوپر مذکور ہوا جہاد میں

نامردی کا اور سود کھانے سے نامردی آتی ہے، دو سبب سے، ایک یہ کہ مال حرام

کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے، دوسرے یہ

کہ سود لینا کمال بخل ہے، چاہیے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے لیا، بیچ میں کسی کا کام

نکلا، یہ بھی مفت نہ چھوڑے، اس کا جدا بدلہ چاہیے تو جس کو مال پر اتنا بخل ہو وہ

کب جان دیا چاہیے۔“ (۳)

سورۃ رعد کی آیت:

يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَ عِنْدَهُ

أُمُّ الْكِتَابِ (رعد: ۳۹) پاس ہے اصل کتاب۔

کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب نے تقدیر کی بڑی عمدہ تفسیر کی ہے، لکھتے ہیں:

”دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے، بعضے اسباب ظاہر ہیں، بعضے چھپے

ہیں، اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے، جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازے سے

(۱) موضح القرآن، ص ۱۰۱ (۲) ایضاً، ص ۱۰۲ (۳) ایضاً، ص ۱۰۷۔

کم زیادہ کر دے، جب چاہے ویسی ہی رکھے، کبھی کنکر سے مرتا ہے اور گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے، وہ ہر گز نہیں بدلتا، اندازے کو تقدیر کہتے ہیں، یہ دو تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی۔ (۱)
بعض آیتوں کی تشریح میں شاہ عبدالقادر صاحب کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ چلتا ہے، مثلاً سورۃ الحجج کی آیت:

وَأَنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ (حجر: ۴۳ و ۴۴)
اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازہ کو ان میں ایک فرقہ بٹ رہا ہے۔

میں ذکر سات دروازوں کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے،

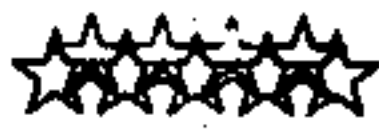
ویسے دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل والوں پر بانٹے ہوئے، شاید بہشت

کا ایک دروازہ زیادہ وہ ہے کہ بعضے وگ زے فضل سے جاویں گے بغیر عمل، باقی

عمل میں دروازے برابر ہیں۔“ (۲)

مذکورہ بالا چند مثالوں سے تفسیر موضح القرآن کا اسلوب بیان اور اس کے طریق

استدلالوں کا ایک سرسری اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔



قاضی ثناء اللہ پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ)

مختصر حالات زندگی | قاضی صاحب ۱۱۲۳ھ مطابق ۳۱-۱۷۳۰ء میں بہ مقام پانی پت

پیدا ہوئے، ان کا شجرہ نسب بارہ واسطوں سے شیخ جلال الدین پانی پتی (م ۸۵۲ھ) سے ملتا ہے، جن کے خاندان کو خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ سے نسبی تعلق کا شرف حاصل ہے۔

قاضی صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سولہ برس کی عمر میں مروجہ علوم و فنون کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حدیث و فقہ میں پختگی اور کمال حاصل کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی خدمت میں حاضری دی، باطنی اصلاح و تربیت کے لیے پہلے شیخ محمد عابد سنائی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، ان کے انتقال کے بعد مشہور بزرگ مرزا مظہر جان جاناں کی طرف رجوع ہوئے اور ان کے ایک ممتاز خلیفہ کی حیثیت سے نہایت مشہور ہوئے، مرزا صاحب کو بھی قاضی صاحب سے بڑی محبت تھی، انہیں ”علم الہدی“ کا لقب بھی بخشا تھا، شاہ ولی اللہ صاحب کے خلف اکبر شاہ عبد العزیز صاحب بھی قاضی صاحب کو ان کے علم و فضل کی بنا پر ”بیہقی وقت“ کہا کرتے تھے، قاضی صاحب اپنے وطن میں رہ کر مدۃ العمر افتاء و قضا اور تصنیف و تالیف کی خدمت میں مشغول رہے، یکم رجب ۱۲۲۵ھ کو وفات پائی، ان کے تذکرہ نگار متفق اللفظ ہیں کہ وہ نہایت عابد و زاہد، تہجد گزار اور تلاوت قرآن کے شیدائی تھے۔ (۱)

تصنیفات | قاضی صاحب نے تیس سے زائد کتب و رسائل تصنیف کیے (۲) مگر ان کی صرف دو کتابیں ایک مالا بد منہ بہ زبان فارسی اور دوسری تفسیر مظہری بہ زبان عربی، مطبوع و متداول ہیں،

(۱) قاضی صاحب کے حالات کے لیے دیکھیے، نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۱۱۳، تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۸۔

اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۶، ص ۱۰۳۲ تا ۱۰۳۴ (۲) تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۸، ج ۱، ص ۱۰۳۲۔

مالا بد منہ فقہ حنفی پر ایک مختصر اور جامع کتاب ہے جو عرصہ دراز تک مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل رہی، قاضی صاحب کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ انہوں نے فقہ میں ایک مبسوط کتاب بھی تصنیف کی تھی جس میں ائمہ اربعہ کے مختارات کو مع ادلہ محاکمہ کے بعد یکجا کیا تھا، اسی موضوع پر ”الاخذ بالاقوی“ کے نام سے ان کے ایک رسالہ کی صراحت بھی ملتی ہے۔ (۱)

تفسیر مظہری | قاضی صاحب کی یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس

کو انہوں نے اپنے پیرومرشد مرزا مظہر جان جاناں کے نام سے معنون کیا ہے، اس تفسیر کا اردو ترجمہ مولانا سید عبدالداہم جلالی نے کیا ہے، جس کو ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا ہے۔

تفسیر مظہری قاضی صاحب کی کثرت معلومات، وسعت علم، حدیث و فقہ پر گہری نظر اور ان کے معتدل متصوفانہ ذوق کا ثبوت ہے، سطور ذیل میں اس کے ابتدائی حصے کی روشنی میں تفسیر کی چند نمایاں خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

مسلمی رواداری | تفسیر مظہری کا اہم اور نمایاں وصف مصنف کی وسعت نظر اور مسلمی

عدم تعصب ہے، اس میں قاضی صاحب نے احناف کے نقطہ نظر کی تائید و تصویب بہ دلائل کی ہے مگر جا بجا اس سے اختلاف بھی کیا ہے، عام خیال ہے کہ وہ حنفی تھے، اس لیے انہوں نے تفسیر مظہری میں محض احناف کے نقطہ نظر کو مدلل طور پر پیش کیا ہے (۲) لیکن تفسیر کے غائر مطالعہ سے یہ بات خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہے، ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے قاضی صاحب کے اعتدال و توازن کا اندازہ ہوگا:

محصور کی قربانی کا حکم | مسافر حج اگر کسی مقام پر محصور ہو جائے تو وہ اپنی قربانی کے جانور

کو کس جگہ ذبح کرے یا کرائے، اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کی قربانی حدود حرم میں ہونی چاہیے، جب کہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ وہ اسی جگہ ذبح کر دے جہاں وہ محصور ہوا ہے، خواہ وہ مقام حدود حرم کے اندر واقع ہو یا اس سے باہر ہو، اس مسئلہ میں امام بخاریؒ نے نہایت متوازن موقف اختیار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ محصور اگر اپنی قربانی کا جانور حدود حرم تک بھیجنے پر قادر ہو تو اس کے لیے ایسا کرنا واجب ہے، بہ صورت دیگر اس کے لیے

(۱) نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۱۱۳ (۲) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص ۹۸-۱۰۱۔

اجازت ہے کہ وہ جائے احصار ہی میں قربانی کر دے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس مسئلہ میں امام بخاریؒ ہی کے موقف کی تائید و حمایت کی ہے، سورہ بقرہ کی آیت:

وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ
الْهَدْيُ مَحَلَّهُ (بقرہ: ۱۹۶)

اور حجامت نہ کرو اپنے سروں کی جب تک پہنچ
نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر۔

کی تفسیر کرتے ہوئے وہ اس اختلاف کا ذکر یوں کرتے ہیں:

”مجلہ کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ اس بات کے

قائل ہیں کہ محلہ سے حدود حرم مراد ہے کیوں کہ قرآن مجید میں ایک دوسرے

مقام پر یہ صراحت موجود ہے کہ قربانی کا محل خانہ کعبہ ہی ہے (ثُمَّ مَحَلُّهَا إِلَى

الْبَيْتِ الْغَتِيْقِ ج: ۳۳) نیز حرم کے علاوہ کسی اور مقام پر قربانی کا ثبوت

نہیں ملتا ہے، اس لیے محصور کے لیے واجب ہے کہ وہ قربانی کے جانور کو حرم

روانہ کرے اور ذبح کے دن کی تعین کر دے اور اسی لحاظ سے احرام کھولے.....

جمہور فقہاء کا کہنا ہے کہ محلہ سے مراد وہی مقام ہے جہاں حالت محصوری پیش

آئی ہے خواہ وہ حدود حرم کے اندر ہو یا اس سے خارج ہو، جیسا کہ صلح حدیبیہ کے

موقع پر میدان حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا قربانی کرنا ثابت ہے، حالاں کہ یہ

جگہ حدود حرم سے باہر ہے، اس مسئلہ میں بہتر قول امام بخاریؒ کا ہے جس کو انہوں

نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت پر تعلق کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

محصور کو جائے محصور پر قربانی کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے

کہ وہ جانور کو حدود حرم تک بھیجنے پر قادر نہ ہو اور اگر اس کو اس کی قدرت ہو تو اس

کے لیے بھیجنا واجب ہے۔“ (۱)

غرض قاضی صاحب نے اس آیت کی تفسیر امام بخاریؒ ہی کے موقف کے مطابق کی

ہے، وہ لکھتے ہیں:

فَحِينَئِذٍ مَعْنَى قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَحْلِقُوا
اس آیت کا مطلب قید استطاعت کے ساتھ

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۱۷۹، مطبع غریب۔

زَوْفُسُكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدَىٰ مَجْلَهُ
 ان استطعتم ذلك فهو عام خص منه
 البعض بفعل النبي ﷺ الثابتة
 بالاحاديث المشهورة - (۱)

شروط قرار پائے گا، اس لیے اس حکم عام سے وہ
 واقعات بر بنائے تخصیص مستثنیٰ سمجھے جائیں گے
 جن میں یہ صراحت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ
 نے حدود حرم سے باہر حدیبیہ میں قربانی کی ہے

اور وہ مشہور حدیثوں سے ثابت ہیں۔

تعلیم قرآن کو مہربنانا فقہائے احناف اور شوافع اس بات میں مختلف الرائے ہیں کہ مہر
 نکاح میں قرآن مجید کی تعلیم کو رکھا جاسکتا ہے یا نہیں، شوافع اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کی
 دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون
 نے اپنے آپ کو بہ غرض نکاح پیش کیا مگر حضور ﷺ خاموش رہے، ایک صحابی جو اس وقت مجلس
 میں موجود تھے، انہوں نے نکاح کی خواہش ظاہر کی، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ ان کے پاس
 مہر کی ادائیگی کے لیے کوئی چیز نہیں ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تعلیم قرآن مجید کو مہر قرار دے
 کر ان کا نکاح کر دیا۔

فقہائے احناف اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں شمار کرتے ہیں، اس لیے
 وہ اس پر قیاس کو درست نہیں قرار دیتے، علامہ ابن جوزی نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ
 یہ اسلام کے دور غربت کا واقعہ ہے جس کو نظیر نہیں بنایا جاسکتا، قاضی صاحب نے فقہائے
 احناف کی ان دونوں توجیہات سے عدم اتفاق ظاہر کیا ہے اور صاف لفظوں میں یہ لکھا ہے کہ:
 قلت هذا كانه ادعاء نسخ والنسخ
 لا يثبت بمجرد الاحتمال وكذا
 كونه من الخصائص - (۲)

میرا کہنا ہے کہ ابن جوزی کی توجیہ کے
 مطابق دعویٰ نسخ لازم آتا ہے اور محض احتمال
 کی بنیاد پر نہ تو نسخ کو ثابت کیا جاسکتا ہے اور
 نہ ہی خصائص کو۔

احکام حج حج کے بعض احکام کے سلسلہ میں بھی قاضی صاحب نے فقہائے احناف
 سے اختلاف کیا ہے، مثلاً ایام تشریق کے آخری دن زوال سے پہلے تک احناف کے نزدیک رمی

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۱۷۹ (۲) ایضاً، ج ۲، ص ۵۶۹، تفسیر سورہ نساء۔

کی جاسکتی ہے مگر اس مسئلہ میں قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ:

”مجھ کو اس قول کی کوئی دلیل دست یاب نہیں ہوئی۔“ (۱)

فقہائے احناف نے ابن ہمام کی ایک روایت اس کی تائید میں پیش کی ہے، مگر قاضی صاحب نے اس کے سلسلہ سند پر کلام کیا ہے۔

اسی طرح جمرات کی رمی میں ترتیب کو جمہور واجب اور امام ابوحنیفہؒ سنت قرار دیتے ہیں، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ تینوں جمرات کی رمی ایک عمل ہے، اس لیے ان میں ترتیب واجب ہے، امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ ہر جمرہ کی رمی ایک علاحدہ عمل ہے، اس لیے ترتیب کو وجوب کا درجہ حاصل نہیں ہے، قاضی صاحب نے اس مسئلہ میں جمہور کی متابعت کی ہے اور امام صاحب کے موقف کو کم زور ثابت کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”میرا خیال ہے کہ از روئے قیاس بھی امام صاحب کا موقف درست نہیں ہے، جمرات کے عمل میں ترتیب کے وجوب کی دلیل تو یہی ہے کہ اس کے اختلال سے دم لازم آتا ہے جیسے رمی، حلق اور دھج علاحدہ اعمال ہیں، مگر ان کے درمیان ترتیب کے فوت ہونے سے دم واجب ہوتا ہے، امام صاحب نے ان دونوں صورتوں میں جو تفریق کی ہے اس کو سمجھنے سے میں قاصر ہوں۔“ (۲)

خیار بیع کا اثبات | سورہ نساء کی آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ - (نساء: ۲۹)

اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے
کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس
کی خوشی سے۔

کو مستدل قرار دے کر فقہائے احناف و مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ بیع مکمل ہو جانے کے بعد بائع و مشتری کو خیار بیع حاصل نہیں رہتا، اس کے برعکس فقہائے شوافع و حنابلہ بعض حدیثوں سے استدلال کرتے ہوئے اس کے جواز کے قائل ہیں، فقہائے احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں ان روایتوں سے صرف نظر کیا جائے گا، قاضی صاحب نے احناف

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۲۴۴ (۲) ایضاً۔

کے اس موقف سے اختلاف کیا ہے اور فقہائے شوافع و حنابلہ کی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

قلب والصحیح عندی ان الآیۃ
تدل علی جواز الاکل و تمام البیع
قبل الافتراق من المجلس لکن لا يدل
علی نفی ولاية الفسخ عنهما فالاولی
ان يقال بثبوت خيار المجلس
للمتعاقدین كما اثبت ابو حنیفہ
خيار الرؤية وخيار العيب بعد تمام
البيع کیلا يلزم ترک العمل
بالحدیث الصحیح - (۱)

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت
افتراق مجلس سے قبل بیع مکمل ہو جانے اور
بیع کو استعمال کرنے کی یقیناً دلیل ہے لیکن
متعاقدین کے حق فسخ کی نفی اس سے ثابت
نہیں ہوتی ہے، اس لیے بہتر بات یہ ہے کہ
خيار مجلس کو تسلیم کیا جائے، جب امام ابو حنیفہؒ
بیع تام ہو جانے کے بعد خيار رویت اور
خيار عیب کو تسلیم کرتے ہیں تو خيار مجلس کو
ماننے میں کیا حرج ہے تاکہ حدیث صحیح کو
چھوڑنا لازم نہ آئے۔

تیمم کا ایک مسئلہ | سورہ نساء میں تیمم کی ایک آیت وارد ہے جس کی نہایت مفصل تفسیر
قاضی صاحب نے کی ہے، اس ضمن میں اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کے بعض اعضا صحیح و سالم
ہوں اور بعض زخمی ہوں تو کیا زخمی اعضا پر تیمم درست ہے، انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے بالمقابل
امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے موقف کو پسندیدہ قرار دیا ہے، امام ابو حنیفہؒ اسی صورت میں تیمم کی
اجازت دیتے ہیں جب کہ اس کے بیشتر اعضا زخمی ہوں مگر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہ فتویٰ ہے
کہ صحیح اعضا کو دھل لیا جائے اور زخمی عضو پر تیمم کر لیا جائے، قاضی صاحب اس فتویٰ کے متعلق
لکھتے ہیں:

هو المختار عندی للفتویٰ - (۲) میرے نزدیک یہی فتویٰ زیادہ بہتر ہے۔

اس کی مزید مثالیں بھی ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم نے چند ہی مثالوں پر اکتفا کیا
ہے، ان سے بھی ہمارا مدعا پوری طرح واضح ہو جاتا ہے، اس بنا پر یہ کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ
اس میں احناف کے مسلک کی مدلل تائید کی گئی ہے بلکہ دراصل قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بڑی

(۱) تفسیر مظہری، ج ۲، ص ۵۸۳ (۲) ایضاً، ص ۶۱۷۔

حد تک شاہ ولی اللہ کے مسلک اعتدال کی ترجمانی کی ہے۔

۲۔ تفسیری اقوال کی تحقیق و تنقید

تفسیر مظہری میں قدیم مفسرین کے تفسیری اقوال بہ کثرت نقل کیے گئے ہیں، مگر مصنف نے ان اقوال کو محض یکجا نہیں کیا ہے بلکہ مختلف مقامات پر ان کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھا بھی ہے اور یہ اس تفسیر کا دوسرا بڑا امتیاز ہے، صحابہ اور تابعین کے جو اقوال مرفوعاً ثابت ہیں، ان کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر ماثور کا درجہ دیتے ہیں، مگر جو روایتیں موقوف ہیں ان کو وہ تاویل کا درجہ دیتے ہیں، جس میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے (۱)، ذیل میں چند مثالوں کے ذریعہ اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

سورہ بقرہ کی ایک آیت ہے:

فَاَلَا نَبَاَشِرُوْهُنَّ وَاَبْتَفَوْا
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (بقرہ: ۱۸۷)

پھر ملو اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے۔

اس کی تفسیر میں قاضی صاحب نے اس متبادر مفہوم کی تائید کی ہے کہ گوشتہ الہی کو طلب کرنے کا مطلب طلب اولاد ہے، اس ضمن میں انہوں نے امام بغوی کے حوالہ سے حضرت معاذ بن جبل کا یہ تفسیری قول نقل کیا ہے کہ ”مکتوب الہی کو تلاش کرنے کا مطلب شب قدر کو ڈھونڈنا ہے“ (۲)، مگر قاضی صاحب نے اس سے عدم اتفاق ظاہر کرتے ہوئے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ:

قلت وهذا بعيد من السياق - میرا کہنا ہے کہ یہ تاویل سلسلہ کلام سے علاحدہ ہے۔

مناسک حج کے سلسلہ میں وارد آیت:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مِّنَ سَجَّكُمْ فَاذْكُرُوا
اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اَبَاءَكُمْ اَوْ اَشْدَّ
ذِكْرًا (بقرہ: ۲۰۰)

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی صاحب نے اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ اہل عرب مراسم حج سے

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۳۸ (۲) ایضاً، ص ۱۶۵

فارغ ہونے کے بعد مجلسیں لگا کر اپنے آبا و اجداد کا فخر یہ ذکر کرتے تھے، اس آیت میں اس کی ممانعت کی گئی ہے اور ان کو اس کے بجائے کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عطا کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کیا کرو جس طرح سے چھوٹے بچے اپنے باپوں کو یاد کرتے ہیں“، قاضی صاحب نے اس قول کو نقل کر کے اس پر یہ دل چسپ تبصرہ کیا ہے:

قلت وعلى هذا كان ذكر الامهات
اولى من الآباء (۱)
سورۃ بقرہ کی آیت:

لا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (بقرہ: ۲۵۶) زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں۔
کی تفسیر میں قاضی صاحب نے تفسیر بغوی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ حکم آیت قتال سے منسوخ ہے، مگر انہوں نے اس سے عدم اتفاق کیا ہے اور اس کی توجیہ یوں کی ہے:

قلت لا يتصور النسخ الا بعد
التعارض ولا تعارض فان الامر
بالقتال والجهاد ليس لاجل الاكراه
على الدين بل لدفع الفساد من
الارض فان الكفار يفسدون في
الارض ويصدون عباد الله عن
الهدى والعبادة (۲)

میں کہتا ہوں کہ نسخ کا تصور ایسے موقع پر ممکن ہے جہاں تعارض ہو اور یہاں کوئی تعارض سرے سے نہیں ہے، قتال و جہاد کی مشروعیت قطعاً اکراہ دین کے لیے نہیں بلکہ زمین سے دفع فساد کے لیے ہے اور اس کا تعلق ان کافروں سے ہے جو زمین میں فتنہ گری کرتے اور اللہ کے بندوں کو ہدایت و عبادت سے روکتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بعض تفسیری اقوال کی ترجیح و تردید کے لیے قرآن مجید کے طرز و اسلوب بیان کو بھی اسوہ و رہنما بنایا ہے، مثلاً سورۃ بقرہ کی آیت:

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۲۳۹ (۲) ایضاً، ص ۲۸۰۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي

قَرِيبٌ (بقرہ: ۱۸۶)

اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں۔

کی تفسیر میں امام بغوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”سائل مدینہ کا کوئی یہودی تھا“، قاضی صاحب نے قرآن مجید کے اسلوب بیان کو اس کے متضاد بتایا ہے، ان کے خیال میں سائل کوئی اعرابی رہا ہوگا، چنانچہ لکھتے ہیں:

قلت الظاهر ان تشریف السائل

بالاضافة الى نفسه يابى

ان يكون السائل يهوديا

متعنتا في السؤال (۱)

سورہ بقرہ کی درج ذیل آیت:

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ

قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

(بقرہ: ۱۷۷)

نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اچھا مشرق کی طرف یا مغرب کے لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر.....

کے بارے میں مفسرین مختلف رائے ہیں کہ اس میں مخاطب اہل ایمان ہیں یا اہل کتاب، قاضی صاحب نے اسلوب بیان کی روشنی میں اہل کتاب کے قول کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

قلت ذكره تعالى بتولية الوجوه

و عدم تسميته بالصلوة قرينة

على ان المخاطبين بها اليهود

والنصارى دون المومنين (۲)

اسی طرح آیت قصاص:

يَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر (قصاص)

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۱۶۲ (۲) ایضاً، ص ۱۳۹۔

الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ..... (بقرہ: ۱۷۸) برابری کرنا مقتولوں میں۔

کے سلسلہ میں بھی مفسرین کو یہ اختلاف ہے کہ اس کے مخاطب اوس و خزرج کے اہل ایمان ہیں یا بنو قریظہ و نضیر کے یہود، قاضی صاحب نے اوس و خزرج کو مخاطب قرار دیے جانے کے قول کو اسی بنیاد پر ترجیح دی ہے، لکھتے ہیں:

قلت رضائهم و تسليمهم و خطاب
الله تعالى اياهم بقوله يا ايها الذين
آمنوا دليل على ان المخاطبين به هم
الاوس و الخزرج الذين صاروا
انصار الله دون قريظة والنضير
فانهم كانوا اعداء الله كفارا (۱)
میرا کہنا ہے کہ تسلیم و رضا کا اسلوب بیان اور
اہل ایمان کے ذریعہ خطاب اس بات کی
دلیل ہے کہ مخاطب اوس و خزرج ہیں جو کہ
اللہ تعالیٰ کے دین کے اعوان و انصار تھے نہ
کہ قریظہ اور بنو نضیر کے یہود جو کہ اعداء اللہ
اور کافر تھے۔

۳۔ تفسیری انفرادیت | تفسیر مظہری کا بیشتر حصہ متقدمین کے تفسیری اقوال پر مشتمل ہے
تاہم ایک آیت کی تفسیر میں قاضی صاحب نے جمہور مفسرین کے بالمقابل اپنی رائے کو کامل
وثوق و اعتماد کے ساتھ پیش کیا ہے، سورہ بقرہ میں قصہ آدم کے ذکر میں حضرت آدم کو ناموں
کے سکھانے کا ذکر ہے، ارشاد باری ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا
(بقرہ: ۳۱)
اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب
چیزوں کے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں مگر ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ
حضرت آدم کو کائنات کی تمام اشیا کا علم دیا گیا، قاضی صاحب کے نزدیک یہ تمام اقوال ناقابل
قبول ہیں اور اس کا سبب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

فان مدار الفضل على كثرة الثواب
ومراتب القرب دون هذه الامور
ولو كان هذه الامور مدارا لفضله
فضیلت کی بنیاد ثواب کی کثرت اور قرب الہی
کے مدارج پر ہے نہ کہ ان چیزوں پر اور اگر
اشیا کے علم کو ہی اساس فضیلت قرار دیا جائے

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۲۴۳۔

لزم فضله علی خاتم النبیین ﷺ
فانه قال انتم اعلم بامور دنیاکم
ولم یکن علیہ السلام عالما بجميع
اللغات (۱)

تو حضرت آدم کی فضیلت آنحضرت ﷺ پر
بھی ثابت ہوتی ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے
فرمایا ہے کہ تم لوگ دنیا کے معاملات زیادہ
بہتر سمجھتے ہو، ایسے ہی مختلف زبانوں کا علم
بھی آپ ﷺ کو نہیں تھا۔

قاضی صاحب کے نزدیک اسماء سے مراد اسماء الہیہ ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ اشیا کا علم
بھی اس دائرہ میں شامل ہے، اس طرح مفسرین کے اقوال کی تردید بھی نہیں ہوتی مگر اس تاویل
کے مطابق زیادہ معنویت پیدا ہو جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول کہ تمام چیزوں کے نام ہکھائے
اور دیگر مفسرین کے اقوال کہ کائنات کی ہر چیز کا علم دیا یہ تمام باتیں اسماء الہیہ
کی تعلیم کے منافی نہیں ہیں، ابتدائے کائنات سے منتہائے کائنات کی تعبیر بھی
استعمال کی گئی ہے، مگر ہماری توجیہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کیوں کہ ذات باری
اول ہے جس سے قبل کوئی چیز نہیں اور آخر ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں، وہ ظاہر
ہے جس سے نمایاں کوئی شے نہیں اور باطن ہے جس سے پوشیدہ کوئی شے نہیں
ہے۔“ (۲)

اس آیت کے اگلے حصہ میں بھی قاضی صاحب نے غیر معمولی ذہانت کا ثبوت فراہم
کیا ہے، ارشاد باری ہے:

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ (بقرہ: ۳۲) پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے۔
بالعموم مفسرین ہم کی ضمیر کا مرجع مسمیات کو قرار دیتے ہیں مگر قاضی صاحب کے
نزدیک یہ ضمیر حضرت آدم کی طرف راجع ہے، چنانچہ وہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
واذا قلت المراد بالاسماء الالهية
فالضمير راجع الى آدم وجمع
جب ہم نے اسماء الہیہ مراد لیا تو
ہم کی ضمیر آدم کی طرف لوٹی ہے، ضمیر جمع یا
(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۳۷ (۲) ایضاً، ص ۳۸۔

الضمیر للتعظیم او المراد بآدم هو
والله وهذا النسب من ارجاع الضمیر
الی المسمیات لان المسمیات غیر
مذکورة فیما قبل والضمیر
للمذکرین العقلاء فلا بد فیہ من
تکلفات وقرأ ابی بن کعب
عرضها وقرأ ابن مسعود عرضهن
وعلى تینک القرأتین الضمیر راجع
الی الاسماء (۱)

تو بر بنائے تعظیم استعمال ہوئی ہے یا آدم کے
ساتھ ان کی ذریت بھی پیش کی گئی، ضمیر کا
مسمیات کی طرف راجع کرنے کے مقابلے
میں آدم کی طرف زیادہ نسب ہے کیوں کہ
اول تو مسمیات کا پہلے کوئی ذکر نہیں ہے،
دوسرے یہ ضمیر مذکر عاقل کے لیے استعمال ہوتی
ہے، اس لیے اس صورت میں زیادہ تکلفات
ہیں، رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ابی بن کعب کی ایک
قرأت میں ضمیر تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود
کی قرأت میں ہن استعمال ہوئی ہے تو ان
دونوں قرأتوں کے مطابق ضمیر کو اسماء کی طرف
لوٹایا جائے گا۔

آیت کا اگلا حصہ اور زیادہ پر خطر ہے، مگر قاضی صاحب کے ناخن تدبیر نے اس کی گرہ
کشائی بھی بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا آدَمَ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ
(بقرہ: ۳۳)
اے آدم بتادے فرشتوں کو ان چیزوں
کے نام۔

اس میں مفسرین متفق اللفظ ہیں کہ اسمائہم کی ضمیر مسمیات کی طرف راجع ہے مگر
قاضی صاحب نے اس کو ملائکہ کی طرف لوٹایا ہے اور اس کی یہ دل چسپ تاویل کی ہے:

ای انبیئہم بالاسماء التي فی
وسعهم تعلمها او التي قد رنا لهم
تعلمها ولم يقل باسمائکم لان تعلم
الاسماء کلها لا يمكن الا اجمالا
یعنی فرشتوں کو وہ اسماء بتاؤ جن کو وہ سیکھ سکتے
تھے یا جن کو سیکھنے کی صلاحیت ان کو عطا کی
گئی ہے، اسمائکم (آدم کے اسماء) اس
لیے نہیں کہا گیا کہ اسماء کلی کا علم اجمالی ہی ممکن

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۳۸۔

بالوصول الی حضرت الذات و
ذلک، مختص بالبشر دون
الملائکة۔ (۱)
ہے اور وہ بھی قرب الہی کے توسط سے اور یہ
علم انسانوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے، ملائکہ
اس سے منزہ ہیں۔

قاضی صاحب کی یہ تفسیر بالکل انوکھی اور منفرد ہے اور اس حقیقت سے انکار مشکل ہے
کہ متعدد صفات الہی مثلاً عفودرگزر، بخشش و مغفرت، قہر و انتقام وغیرہ کا ادراک انسانوں ہی کا
خاصہ ہے، ملائکہ جو کہ معصیت سے منزہ ہیں، وہ کیوں کر ان کا ادراک کر سکتے ہیں۔

۴۔ نظم و ترتیب کا اہتمام | تفسیر مظہری کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ اس میں نظم کلام کو مد نظر
رکھا گیا ہے، پہلے متعدد مثالیں گزر چکی ہیں کہ قاضی صاحب نے اسلوب بیان کو بہ طور خاص ملحوظ
رکھا ہے، فدیہ صوم کے ذکر میں انہوں نے ایک قول کو یہ کہہ کر نظر انداز کیا ہے کہ:

وهذا التاویل لا یساعده نظم
الکلام (۲)
یہ تاویل نظم کلام سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے بیان کے شروع میں قاضی صاحب نے سورہ کی
ابتدائی آیات کی تلخیص کی ہے جس سے ان کے تصور نظم کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”جب اللہ تعالیٰ نے توحید و نبوت کے دلائل ذکر کر دیے اور عام

انسانوں کو مخاطب کر کے ان پر اپنے عام احسانات کا ذکر کر دیا تب اس کے بعد
بنی اسرائیل کا خصوصی ذکر کیا اور ان پر اپنی خاص نعمتوں کو گنایا، چوں کہ یہ سورہ
مدنی ہے، اس لیے اس میں زیادہ تر خطاب یہودیہ سے ہے کیوں کہ وہ عام لوگوں
کے مقابلہ میں زیادہ پڑھے لکھے تھے اور لوگوں کے پیشوا تھے، اگر وہ نبوت کے
معترف ہو جاتے تو دوسرے لوگ بھی تسلیم کر لیتے۔“ (۳)

۵۔ معتدل متصوفانہ تحریر | قاضی صاحب ایک عظیم المرتبت صوفی تھے، مگر تفسیر مظہری

میں انہوں نے تصوف کے اسرار و رموز اور اس کی پیچیدہ بحثوں کے ذکر کے بجائے بعض بعض
مقامات پر تصوف کی حقیقت اور اس کی بنیادی تعلیم کو پیش کیا ہے، نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال

(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۳۹ (۲) ایضاً، ص ۱۵۵ (۳) ایضاً، ص ۴۴۔

پیش کی جاتی ہے۔

قاضی صاحب تقویٰ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”صلاح قلب کو صوفیہ کی اصطلاح میں فنائے قلب کہتے ہیں اور یہ

ولایت کا اعلیٰ مرتبہ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جسم کو طاہر، مشتبہات سے بچنے

والا اور محرمات سے گریز کرنے والا بنایا جائے، غرض تقویٰ ولایت کے لیے

لازم ہے۔“ (۱)

قاضی صاحب نے تصوف کے نام پر کیے جانے والے غلط اور قبیح اعمال و اشغال کی

مذمت بھی کی ہے اور اس کو روح تصوف کے منافی بتایا ہے، شیخ ابن عربی اور مجدد الف ثانی کے

بعض خیالات بھی نقل کیے ہیں مگر ایسے مواقع پر یہ صراحت بھی کر دی ہے کہ یہ باتیں علم تفسیر سے

متعلق نہیں ہیں۔ (۲)

تفسیر مظہری کی مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں

نقل کردہ احادیث کو بہ وقت ضرورت فن روایت کی میزان میں پرکھا بھی گیا ہے جس سے قاضی

صاحب کی قرآنی و فقہی بصیرت کے پہلو بہ پہلو ان کی علم حدیث سے گہری واقفیت کا اندازہ بھی

ہوتا ہے۔



(۱) تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۱۲ (۲) ایضاً، ص ۲۸۷۔

شاہ مراد اللہ انصاری

ہندوستان کی اولین اردو تفاسیر میں شاہ مراد اللہ انصاری کی تفسیر مراد یہ شمار کی جاتی ہے، یہ تفسیر صرف تیسویں پارہ کی ہے اور اس کا تاریخی نام ”خدائی نعمت“ ہے جس سے ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء نکلتے ہیں، شاہ مراد اللہ انصاری نے بھی اس کے اختتام پر یہی سند درج کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”یہ تفسیر محرم کے مہینے کی چوبیس تاریخ جمعے کے دن سال گیارہ

سو پچاسی ہجری میں تمام ہوئی۔“ (۱)

حالات مصنف | تفسیر مراد یہ کے زمانہ تصنیف سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ مراد اللہ انصاری شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم عصر تھے مگر شاہ صاحب سے ان کے تعلق و تلمذ کی کوئی صراحت نہیں ملتی ہے، نیز ان کے سوانح کے بارے میں بھی تذکرہ نگار خاموش ہیں، ڈاکٹر جمیل جالبی نے محض اس قدر صراحت کی ہے کہ وہ سنبھل کے ایک محلہ میاں سرائے کے رہنے والے تھے اور ان کا خاندان دربار شاہی میں بلند مقام رکھتا تھا (۲)، قاضی محمد زاہد الحسینی نے ان کا سنہ وفات ۱۱۸۴ھ بتایا ہے (۳) جو کہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ ان کی تصریح کے مطابق ان کی تفسیر ۱۱۸۵ھ میں مکمل ہوئی۔

ترجمہ قرآن | تفسیر مراد یہ میں قرآن مجید کا جو اردو ترجمہ درج ہے اس کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ ترجمہ شاہ مراد اللہ انصاری کا کیا ہوا ہے یا شاہ عبدالقادر کے ترجمہ سے ماخوذ ہے، چوں کہ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن ۱۲۰۵ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا، اس لیے تفسیر مراد یہ کے ترجمہ کی نسبت شاہ مراد اللہ کی طرف کرنے کی صورت میں ان ہی کو مترجم (اردو) اول کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

(۱) تفسیر مراد یہ، ص ۳۴۴ (۲) تاریخ ادب اردو، ج ۲، حصہ ۲، ص ۱۰۴۴، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

(۳) تذکرۃ المفسرین، ص ۱۷۱۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے ایک محقق ڈاکٹر سید حمید شطاری نے تفسیر مراد یہ اور شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کا تقابلی موازنہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ دونوں کے الفاظ تقریباً ایک ہیں اور اس کی بنیاد پر ان کا یہ قیاس قرین صواب معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر مراد یہ میں شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کو بعد میں شامل کر دیا گیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن مجید ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا اور تفسیر مراد یہ

کاسنہ تکمیل ۱۱۸۵ھ ہے، اس تفسیر (مراد یہ) کی طباعت (۱۲۵۱ھ) کے زمانے میں

شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن مجید غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکا تھا،

اس لیے قیاس ہے کہ تفسیر مراد یہ کی طباعت کے وقت مصححین نے بعض سورتوں

اور آیتوں کا ترجمہ شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن سے اخذ کر لیا ہوگا۔“ (۱)

اس قیاس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ناشر نے خود یہ صراحت کی ہے کہ کتاب

میں جا بجا ترمیم و تفصیل کی گئی ہے، چنانچہ خاتمۃ الطبع کی عبارت میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

”اس کتاب میں بعض بعض جا پر الفاظ میں ترمیم اور جو آیات قصہ

طلب تھے، وہاں پر عبارت بڑھادی ہے مگر مطلب کو نہیں جانے دیا ہے۔“ (۲)

اس طرح کتاب کے آغاز میں بھی دوسری کتاب سے استفادہ کی تصریح موجود ہے،

چنانچہ تفسیر مراد یہ میں ابتداء سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے، اس کے بعد تیسویں پارہ کی تفسیر ہے، سورہ فاتحہ

کی تفسیر کے آغاز میں لکھا ہوا ہے:

”پھر کہا کہ الحمد للہ تا آخر سورہ یہ فائدہ دوسری کتاب سے ہے۔“

اور اخیر میں یہ لکھا ہوا ہے کہ:

”یہ فائدہ اصل شریف مترجم ہندی کا ہے۔“ (۳)

اصل قرآن شریف مترجم ہندی سے کیا مراد ہے؟ قیاس یہ ہے کہ یہ شاہ عبدالقادر کا

ترجمہ قرآن ہے جس کو اصل واول کی حیثیت حاصل ہے۔

(۱) قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر، ڈاکٹر سید حمید شطاری، ص ۱۰۷ تا ۱۰۹، مطبوعہ ۱۹۸۲ (۲) تفسیر مراد یہ،

ص ۳۴۴ (۳) ایضاً، ص ۳۔

تفسیر مراد یہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۱ھ میں طبع ہوئی، اس کے بعد اس کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے، کتب خانہ دارالمصنفین میں اس کا جو نسخہ موجود ہے وہ ۱۳۱۰ھ کا مطبوعہ ہے اور وہی ہمارے پیش نظر ہے۔

تفسیر مراد یہ کی اہمیت

مورخین ادب اردو نے تفسیر مراد یہ کو غیر معمولی اہمیت دی ہے

اور اس کے تناظر میں اس دور کے لب و لہجہ، انداز ادا اور عام زبان کے خدو خال کی وضاحت کی ہے، مگر بہ حیثیت تفسیر یہ کتاب خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے، اس میں اسرائیلی روایات کو بہ کثرت پیش کیا گیا ہے، تاہم بعض باتیں مفید اور علمی ہیں جن کا ذکر سطور ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱- ہر سورہ کے آغاز میں اجمالی تعارف

اس تفسیر میں ہر سورہ کے آغاز میں مولف نے یہ صراحت کر دی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے یا مدنی اور یہ کس قدر آیتوں پر مشتمل ہے، نیز کلموں اور حروف کی بھی گنتی کر دی ہے، اسی کے ساتھ مختصر سورہ کے مضمون کی وضاحت بھی کر دی ہے، مثلاً سورہ نبا کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”عم سپارنے میں پہلے سورۃ عم ہے، مکے میں نازل ہوئی اس میں

چالیس آیتیں ایک سو چھتر کلمے اور آٹھ سو ایک حرف ہیں، جب حضرت نبی ﷺ

نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبری کا خلعت پہنا پیغمبر ہوئے اور حکم سے حق تعالیٰ

کے مکے کے سارے آدمیوں کو اپنی پیغمبری کی خبر دی اور ایمان لانے کو فرمایا اور

بت پوجنے سے منع کیا، اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالانے کے واسطے حکم فرمایا اور شرک

سے توحید کی طرف بلایا اور آیتیں قرآن شریف کی سنائیں، آخرت کی حقیقت

بیان کر دی اور فرمایا کہ یہ کلام اللہ کا ہے، اس وقت کے اچھے لوگ ان باتوں کو

سن کر ایمان لائے مسلمان ہوئے اور بہت لوگ جو بد بخت اور کم بخت تھے، یہ

بات سن کر تعجب کرنے لگے اور بہت لوگوں نے نئی باتیں قیاس کر کے انکار کیا اور

آپس میں بیٹھ کر ان باتوں کا چرچا کرنے لگے، ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ یہ

کیسی بات ہے جو محمد ﷺ کہتے ہیں اور کس طرح وہ پیغمبر ہوئے، خدا کا کلام

آسمان سے ان پر کیوں کرا ترا، ہم سب ایک خدا کی بندگی کیوں کریں اور آخرت

کیوں کر ہووے گی اور مردے سب کیوں کر زندہ ہوویں گے، قیامت کس طرح سے ہووے گی، ایسی ایسی نادانی کی باتیں آپس میں کہنے لگے، ان باتوں کو سچا کرنے کے واسطے جو کہ حضرت فرماتے تھے، یہ سورہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا، اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے مومن مسلمانوں کی اور کافر مشرکوں کی حقیقت اور دنیا و آخرت کا احوال اور بہت سا بیان فرمایا، چھپے ہوئے بھید کو ظاہر کر دیا جو کوئی بوجھے بہت سی دولت پاوے۔“ (۱)

تفسیر مراد یہ میں بعض سورتوں کے آغاز میں مضمون سورت کو نہایت ایجاز کے ساتھ ایک دو جملے میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً سورہ نازعات کے آغاز میں لکھتے ہیں:

”اس میں قیامت کے احوال ہیں اور وحدانیت کی دلیلیں ہیں اور بہت فائدے ہیں اس سورت میں۔“ (۲)

اسی طرح سورہ عبس کی تمہید میں لکھتے ہیں:

”اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ارشاد اور تعلیم کی صورت

کو۔ سمجھنے اور عمل کی توفیق بخشے والا وہی پروردگار عالم ہے۔“ (۳)

بعض سورتوں میں مضمون سورہ کی صراحت مذکور نہیں ہے، بلکہ صرف اس کے حروف و کلمات کی تعداد کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۲۔ رد بدعات کا اہتمام | شاہ مراد اللہ انصاری، فکر ولی اللہی کے نہج و انداز پر توحید خالص کے علم بردار نظر آتے ہیں، ان کی تفسیر میں اس زمانہ کی رائج متنوع بدعات و خرافات کا ذکر کر کے ان کی نفی و تردید کی گئی ہے، وہ سورہ بروج کی آیت:

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (بروج: ۹)

جس کا راجح ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت عیسیٰ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لیے بھیجا، اس

(۱) تفسیر مراد یہ، ص ۳-۴ (۲) ایضاً، ص ۳۱ (۳) ایضاً، ص ۶۱۔

وقت یہودیوں کا غلبہ تھا، یہود حضرت موسیٰ کی امت میں تھے، راہ و رسم یہود کی بھول گئے تھے، سحر جادو کی طرف لگے تھے، بت پرستی کرتے تھے، بدعتیں کرتے تھے، دین کی راہ چھوڑ دی تھی، جیسے اب اس زمانے میں بہت لوگ مسلمان کہلاتے ہیں اپنے تئیں حضرت محمد ﷺ کی امت جانتے ہیں لیکن دین کے کام انہوں نے چھوڑ دیے ہیں، قبروں کو سجدہ کرتے ہیں، کافروں کی رسمیں بجالاتے ہیں، بھولی، دیوالی، دسہرہ کرتے ہیں، سیتلا چٹھہ پنچانند کالی مہادیوی، بن بی بی، اولاد بی بی، لال پری، شیخ سدو، زین خان، مانک پیر، پرست پیر وغیرہ کو پوجتے ہیں ان کی منت چڑھاتے ہیں اور بہت باتیں ہیں جو مرد و عورت سب کرتے ہیں، یہ نادانی کا سبب ہے، دین کے علم سے جاہل ہیں ناواقف ہیں۔ (۱)۔

۳۔ حکیمانہ نکات | تفسیر مراد یہ میں بعض آیتوں کی تفسیر میں نہایت حکیمانہ باتیں ذکر کی گئی ہیں جس سے مولف کی دقیقہ سنجی کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے، سورہ عبس کی آیت:

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (عبس: ۲۰) ۵ پھر راہ آسان کر دی اس کو۔

کی تفسیر میں انہوں نے ابتداء اسی مفہوم کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکیم مادر سے آسانی باہر نکالا، پھر اس کی مزید حکمتیں واضح کرتے ہوئے انہوں نے اس آیت کے مفہوم میں انسان کے زندگی کے تمام مراحل کو شامل کر لیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”پھر راہ نکلنے کی پیٹ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر آسان کر دی،

پس آدمی اپنے دل میں سمجھے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے فضل پر ایمان

لاوے، شکر کرے جو پیٹ میں تھا تنگی میں تھا اور راہ بھی اس کے نکلنے کی تنگ تھی

کیا حکمت سے آسانی سے اس ماں کے پیٹ میں رکھا، پھر کس حکمت سے ایسی

تنگ راہ سے آسانی سے باہر نکالا، پھر اس کے اوپر سب طرح کی راہ آسان

کر دی، اول تو وہاں سے نکل کر قوت کے پیدا کرنے کی قدرت نہ تھی اور تنگی میں

(۱) تفسیر مراد یہ، ص ۱۴۱۔

تھا کہ نہ عقل تھی نہ شعور تھا نہ زور تھا نہ قوت تھی جو اپنی قوت سے اپنا قوت پیدا کر پاتا، پالنے والوں کے دلوں میں پیار شفقت ڈال دی، ماں کی چھاتی میں دودھ پیدا کر دیا یا ماں باپ نے محنت اور خدمت کر کے پالا، قوت کی راہ سمجھنے کی راہ آسان کر دی جو ایک راہ بھی ان راہوں سے آسان نہ ہوتی تو ہمیشہ ایک طرح کی تنگی میں رہتا اس سبب سے خواری میں رہتا جو دیکھنے کی راہ آسان نہ ہوتی تو اندھا بن کے اندھیرے کے بندی خانے میں پھنسا ہوا رہتا، ہزاروں رنگ و صورت، حسن و جمال، گل پھول، لاکھوں تماشوں سے محروم رہتا، ہزاروں لاکھوں فائدوں سے بے خبر رہتا اور سننے کی راہ جو آسان نہ ہوتی بہرا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں فائدوں سے بے خبر رہتا اور نہ سننے کے سبب بولنے کی راہ بھی نہ کھلتی، زبان کسی بات میں چل نہ سکتی گونگا ہوتا آدمی نہ ہوتا، حیوان جانوروں کی طرح رہتا دونوں جہاں میں خوار رہتا نہ دنیا کا فائدہ لے سکتا نہ آخرت کا فائدہ پاسکتا دنیا میں جو کوئی گونگا ہوا ہے، وہ ماں کے پیٹ سے ہی بہرہ پیدا ہوا ہے، نہ کچھ سن سکتا ہے نہ سمجھ سکتا نہ بول سکتا جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے، وہ بہروں، گونگوں، اندھوں کے حال کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر جو کچھ اس کو بخشی ہیں، اپنے دل سے جان سے شکر کرتا ہے اپنے ایمان کو محکم کرتا ہے بندگی میں قائم ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آدمی کے اوپر سمجھنے کی راہ عقل کی راہ آسان کر دی، جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے سمجھ پیدا ہوتی جاتی ہے، دنیا کی معاش کی تدبیریں آگے آتی جاتی ہیں، مثلاً جب دودھ پینے سے چھوٹا کھانا پینا آگے آیا، دنیا کے مزدوں کی چیزوں کی خبر ہوئی، اون مزدوں کی چیزوں کی تلاش میں بند پڑا، پھر مقصدوں کے پیدا کرنے کے واسطے بھی سب طرح کی راہ آسان کی، ان کی قوم کی عادت پر ان کی راہ و رسم پر کام سکھایا، نوکری چاکری، کھیتی باڑی، تجارت، لوہار، بڑھی کا کام کسب جو اہے کا پیشہ اور

طرح طرح کے سب کسب پیشے دنیا میں پیدا کر دیے، ہر ایک کے اوپر ایک ایک طرح راہ آسان کر دی، جو کسی راہ چاہے اس راہ میں آسانی ہے چلے اپنا مقصود حاصل کرے اور جس راہ کو اللہ تعالیٰ نے جس کی مشکل کر دی اس راہ میں قدرت نہیں جو قدم اٹھ سکے، پھر دنیا میں زمین پر خشکی کی راہ تری میں دریاؤں کی راہ آسان کر دی، خشکی میں چلنے کے واسطے پاؤں میں قوت دی اور جو تھکے نہ چل سکے تو ہاتھی، گھوڑا، اونٹ، خچر، بیل، رتھ گاڑی چھکڑا پیدا کر دیا اور دریاؤں میں ناؤ نواڑ بنادے، جہاں چاہتا ہے، وہاں جاتا ہے اپنے اپنے مقصود کو حاصل کرتا ہے، پھر اس پاک خاوند (خداوند) نے دنیا کی راہوں کو آسان کر کے آخرت کی راہوں کو آسان کر دیا، آدمی کو کچھ خبر نہ تھی کچھ نہ جانتا تھا، دنیا کے ہزاروں مقصودوں اور ہزاروں طرح کی راہوں میں چلا جاتا تھا، ایک اور فضل کیا رحمت کا دروازہ کھولا، پیغمبر اپنی طرف سے بھیجے، اون کے اوپر اپنے کلام بھیجے، کتابیں بھیجیں اور ان کتابوں میں آخرت کی سب خبر دی، مرنے کے بعد جو حقیقت ہووے گی جو چال آدمیوں کے اوپر آوے گا آخرت کا احوال، اس جہاں کی بات سب مردوں کا جینا، حساب کتاب، تراز و پل صراط، دوزخ، بہشت، کافر مومن کا کھانا، برے بھلے جگہ عذاب خواری، عزت دکھ سکھ ناخوش بیماری آرام ہمیشہ کا جینا برے اور بھلے حال میں رہنا کہہ دیا اور بتا دیا، دنیا میں جیسا کوئی کام کرے گا آخرت میں ویسا ہی وہ پاوے گا، برے کاموں کی بری جزا ہے، اچھے کاموں کی اچھی جزا ہے، برے فعلوں کا برابرہ ہے اچھے فعلوں کا اچھا بدلہ ہے، پھر برے کام اچھے کام سب طرح سے بتا دیے، سب راہ آسان کر دی جو کوئی جس راہ میں اپنے اختیار سے اپنے شوق سے چاہے چلا جاوے، اچھی راہ کے بتانے والے لے جانے والے پیغمبر، پیر، اولیا، مشائخ، عالم، فاضل پیدا کر دیے، اسباب سامان تیار کر دیے، اسی طرح ہدراہ کی بھی راہ

بتانے والے شیطان نفس دنیا میں پیدا کر دیے، اسباب سامان اس کا تیار کر دیا،
 سب طرح کی بات بتادی سکھادی، پھر آدمی جس راہ کو اختیار کرتا ہے، شوق کرتا
 ہے اسی راہ میں آخری عمر تک آسانی سے چلا جاتا ہے، بہت بہت راہیں جو
 اللہ تعالیٰ نے آدمی کے اوپر آسان کر دیں، اگر ان راہوں کا بیان کرے تو دفتر
 تیار ہوویں، کتابیں لکھی جاویں۔ (۱)

تفسیر مرادیہ کے اس مختصر تعارف سے یہ بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ برصغیر میں
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے عہد میں دیگر علما و بزرگان دین بھی علم تفسیر میں مشغول و منہمک تھے۔



شاہ رؤف احمد مجددی (المتوفی ۱۲۵۳ھ)

شاہ رؤف احمد مجددی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد تھے (۱)، انہوں نے اردو زبان میں ایک تفسیر بنام ”تفسیر رؤفی“ لکھی جو مطبوع ہے مگر متداول نہیں ہے۔

مختصر حالات زندگی ۱۲۱۳ محرم ۱۲۰۱ھ کو مصطفیٰ آباد عرف رام پور میں پیدا ہوئے، والد کا نام شعور احمد تھا، داد نے ان کا تاریخی نام ”رحمن بخش“ رکھا جس سے ۱۲۰۱ھ کے اعداد نکلتے ہیں، شاہ ابوسعید جو کہ مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ شاہ غلام علی کے جانشین مقرر ہوئے، ان کے خالہ زاد بھائی تھے اور عمر میں ان سے چند سال بڑے تھے۔ (۲)

شاہ ابوسعید کی معیت و رفاقت اور خاندانی اثر و ماحول کی بنا پر بچپن ہی سے ان کو سلوک و تصوف سے دل چسپی تھی، چنانچہ زمانہ مہربنت ہی میں شاہ ابوسعید کے ایما سے رام پور میں مقیم ایک درویش صفت بزرگ شاہ درگا ہی سے بیعت ہوئے۔ (۳)

۱۲۲۶ھ میں شاہ درگا ہی کی وفات ہوئی، اس کے بعد شاہ ابوسعید اور شاہ رؤف احمد دونوں بھائی رام پور سے دہلی آ گئے اور شاہ غلام علی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے، شاہ رؤف احمد نے تقریباً پانچ چھ برس کا عرصہ شاہ غلام علی کی معیت میں بسر کیا اور غالباً اسی اثنا میں انہوں نے شاہ عبدالعزیز سے اکتساب فیض کیا، پھر وہ دہلی سے بھوپال منتقل ہو گئے اور وہاں ان کو خوب مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی، ۱۲۵۳ھ میں حج کے ارادہ سے بھوپال سے روانہ ہوئے، سمندر کے سفر میں جہاز ہی پر ان کا انتقال ہوا اور یمن کی ایک بندرگاہ پر مدفون ہوئے (۳)۔

(۱) رحمٰن علی، تذکرہ علمائے ہند، ص ۶۷، نول کشور پریس (۲) حافظ احمد علی خاں شوق، تذکرہ کالملاں رام پور، ص ۱۲۳-۱۲۴، ہمدرد پریس دہلی، ۱۹۲۹ء (۳) غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، ص ۳۰۷ (۴) دیباچہ مکاتیب شریفہ۔

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے ماہ وفات ذی قعدہ لکھا ہے، حافظ احمد علی خان نے ۲۵ ر ذی قعدہ کی تصریح کی ہے، تذکرہ کی کتابوں میں ان کے سن وفات کا اختلاف مذکور ہے مگر وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، مولوی رحمن علی نے ۱۲۰۳ھ ان کا سن وفات لکھا ہے، غالباً ان کی عبارت میں پنجاہ (۵۰) کا لفظ سہو کتابت کی بنا پر رہ گیا ہے، حافظ احمد علی خاں نے ۱۲۴۰ھ لکھا ہے اور خود ہی تفسیر روئی کا سن تکمیل ۱۲۴۸ھ بتایا ہے، اس لحاظ سے ۱۲۴۰ھ کسی طور پر درست نہیں ہو سکتا ہے، انہوں نے عبد الغفار خاں نساخ کے ایک قطعہ کی بنیاد پر ۱۲۴۹ھ کے سن کا بھی ذکر کیا ہے مگر یہ عام تذکرہ نگاروں کے بیان کے خلاف ہے۔

شاہ رؤف احمد کے دو لڑکے تھے، ۱۔ شیخ خطیب احمد، ۲۔ شیخ حبیب احمد، اس کے علاوہ انہوں نے متعدد علمی یادگاریں چھوڑیں جن میں سرفہرست تفسیر روئی ہے، ان کی بقیہ کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مکاتیب شریفہ: یہ شاہ غلام علی کے خطوط کا مجموعہ ہے جس کو انہوں نے اپنے تلامذہ کو لکھا تھا، ۱۳۳۴ھ میں شاہ رؤف احمد کے پوتے مولانا محمد عبداللہ کی کوشش سے یہ خطوط شائع ہوئے ہیں۔
۲۔ دارالمعارف: یہ شاہ غلام علی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

۳۔ مراتب الوصول: حافظ احمد علی خاں نے لکھا ہے اس کو ایک رسالہ کی صورت میں، خانقاہ دہلی میں لکھا تھا اور حضرت غلام علی نے اس کو پسند فرمایا۔

۴۔ رسالہ صادقہ مصدوقہ: حافظ احمد علی خاں کی تصریح کے مطابق اس کا قلمی نسخہ ریاست رام پور میں ہے، جو ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے اور فارسی زبان میں ہے، ان کا کہنا ہے کہ شاہ رؤف احمد نے صادقہ مصدوقہ اپنے خط میں لکھا ہے اور اس کی ابتدائی عبارت یوں ہے الحمد للہ الذی جعل الاولیاء خلفاء الانبیاء، اس کے خاتمہ کی عبارت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ایامی رسالہ مراتب الوصول ہے یا کوئی دوسرا رسالہ ہے (۱) دوسرے تذکرہ نگاروں نے اس نام کے کسی رسالہ کی صراحت نہیں کی ہے، البتہ ایک رسالہ ”احوال ہفت چشت“ کے نام سے ذکر کیا ہے (۲)، ممکن ہے یہ وہی ہو۔

(۱) تذکرہ کالمات رام پور، ص ۱۳۵-۱۳۶ (۲) مکاتیب شریفہ۔

۵- جواہر علویہ: اس کے بارے میں حافظ احمد علی خاں کا بیان ہے کہ بہ زبان فارسی حضرت شاہ غلام علی کے مفصل حالات اور کل سلسلے کے مجمل احوال پر مشتمل ہے اور اس میں اپنا نسب نامہ اور کچھ حالات بھی لکھے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ فارسی کا نسخہ مجھے نہیں مل سکا، البتہ اس کا اردو ترجمہ جس کو مکتبہ تاجران کتب قومی لاہور نے طبع کرایا ہے، دست یاب ہو سکا مگر اس ترجمہ میں اور اس کی طباعت میں بہ کثرت غلطیاں ہیں۔

۶- سلوک العارفین: حافظ احمد علی خاں کا کہنا ہے کہ یہ کتاب دو سو بیس صفحات پر مشتمل چھوٹی تقطیع میں کتب خانہ ریاست رام پور میں موجود ہے، اس میں بائیس فصلیں اور ایک خاتمہ ہے اور طریقہ نقشبندیہ کی تفصیل مذکور ہے۔

۷- شراب ریحق: یہ چودہ صفحات کا رسالہ کتب خانہ ریاست رام پور میں موجود ہے، اس میں نقشبندی، قادری اور چشتی طریقہ کے اذکار و اشغال لکھے ہیں۔

۸- ارکان اسلام: ۹ صفحے کا رسالہ مطبع نظامی کان پور سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا ہے، مکاتیب شریفہ کے ناشر نے یہ تصریح کی ہے کہ اس کو فقہ حنفی کے طرز پر مرتب کیا گیا ہے۔

۹- مرغوب القلوب در قصہ معراج: نثر اردو میں ایک معراج نامہ ہے۔

۱۰- مولود احمدی ۱۱- رسالہ مولود منظوم ۱۲- مجمع الفوائد

۱۳- درۃ التجوید ۱۴- ریحق المسبین شرح حصن حصین ۱۵- رسالہ درلباس

۱۶- رسالہ در ادعیہ ۱۷- یوسف زلیخا منظوم اردو

شاہ رؤف احمد فارسی اور اردو دونوں زبان کے قادر الکلام شاعر تھے، حافظ احمد علی خاں لکھتے ہیں:

”سنا ہے کہ اردو فارسی کلام کا دیوان بھی ہے، اردو شاعری میں قلندر

بخش جرأت سے تلمذ تھا“۔ (۱)

تفسیر رؤفی | تفسیر رؤفی بڑی تقطیع میں دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے، پہلی جلد سورہ کہف تک ہے اور دوسری جلد سورہ مریم سے شروع ہوتی ہے، درائم الحروف کو صرف دوسری جلد وخت یاب

(۱) تذکرہ کاما ان رام پور ص ۱۲۵۔ (۲) (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

ہو سکی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ مکتب خانہ جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ میں ہے۔

اس جلد میں خاتمۃ الطبع کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۲۹۳ھ میں مطبع حیدری سے شائع ہوا، نیز مصنف کے بعض قطعات بھی درج کیے گئے ہیں جن سے اختتام تالیف (۱۲۴۸ھ) کی صراحت ہوتی ہے۔

اس تفسیر میں اصل چیز آیتوں کا ترجمہ ہے، تفسیری مباحث بہت کم ہیں، البتہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق سورتوں کے کلمات و حروف کی تعداد ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، نیز سورتوں کے آغاز میں ماسبق سورت سے ربط کی وضاحت بھی کی گئی ہے جو خالص لفظی اشتراک پر مبنی ہے، مصنف نے قدم قدم پر اپنے اشعار درج کیے ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قدرت و انہماک کا اندازہ ہوتا ہے، بعض بعض مقامات پر قدمائے صوفیہ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

نمونہ تفسیر | سطور ذیل میں تفسیر روئی کے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں جن سے اس تفسیر کے طرز تحریر کا اندازہ ہوگا۔

اس تفسیر میں سورہ انبیا اور سورہ حج کے درمیان ربط و مناسبت تحریر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے:

اور تطبیق اس کی (حج) ساتھ سورہ انبیا کے یہ ہے کہ مقطع میں سورہ انبیا کے فائدہ اٹھانا کفار کا تابہ اجل مقدر بیان کیا کہ انتہائے دنیا ہے اور مطلع میں اس سورہ حج کے ذکر زلزہ قیامت فرمایا کہ منعہائے دنیا ہے اور یہ بھی ربط ہے کہ سورہ انبیا میں توحید خدا کی اور نبوت اور معجزے انبیا کے اور خبریں پہلوں کی اور تنبیہ حاضروں کی اور ہلاکت کافروں کی اور نجات مومنوں کی مذکور تھی، اس سورہ حج میں بھی یہی بیان ہے اور زیادہ اس پر حج اور عبادت اور امر بالمعروف اور نہی منکر مذکور ہے۔ واللہ اعلم (۱)

سورہ طہ میں فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بعض کہتے ہیں کہ پوست ہمارے غیر مذہب کی تھی، پس بسبب نجاست

کے حکم اتارنے کا فرمایا اور اس پر یہ ہے کہ نعلین جلد بقر کی تھیں طاہر، اتارنے کا حکم اس واسطے فرمایا کہ قدم موسیٰ تراب الارض المقدسہ کو مس کرے اور برکت پاوے اور محققوں نے کہا ہے کہ یہ تعلیم ادب وادی ہے کہ بساط سلاطین پر نعلین سے نہیں جاتے، اس واسطے بعض سلف جیسے بشر حافی وغیرہ برہنہ پا سیر کرتے پھرتے ہیں.....، بعضوں نے کہا ہے کہ اپنے نعلین اتار ڈال یعنی خیال اہل و ولد دل سے نکال، امام قشیری نے کہا ہے کہ فکر دنیا اور آخرت کا دل سے دور کر۔ (۱)

سورہ مریم میں آیت سجدہ کی تفسیر میں شیخ ابن عربی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”یہ سجدہ انعام عام ہے، کیوں کہ رحمن کی رحمت سبب لطف و کرامت ہے اور موجب خوشی و مسرت پس ثمرہ اس کا طرب ہے نہ لقب۔“ (۲)



(۱) تفسیر روئی، ص ۱۸۲ (۲) ایضاً، ص ۱۷۶۔

مولانا قطب الدین دہلوی المتوفی ۱۲۸۹ھ

مولانا قطب الدین دہلوی شاہ اسحاق صاحب (نواسہ شاہ عبدالعزیز دہلوی) کے شاگرد تھے، اس طور سے ان کا علمی سلسلہ نسب خاندان ولی اللہی سے ملتا ہے۔

ان کا نام قطب الدین اور والد کا نام محی الدین تھا، دہلی میں پیدا ہوئے اور عمر کا زیادہ حصہ وہیں بسر کیا، فقہ و حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان دونوں فنون کی تحصیل انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے کی تھی، جن کی خدمت میں ایک طویل مدت تک رہنے اور استفادہ کرنے کا موقع انہیں ملا تھا، صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے کہ فقہی جزیات میں کوئی معاصر ان کا ہم سر نہ تھا، وہ فقہ حنفی کی تائید و حمایت میں بہت پر جوش تھے اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی تردید میں کئی رسالے مرتب کیے تھے۔

مولانا قطب الدین نہایت عابد و زاہد اور صالح شخص تھے، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور بحث و مذاکرہ میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، اخیر عمر میں حرمین تشریف لے گئے اور ۱۲۸۹ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ (۱)

تصنیفات مولانا قطب الدین نے جامع التفاسیر کے علاوہ درج ذیل کتابیں لکھیں:

- ۱۔ مظاہر حق: یہ مشکوٰۃ کی شرح ہے جو چار جلدوں میں ہے۔ ۲۔ النظر الجلیل: یہ اردو زبان میں حصن حصین کی شرح ہے۔ ۳۔ معدن الجواہر۔ ۴۔ آداب الصالحین۔ ۵۔ الطب النبوی۔ ۶۔ توفیر الحق۔ ۷۔ تنویر الحق۔

اس کے علاوہ چند اور رسالے بھی یادگار چھوڑے۔ (۲)

جامع التفاسیر مولانا قطب الدین دہلوی کی مرتب کردہ جامع التفاسیر مطبوع و متداول ہے مگر راقم الحروف کو اس کا صرف ایک حصہ جو سورہ احزاب تا سورہ مؤمن کی تفسیر پر مشتمل ہے،

(۱) نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۳۸۷ (۲) ایضاً، ص ۳۸۸۔

دست یاب ہو سکا، اس کے مطالعہ سے مولف کے طریقہ تفسیر اور ان کی تفسیر کے بارے میں اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، ان کو سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

تفسیر کی اشاعت

زیر نظر حصہ میں ترقیمہ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تفسیر مولف کی حیات ہی میں زیور طبع سے آراستہ ہو گئی تھی، اس کا سن اشاعت ۱۲۷۶ھ ہے اور اس کے کچھ اجزا مطبع چشمہ رفیع میرٹھ میں اور بقیہ حصے مطبع مصطفائی محمد حسن خاں سے شائع ہوئے۔ (۱)

ربط سور کا اہتمام

اس تفسیر کا یہ امتیاز ہے کہ تقریباً ہر سورہ کے آغاز میں ماقبل و مابعد سورہ ہے اس کا ربط و تعلق اور مناسبت دکھائی گئی ہے مگر انہوں نے آیتوں کے درمیان ربط و مناسبت نہیں بتائی ہے، سورتوں کے درمیان بیان کردہ مناسبت کا تعلق الفاظ کی ظاہری حد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ مولف نے معنویت کو بھی بہ طور خاص ملحوظ رکھا ہے، مثلاً سورہ فاطر کی تمہید میں لکھتے ہیں:

”نزول اس سورہ کا بعد سورہ فرقان کے ہے اور اس کو بعد سورہ سبا

اس لیے لکھا ہے کہ وہ بھی لفظ الحمد سے شروع ہوئی ہے اور یہ بھی اور دونوں کو مناسبت باعتبار مقدار کے بھی ہے کہ دونوں مقدار میں قریب قریب ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ ابتدا سورہ فاطر جو حمد ہوئی، اس کو مناسبت ہے اوپر کی سورہ کے خاتمہ سے یعنی: وَجِيلَ بَيْنَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ الخ۔ کہ کافروں کی خرابی و تباہی جب اس سورہ کے اخیر میں مذکور ہو چکی تو گویا اس سورہ کی ابتدا میں اس پر حمد کی جیسا کہ فرمایا فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“۔ (۲)

اسی طرح سورہ صافات اور یسین کے درمیان وجہ مناسبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ سورہ یسین کے بعد اس لیے لکھی گئی ہے کہ یسین میں ہے اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا هَلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ یعنی کیا نہ دیکھا انہوں نے کہ کتنی سیٹھیں (؟) ان کے پہلے ہم نے ہلاک کیں اور اس سورہ میں تفصیل ہے احوال

(۱) جامع التفاسیر، ص ۸۹ و ۳۸۹ ورق (۲) ایضاً، ص ۱۰۹۔

سینگوں مذکورہ کی پس اس میں تفصیل ہے اس کی جیسی کہ سورہ اعراف میں ہے

بعد سورہ انعام کے اور شعراء میں بعد فرقان کے۔ (۱)

گو اس طرح کی مناسبتوں میں عمق اور دقت آفرینی نہیں معلوم ہوتی، اسی لیے وہ بہت زیادہ دل کش اور دل نشیں بھی نہیں ہیں تاہم سورہ ص کو سورہ صافات کا تتمہ و تکملہ قرار دینا اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”گویا یہ تتمہ ہے اس کی کیوں کہ حق تعالیٰ نے ذکر کیا و الصافات میں

نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور ہارون اور لوط اور الیاس اور یونس کا اور اس میں

ذکر ہے داؤد اور سلیمان اور ایوب کا اور اشارہ کیا طرف بقیہ ان کے کہ ذکر کی

گئیں، پس یہ بعد و الصافات کے تتمہ میں ہونے ایسی ہے جیسی طس بعد شعرا

کے اور طہ و انبیاء بعد مریم کے اور یوسف بعد ہود کے۔ (۲)

مگر بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولف کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی

اور ربط سور کا معاملہ الفاظ کے ظاہر ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، مثلاً سورہ یسین اور فاطر کے درمیان وہ وجہ مناسبت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”نزول اس کا (یسین) بعد سورہ جن کے ہے اور بعد سورہ فاطر کے

یہ اس لیے لکھی گئی ہے کہ جب ذکر ہو سورہ فاطر میں قول اللہ تعالیٰ کا وَجَاءَ كُمْ

النَّذِيرُ اور قول اللہ تعالیٰ کا وَاقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْْمَانِهِمْ لَئِنْ

جَاءَهُمْ نَذِيرٌ تَاوَلُوْا اس کے فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ اور مراد نذیر سے

محمد ﷺ ہیں اور کافروں نے ان سے روگردانی کی اور جھٹلایا ان کو پس شروع کی

یہ سورہ ساتھ قسموں کے اوپر صحت رسالت ان کی ان کے اوپر اس کے کہ وہ

صراط مستقیم پر ہیں، پھر آگے فرمایا لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اَبَاؤُهُمْ اور

وجہ اتصال کی ظاہر ہے اور یہ وجہ ہے کہ سورہ فاطر میں ہے وَسَخَّرَ الشَّمْسُ

وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِآخِلٍ مُّسَمًّى اور سورہ یسین میں ہے وَالشَّمْسُ

(۱) جامع التفاسیر ص ۱۸۴ (۲) ایضاً ص ۲۴۰۔

تَجْرِى لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكِ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ وَالْقَمَرَ
قَدَرْنَا مَنَازِلَ، دو آیتیں اور یہ وجہ فراخ تر اور واضح تر ہے اور یہ وجہ
ہے کہ فاطر میں ہے وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاجِرَ اور یسین میں ہے
وَ آيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ یہ کئی
آیتیں ہیں کہ نشانیاں اس کی قدرت کی تفصیل سے ان میں مذکور ہیں۔ (۱)

اسالیب قرآن کی وضاحت | جامع التفاسیر کا دوسرا بڑا امتیاز ہے کہ اس میں قرآن مجید
کے اسالیب بیان کی وضاحت و تشریح بھی کی گئی ہے، قرآن مجید کا ایک اسلوب خطاب کی تبدیلی
کا ہے جس کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے، سوزہ صافات کی درج ذیل آیتوں میں یہ تبدیلی نمایاں ہے،
ارشاد باری ہے:

رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا وَ رَبِّ الْمَشَارِقِ إِنَّا زَيَّنَّا
السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ
الْكُوَاكِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ
شَيْطَانٍ مَّارٍ (صافات: ۵-۶)

رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان
کے بیچ میں ہے اور رب مشرقوں کا، ہم نے
رواق دی ورلے آسمان کو ایک رونق جو
نارے ہیں اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش
سے۔

مولانا قطب الدین دہلوی مذکورہ بالا آیات میں تبدیلی خطاب کی غرض و غایت بیان
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الخ میں وہ وصف بیان
فرمایا تھا جن کا ظاہر ہونا مخلوقات سے کسی طور متصور نہیں جیسے پیدا کرنا آسمانوں
کا، زمین کا اور مشرق و مغرب کا، وہاں پر متکلم کے صیغہ سے بیان کرنے کی
کچھ حاجت نہ تھی، اس واسطے کہ سب دانا اور عقل مند اس بات کو جانتے ہیں کہ
یہ کام سوائے اس ذات پاک کے کوئی نہیں کر سکتا اور اس آیت میں ایسے کام
ذکر کیے ہیں جن میں آدمی کو بھی دخل ہے اور وہ کام آدمی بھی ظاہر میں کر سکتا ہے

جیسے قدیلوں اور چراغوں سے مکان کو آراستہ کرنا اور دشمنوں کو سنگسار کرنا اور دشمنوں کی خرابی کے اسباب موجود رکھنا، یہ سب کام آدمی بھی کرتے ہیں تو یہاں متکلم ذکر کرنا ضروری ہوا تا کہ کسی طرح کا شبہ نہ رہے۔“ (۱)

پند و موعظت پر خاص توجہ | جامع التفاسیر میں پند و موعظت کی باتیں بہ کثرت ذکر کی گئی ہیں اور جابجا مولف نے اس پہلو کو خاص طور پر پیش کیا ہے، سورہ فاطر کی آیت:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ (فاطر: ۵)

اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، سو نہ بہکائے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغا باز۔

کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا دہلوی نے علماء و مشائخ کو بھی فریب نفس سے متنبہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”اور فریب نہ دے تم کو شیطان اس لیے کہ وہ ڈالتا ہے تمہارے دل

میں جھوٹی آرزو میں اور کہتا ہے کہ اللہ ہے پروا ہے تیری عبادات سے اور تیرے عذاب کرنے سے..... سچ ہے اس دنیا اور شیطان نے راہ حق سے بہت ہی الگ کر رکھا ہے، اچھے اچھے لوگ ان کے مکر و فریب سے لرزاں ترساں رہتے تھے، یہ ہیں کہ جہاں مولوی گری یا فقیری کا نام لگا گویا معافی کی چھٹی لکھوالی کہ سب کچھ اپنے حق میں مباح سمجھنے لگے یعنی بعض مولوی تو تاویلات باطلہ کر کر بہت سی حرام چیزوں کو مباح سمجھتے ہیں اور بعض فقیر باقتضای جہالت بدعات شنیعہ اور حرام چیزوں کو اپنے لیے روا جانتے ہیں۔“ (۲)

اسی طرح سورہ صافات کی آیت:

قَالَ تَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ (صافات: ۹۵) بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو۔

کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے تعزیہ بنانے کو بھی اسی مفہوم میں شامل کیا ہے اور اس کے مضبوط دلائل دیے ہیں۔ (۳)

بعض بعض مقامات پر اپنے عہد کی رائج بدعات کا تذکرہ کر کے اس کی تردید کرتے ہیں،

(۱) جامع التفاسیر، ص ۱۸۹ (۲) ایضاً، ص ۱۱۳ (۳) ایضاً، ص ۲۱۰۔

اسی طرح نکاح بیوگاں کے وہ بڑے حان اور پر جوش مبلغ نظر آتے ہیں۔ (۱)

کلامی مسائل | جامع التفاسیر میں گو واعظانہ اسلوب بیان غالب ہے تاہم بعض مقامات

پر متکلمانہ بحث و گفتگو بھی کی گئی ہے، مثلاً حضرت اسماعیل ذبیح تھے یا حضرت اسحاق، اس سلسلہ میں علما کی دونوں رائیں نقل کر کے انہوں نے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے:

”اور ظاہر تر یہ ہے کہ ذبیح اسماعیل تھے اور یہ قول ابو بکرؓ، ابن عباسؓ اور

ابن عمرؓ اور ایک جماعت کا تابعین میں سے ہے، بسبب فرمانے آنحضرت ﷺ

کے انا ابن الذبیحین یعنی میں بیٹا دو ذبیحوں کا ہوں، پس ایک تو ان

میں سے جدا آنحضرت ﷺ کے اسماعیل تھے، دوسرے باپ آنحضرت ﷺ کے

عبداللہ۔“ (۲)

اسی طرح حضرت داؤد کے پاس فرشتوں کا مقدمہ لے کر آنا اور حضرت داؤد کا توبہ و

استغفار سورہ ص میں مذکور ہے، اس کی تفسیر میں مفسرین نے عجیب و غریب اقوال نقل کیے ہیں جن

سے حضرت داؤد کی عظمت شان کو دھبہ بھی لگتا ہے، مولانا قطب الدین دہلوی نے اس موضوع

کی تمام روایات کا احاطہ کر کے اس پر عمدہ بحث کی ہے اور اپنے استاد شاہ اسحاق صاحب کے

حوالہ سے اس واقعہ کی یہ توجیہ نقل کی ہے:

”بیچ قصہ داؤد اور نکاح کرنے ان کے عورت معلومہ سے اختلاف

بہت ہے اور بعض مفسروں نے قصہ کو اس طرح نقل کیا ہے کہ شرع اور عقل اس کو

نہیں قبول کرتی اور جو کچھ قریب تر ساتھ صواب کے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ

اور یا نے ایک عورت سے پیغام نکاح کا کیا تھا اور قریب تھا کہ اس سے نکاح

کریں اس عورت کے ولیوں کو اور یا کی طرف سے کچھ خدشہ پڑا اور اس کو نہ دی

اور حضرت داؤد نے پیغام نکاح کا کیا اور داؤد کے ننانوے بی بیائیں تھیں باوجود

اس کے اس سے بھی نکاح کیا، زاد المسیر میں آیا ہے کہ عتاب الہی داؤد پر اس

لیے تھا کہ بعد از خطبہ اور یا کے اس سے خطبہ کیا مرشدنا مولانا اسحاق صاحب

(۱) جامع التفاسیر، ص ۱۵۴ (۲) ایضاً، ص ۲۱۶۔

نے یہ مضمون عاجز مولف اس کتاب کو لکھوا دیا تھا اور ظن غالب یوں ہے کہ یہ تقریر شاہ ولی اللہ صاحب کی ہے کہ شاید ان کی مولفات میں سے لکھوائی تھیں، واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)

تفسیر جامع التفاسیر میں متکلمانہ بحثیں زیادہ باوزن نہیں معلوم ہوتیں بلکہ بعض مقامات پر مولف نے تعرض کیا ہے مگر ان کا خاطر خواہ اور تشفی بخش جواب نہیں دیا ہے، مثلاً سورہ احزاب کی آیت:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَ
بَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ
عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى
أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ
غَفُورًا رَحِيمًا (احزاب: ۵۹)

اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی
بیٹیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکا
لیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں اور اس
میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی
ان کو نہ ستائے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے آزاد اور لونڈی کے پردہ میں تفریق کو ضروری قرار دیا ہے اور پھر اس تفریق کی جو توجیہ کی ہے وہ تسلی بخش نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں:

”کسی کو یہ شبہ نہ گزرے کہ بی بیایاں بدذاتوں کی ایذا سے بچائی گئیں اور
لونڈیاں نہ بچائی گئیں اس لیے کہ مقصود شارع کو یہ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ چونکہ
بیویوں کو وہ نہ ستاتے تھے، فرمادیا کہ تم ایسی وضع نہ بناؤ کہ دھوکہ میں تم کو کوئی ستائے، خیر
لونڈیاں بے چاری تو موزی کے چنگل میں پھنس رہی ہیں جو بچا سوئی صحیح۔“ (۲)

جامع التفاسیر کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولف کی نظر فقہ حنفی پر گہری ہے، نیز
اس میں ہر آیت کے ضمن میں شاہ ولی اللہ صاحب کے ترجمہ فتح الرحمن اور شاہ عبد القادر صاحب
کے ترجمہ تفسیر موضح القرآن کا اقتباس نقل کیا گیا ہے اور ہر سورہ کے حروف و کلمات کی تعداد بھی
ذکر کی گئی ہے۔



TAZKERA-E-MUFASSSERIN-E-HIND

Volume I

Compilation

MOHD. ARIF AZMI UMRI

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH